اعتراف

جی ہاں! ہم اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں اس اعتراف میں
[...]ی کی جگہ شادمانی اور شکست کی جگہ فتح نظر آتی ہے۔

ہمارے پچھلے اعلان کا ردِ عمل کچھ اس شدت سے ہوا کہ کتاب نما کو بند کر دینے کا
[...]رادہ متزلزل ہونے لگا۔ جو خطوط موصول ہوئے انھوں نے ہمیں اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی
[...]کے لیے مجبور کر دیا ہے۔

اس وقت تک جتنے خطوط آئے ہیں اُن کی تقسیم یوں کی جا سکتی ہے: احتجاج،
[...]ب، اصرار اور اعانت ــــ پہلا گروہ ناراض ہے کہ ہم نے "ایسے مفید اور کار آمد"
[...]ہ کو بند کر کے سخت غلطی کی ـــ گویا ہمیں اس کا حق نہیں تھا!

دوسرے گروہ کو صرف "افسوس" ہوا کہ "ایسے معلوماتی" پرچے سے محروم ہو گیا۔
تیسرے گروہ کو اصرار ہے کہ ہمیں یہ "ادبی خدمت" بہر حال جاری رکھنی چاہیے
[...]۔

یہ تینوں گروہ کسی نہ کسی حد تک ہمارے شکریے کے مستحق ضرور ہیں ؎
[...]رخی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں ہم خوش ہیں یوں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

ان تمام حضرات سے ہمیں بھی ہمدردی ہے لیکن اس وقت ان سے کچھ کہنا نہیں ہے۔
چوتھا گروہ اُن مخلص حضرات پر مشتمل ہے جنھیں 'کتاب نما' کے بند ہونے کا سچ مچ ملال

ہے اور جو نہ صرف اس کی زندگی کے حقیقی معنی میں خواہش مند ہیں بلکہ اس کو پھولتا پھلتا اور پروان چڑھتا بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

جمشید پور سے ایک صاحب نے ایک سو خریدار مہیا کرنے کی پیش کش کی ہے۔ گلبرگہ کے ایک اور ہمدرد جو ایک سو کا پیاں منگایا کرتے تھے یہ عزم رکھتے ہیں کہ اس کی اشاعت اپنے علاقے میں ایک ہزار تک پہنچا دیں گے اور سچ پوچھیے تو ایسے ہی حضرات کے خطوط نے ہمیں اپنے فیصلے پر نظرثانی کے لیے مجبور کر دیا۔ ان کے خطوط میں کئی ہمدردانہ مشورے بھی ہیں۔

زیادہ تعداد ایسے احباب کی ہے جنھوں نے یہ رائے دی ہے کہ کتاب نما کے چندے میں اضافہ کر دیا جائے۔ ہمیں یہی مشورہ زیادہ صائب اور قابلِ عمل معلوم ہوا۔ چنانچہ ہم نے طے کیا ہے کہ اس کا سالانہ چندہ بجائے ایک روپیہ کے دو روپے کر دیا جائے۔ یہ محض ہماری تجویز ہے۔ لیکن ہم بہتر اس کو سمجھتے ہیں کہ اس ضمیمے کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اصحاب کی رائے معلوم کریں۔ اگر قارئین کو اس تجویز سے اتفاق ہوا تو فروری کے "کتاب نما" کے باقاعدہ اجرا میں ہمیں کوئی تکلف نہ ہوگا۔

جن حضرات نے اضافے کی تجویز بھیجی ہیں ان سے تو یہ توقع ہے کہ وہ بخوشی اسے قبول کرلیں گے۔ اس لیے کہ ان حضرات میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے از خود دو روپے چندہ بھیج دیا ہے اور ایک صاحب دل اور ادب نواز ایسے بھی ہیں جو اپنی نوے روپے کی قلیل آمدنی کے باوجود پانچ روپے سالانہ تک کتاب نما کی نذر کرنے کو تیار ہیں۔

ہاں، اپنے طور پر ہمیں اتنا ضرور کرنا ہوگا کہ اعزازی طور پر پرچہ بھیجنے کی روایت کو اراز کم اتنی مدت تک کے لیے ملتوی کر دیں جب تک رسالہ خود اپنے بار کو برداشت کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔

ناشرین اور مصنفین سے ہم ایک بار پھر یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے اشاعتی پروگرام سے ہمیں ضرور باخبر رکھیں۔ اس میں بخل سے کام لینے میں ہمارا نہیں صرف ان ہی کا نقصان ہے۔ اس قسم کی خبروں کی اشاعت کا کوئی معاوضہ ہم نہیں طلب کرتے۔

اب دیکھنا ہے کہ ہماری ان گزارشات کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ اُسی کی روشنی میں ہم کوئی آخری فیصلہ کر سکیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں قارئین کرام

نئی شرح سے چندہ بھیج کر اپنے ارادے کا اظہار کریں گے۔

جو اصحاب پچھلی شرح سے چندہ بھیج چکے ہیں اُن سے مزید کوئی مطالبہ کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن ان سے یہ توقع بے جا نہیں کہ وہ نہ صرف آیندہ اپنی خریداری جاری رکھیں گے بلکہ نئے خریدار بنانے کی بھی ہر ممکن سعی فرمائیں گے تاکہ کتاب نما کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد ملے اور ہم اس کے ذریعے زبان و ادب کی خدمت کرتے رہیں۔

جس قدر خطوط اس سلسلے میں آئے ہیں ان سب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا اور جواب دینا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ ایسے تمام حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ ان سطور کو ہی اپنے مکتوبات کی رسید اور جواب تصور فرما کر مزید شکر گزاری کا موقع دیں۔

افسوس ہے کہ ۶۷ء جلتے جلتے بھی کئی چرکے لگا گیا۔ ۱۳ ردسمبر کو جامعہ کے ایک پرانے طالب علم جناب محمد یوسف صاحب کا اچانک انتقال ہو گیا۔ یوسف صاحب نے جامعہ میں تعلیم پائی تھی۔ بی۔ اے کرنے کے بعد وہ مکتبہ جامعہ آگئے تھے جہاں کئی سال تک بڑی محنت اور لگن کے ساتھ کام کرتے رہے۔ مکتبہ سے علیحدگی کے بعد انھوں نے مکتبہ شاہراہ کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ اس رسالے کا شمار معیاری رسائل میں ہونے لگا تھا۔ کئی علمی اور ادبی کتابیں بھی شائع کیں جو کافی مقبول ہوئیں۔ ان کی موت سے اردو بازار دہلی سونا اور اُردو ادب کی دنیا ایک اچھے، پڑھے لکھے اور سمجھ دار پبلشر سے محروم ہو گئی۔

ہمیں اس صدمۂ عظیم میں بیگم یوسف، ان کے صاحبزادے صاحبزادیوں اور عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔

ابھی یہ غم تازہ ہی تھا کہ ۱۶ ردسمبر کو اُردو ہندی کے مشہور افسانہ نگار اور ادیب پنڈت سدرشن کے انتقال کی خبر بد سننی پڑی۔ آپ کی وفات سے افسانوی ادب میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔

پنڈت سدرشن کا اصلی نام پنڈت بدری ناتھ تھا۔ آپ ۱۸۹۶ء میں بمقام سیال کوٹ (پاکستان) میں ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں پہلا افسانہ لکھ کر دنیائے ادب میں قدم رکھا اور بہت جلد بام عروج پر پہنچ گئے۔ یہ پہلا افسانہ اردو ہی میں لکھا گیا تھا۔ بہت دلچسپ

کے بعد آپ نے ہندی کو بھی اپنا لیا تھا۔ آج کل بمبئی میں مقیم تھے اور وہیں سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔

اس سانحہ میں ہم کو ان کے فرزند سری کُل بھوشن اور دوسرے اعزا و اقربا سے ہمدردی ہے۔

ایجنٹ حضرات اب اس مفروضہ کے ساتھ اپنے آرڈر بھیجیں کہ آیندہ کتاب نما کے ایک پرچے کی قیمت بیس پیسے ہو گی۔ اپنے مطالبہ سے ہمیں ۱۵ر جنوری تک مطلع فرما دیں تو تعمیل میں سہولت ہو گی۔

ادبی خبریں

ساہتیہ اکادمی کے انعام کا اعلان

۲۴ر دسمبر کو ڈاکٹر رادھا کرشنن، سابق صدر جمہوریہ ہند کی صدارت میں ساہتیہ اکادمی کا اجلاس ہوا جس میں "اکادمی ایوارڈ" کا اعلان کیا گیا۔ اس مرتبہ اردو ایوارڈ میں قرۃ العین حیدر کو ان کی افسانوی مجموعے "پت جھڑ کی آواز" کو ملا۔ یہ مجموعہ مکتبہ جامعہ نے شائع کیا ہے۔ یہ انعام ایک تمغہ طلائی اور پانچ ہزار روپیہ نقد کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

دوسرا نیشنل بک فیر

اس سال نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کے زیر اہتمام ہونے والا دوسرا پندرہ روزہ بک فیر ایل۔ آئی۔ سی گراؤنڈ کناٹ پلیس، نئی دہلی میں منعقد کیا گیا ہے۔ بک فیر کا افتتاح عزت مآب جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، صدر جمہوریہ ہند نے ۱۷ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو فرمایا۔

بک فیر کے خوب صورت اور وسیع مرکزی پنڈال میں ہندوستان کی سب ہی قومی زبانوں پر مشتمل کم و بیش دس ہزار منتخب کتابوں کی عام نمائش لگائی گئی ہے۔ یہ کتابیں صرف وہ ہیں جو ۱۹۶۴ء کے بعد ہندوستان ہی میں شائع ہوئی ہیں ان کی تعداد کچھ اس طرح ہے:۔

نمبر	زبان	تعداد	نمبر	زبان	تعداد
۱۔	اُردو	۴۵۰	۶۔	پنجابی	۴۰۰
۲۔	اُڑیا	۱۰۰	۷۔	تامل	۲۵۰
۳۔	آسامی	۱۰۰	۸۔	تلگو	۱۰۰
۴۔	انگریزی	۲،۰۰۰	۹۔	سندھی	۲۰۰
۵۔	بنگالی	۵۰۰	۱۰۔	سنسکرت	۱۰۰

۱۱- کنڑی	۲۰۰	۱۴- ملیالم	۲۰۰
۱۲- گجراتی	۵۰۰	۱۵ سندھی	۲٫۵۰۰
۱۳- مراٹھی	۵۰۰		

نمائش کے اُردو سیکشن کی ۹۰ فی صدی کتابیں مکتبہ جامعہ نے فراہم کی ہیں۔

اس عام نمائش کے علاوہ ہندوستان کے تمام مشہور اور معروف ناشروں اور کتب فروشوں نے بُک فیر میں اپنی اپنی دُکانیں اور شوروم ترتیب دیے ہیں۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے اشاعتی شعبوں اور چند بیرونی ممالک کے سفارت خانوں کی طرف سے اسٹال سجائے گئے ہیں۔

پورے بُک فیر میں اُردو کتابوں کا صرف ایک ہی اسٹال ہے۔ یہ اسٹال مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کا ہے۔ افتتاح کے دن جب ذاکر صاحب قبلہ کو کسی نے بتایا کہ بُک فیر میں مکتبہ جامعہ نے بھی شرکت کی ہے تو موصوف بطورِ خاص مکتبہ کے اسٹال پر تشریف لائے اور اراکین مکتبہ جامعہ کی ہمت افزائی فرمائی۔

بُک فیر میں ایک آڈیٹوریم بھی ہے یہاں دن کے وقت کتابوں کی تیاری، اُن کی طباعت واشاعت اور اُن کی فروخت کے بارے میں مباحثے، سیمنار اور سمپوزیم منعقد ہوتے ہیں۔ رات کے وقت ہندوستان کی مختلف زبانوں کے رنگا رنگ کلچرل پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔ ۲۸ دسمبر کو اردو پروگرام کے تحت جامعہ ڈرامیٹک سوسائٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف سے جلنا یرزہ' ڈراما پیش کیا جائے گا۔ ڈرامے کے فوراً بعد آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے محفلِ مشاعرہ منعقد ہوگی۔

نیشنل بک ٹرسٹ کے ذمہ داران خاص طور پر اس کے سکریٹری جناب کرتار سنگھ دُگل — اُردو کے جانے پہچانے ادیب اور ڈرامہ نگار — بُک فیر کی کامیابی کے لیے تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

گرلز کالج میں اُردو ایم۔ اے

مکتمی بائی گرلز کالج بھوپال میں اس سال اُردو میں ایم۔ اے کلاس شروع کردی گئی ہے۔ وکرم یونیورسٹی کا یہ تیسرا کالج ہے۔ جہاں دوسرے مضامین کے

ساتھ ساتھ اردو میں ایم۔اے کا انتظام کیا گیا ہے۔ مذکورہ کالج نو مدھیہ پردیش کا پہلا اور واحد گرلز کالج ہے جس نے اُردو کو یہ مقام بخشا ہے، حمیدیہ کالج بھوپال اور مادھو کالج اُجین دوسرے دو کالج ہیں جن میں اُردو ایم۔اے کا بندوبست پہلے ہی سے چلا آرہا ہے۔

اصل خوشی کی بات یہ ہے کہ پہلے ہی سال ۳۰ طالبات نے اُردو ایم۔اے میں داخلہ لیا ہے یہ تعداد کالج کے دوسرے مضامین کے ایم۔اے کلاس کی طالبات کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔

پونا میں اُردو اکادمی کا قیام

اب تک پونا میں اُردو شاعروں اور ادیبوں کا کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جو اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں مدد کرسکتا ہے۔ ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب وہاں "اُردو اکادمی پونا" کا قیام عمل میں آگیا ہے۔

۱۲ نومبر کو اکادمی کا پہلا جلسہ منعقد ہوا جس میں اکادمی کے اغراض و مقاصد پر جناب متین سروش نے روشنی ڈالی اور حاضرین جلسہ کو اس اکادمی کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ آخر میں عہدیداران اور کابینہ کے اراکین کا انتخاب اتفاق رائے سے عمل میں آیا۔

اکادمی کا صدر جناب جلال الدین صاحب وکیل کو، مشیر اعلیٰ جناب پروفیسر امانت کو اور معتمد جناب متین سروش صاحب کو منتخب کیا گیا ہے۔

ماہنامہ "سہیل" گیا کا خاص نمبر

ادبی حلقوں میں یہ خبر خوشی کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ماہنامہ سہیل اپنا ایک خاص نمبر "بھاگل پور کا موجودہ ادبی ماحول" کے نام سے نکال رہا ہے۔ اس شمارے میں بھاگل پور شہر کی ادبی تاریخ کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے شاعروں اور ادیبوں کے فن اور ان کی شخصیت پر مضامین ہوں گے۔

مزید تفصیلات کے لیے "اراکین مجلسِ اشاعت، بھاگل پور" سے خط و کتابت کی جائے۔

Regd. No. D. 58 January 1968

Kitab Numa

Jamia Nagar, New Delhi. 25

مرتبہ ملک شستہ احمد ولی نے حالی پریس، دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

ماہنامہ

کتاب نما

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، دہلی

مینجنگ ایڈیٹر: غلام ربانی تاباں
مدیر مسؤل: محبوب محمد خاں

ماہنامہ کتاب نما
نئی دہلی ۲۵

فروری ۱۹۶۸ء
جلد ۹
شمارہ ۲

اشاریہ

لیجیے کتاب نما حاضر ہے۔ انشاءاللہ اب برابر حاضر ہوتا رہے گا۔ یہ نتیجہ ہے قارئین کے اس خیر مقدم اور عملی تعاون کا جس کا اظہار جنوری کے شمارے کے بعد سے ہونا شروع ہوا اور بحمداللہ جاری ہے۔ مشورہ دینے والوں کے علاوہ بھی بہت سے احباب نے شرح چندے میں اضافے کو پسند کیا اور نئی شرح سے چندے بھیجنا شروع کر دیے ہیں۔ محل (چتور) کے حکیم محمود بخاری صاحب نے تو دس خریداروں کا چندہ نئی شرح سے بھیجا ہے۔

ایجنٹ حضرات میں میسور کے ایک صاحب نے — جن کا ذکر ہم نے پچھلے شمارے میں کیا تھا، بڑھی ہوئی قیمت پر بھی ایک سو پرچوں کے اپنے سابقہ آرڈر کو بحال رکھا اور آئندہ اس میں اضافہ کرتے رہنے کی امید دلائی ہے۔ ہمارے یہ مخلص معاون ہیں۔ پیپلز بک اسٹال، متصل ریلوے اسٹیشن۔ گلبرگہ، جو نہایت خاموشی مگر انہماک کے ساتھ اس علاقے میں اردو اخبارات و رسائل کی توسیع اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ اس سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ جنوب میں اردو کے بہی خواہ عملی طور پر اس کی ترقی کے کوشاں ہیں۔ اگرچہ کانفرنسیں منعقد کرنا، احتجاجی جلوس نکالنا اور جلسے کرنا انھیں نہیں آتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ خاموش رہ کر اپنے مقدور بھر اردو کی خدمت اس طرح کرتے ہیں کہ اسے ترقی ہو۔ کاش دہلی، اتر پردیش اور بہار جیسے علاقوں میں بھی جہاں اردو نے جنم لیا اور پروان چڑھی، ایسے ہی مخلص اور سرگرم عمل حضرات پیدا ہو سکیں۔

افراد کے چندے جس رفتار سے آرہے ہیں اس سے ہماری ہمت افزائی ہوئی اور یقین ہو گیا

ہمیں امید ہے کہ ہمارے قارئین اب کتاب نما کو نہ صرف یہ کہ بند نہ ہونے دیں گے بلکہ اسے ترقی دینے کے لیے ہمیں اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں گے اور اس کی توسیع اشاعت میں بھی حصہ لیں گے۔

پچھلے شمارے میں ریحان احمد صاحب عباسی کا نام نہ پاکر اکثر احباب نے استفسار کیا ہے کہ کتاب نما کا مدیر مسئول اب کون ہوگا؟ نیز یہ کہ ریحان احمد صاحب کہاں چلے گئے؟

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ رسالہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی طرف سے نکلتا ہے۔ عباسی صاحب مکتبے کے ایک رکن کی حیثیت سے اس کی ادارت کے فرائض ادا کرتے تھے۔ اب اُن کے ذمہ مکتبہ کے کچھ اور کام سپرد کر دیے گئے ہیں۔ وہ مکتبہ میں ہی ہیں اور کتاب نما سے اب بھی کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ آٹھ سال تک ریحان صاحب نے کتاب نما میں جو دلچسپی لی اس کے لیے ان کا شکریہ نہ ادا کرنا ناقدر شناسی ہوگی۔ راقم الحروف کو یقین ہے کہ وہ اب بھی جب کہ اپنے فرائض منصبی میں مصروف ہیں، کتاب نما کو نہ بھولیں گے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری کے عہدۂ جلیلہ پر پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلیم کے تقرر کی خبریں آپ نے اخباروں میں پڑھی ہوں گی۔ ہمارے لیے یہ تقرر کئی اعتبار سے بڑی ہی مسرتوں کا موجب ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ڈاکٹر صاحب موصوف جامعہ ملیہ اسلامیہ سے وابستہ رہ چکے ہیں جہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی اُردو اکیڈمی میں 'فیلو' کی حیثیت سے کم و بیش چار سال (۲۹-۱۹۲۶) کام کیا اور جرمنی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ ملیہ میں استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کئی سال سے آپ مکتبہ جامعہ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے ممتاز رکن کی حیثیت سے اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے ہیں۔

تیسری اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عرصے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی سربراہی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو مسلسل سترہ سال سے یونیورسٹی کی زندگی میں رچ بس گیا ہے جو وہاں کے ہر چھوٹے بڑے سے واقف ہے اور وہاں کے مسائل سے اچھی طرح آشنا۔

ہم صدر جمہوریۂ ہند کو اُن کے حسنِ انتخاب پر اور ڈاکٹر عبدالعلیم کو ان کے اس اعزاز پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان کے عہد میں یونیورسٹی اپنے کھوئے ہوئے وقار کو جلد سے جلد حاصل کرلے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

دوارکا داس شعلہ

غزل

آ گئی اس کو نظر شاید گھٹا چھائی ہوئی
میری توبہ اس لیے پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

میکدے میں آ کے بھی زاہد کا زاہد ہی رہا
آج میرے شیخ کی کس درجہ رسوائی ہوئی

میری باتوں پر ہنسے مے خوار و زاہد ایک ساتھ
کس قدر تضحیک ساماں میری دانائی ہوئی

ٹوٹنے جانے کو ہے شاید رشتۂ امید بھی
ہر تمنا کیوں ہے ورنہ آج مرجھائی بھی

ان کی بے باکی کہ تھی ضرب المثل اب کیا ہوئی
آج خلوت میں نہ اُٹھی آنکھ شرمائی ہوئی

شیخ صاحب آ گئے ہیں اب تو بچنا ہے محال
موت ٹلتی ہے کہیں اے دوستو آئی ہوئی

("شعلہ زار" از دوارکا داس شعلہ۔ صفحات ۳۰۰ سائز ۱۸/۲۲×۲۷ مجلد قیمت ۶/- حوالہ صفحہ ۱۵۵)

تعارف

رابندر ناتھ ٹیگور کی ذاتِ گرامی اور ان کے ادبی، تہذیبی اور ثقافتی کارنامے نیز حب الوطنی اور عظیم تعلیمی خدمات یقیناً اس قابل ہیں کہ ان سے قوم کے نونہالوں کو اچھی طرح سے واقف کرایا جائے۔ ان کے بارے میں معلومات کی کمی نہیں ہے، ان کی کتابوں اور ان کی سیاسی اور سماجی کوششوں سے اہلِ علم اور بڑی عمر کے پڑھے لکھے لوگ واقف ہیں لیکن اب تک کوئی ایسی مختصر، آسان اور جامع کتاب نہ تھی جس سے بچوں کو ان کے بارے میں صحیح اور مفید باتیں معلوم ہو سکیں۔ خوشی کی بات ہے کہ مکتبہ جامعہ نے اردو میں ایک ایسی کتاب شائع کر دی جس سے تمام ضروری باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔ شاعرِ اعظم کی سیرت اور شخصیت کے قریب قریب سب ہی روشن پہلو سامنے آجاتے ہیں۔

زبان اور بیان کے لحاظ سے گو یہ کتاب بچوں کے لیے لکھی گئی ہے لیکن اس میں بہت سی باتیں بڑوں کے کام کی بھی ہیں۔ ۶۲ صفحے کی کتاب میں تیرہ چھوٹے چھوٹے عنوانوں کے تحت گرودیو کی پوری زندگی سامنے آگئی ہے۔

کتاب کے شروع، درمیان اور اختتام سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ”بچپن“

”گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور ۷، مئی ۱۸۶۱ء کو بنگال کے ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئے اُن کے خاندان کی مغل بادشاہوں کے آخری زمانے میں بڑی عزت تھی، انگریزوں کے دور میں بھی ان کی عزت و احترام میں فرق نہیں آیا۔

ٹیگور کے دادا دوارکا ناتھ بہت مالدار لیکن نیک آدمی تھے مصیبت کے وقت ہر ایک کی روپے پیسے سے مدد کرتے تھے۔ ان ہی نیک کاموں کی وجہ سے آج تک بنگال کے چھوٹے بڑے سب ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔

"ٹیگور کے والد دیویندر ناتھ بھی بہت سادہ زندگی گزارتے تھے اور ان کا اکثر وقت پوجا پاٹ میں گزرتا تھا۔ اسی لیے وہ "مہارشی" کہلاتے ہیں۔

"رابندر ناتھ ٹیگور کے چودہ بھائی بہن تھے۔ ٹیگور ان سب سے چھوٹے تھے۔ جب یہ پیدا ہوئے ہیں تو ان کے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اور ان کے بھانجے بھتیجے قریب قریب ان ہی کے عمر کے تھے۔

"ٹیگور کا خاندان بہت مال دار تھا لیکن بچّوں کی پرورش بہت سادہ طریقے پر کی جاتی تھی، ان کے والد کو ٹھاٹ باٹ کی زندگی پسند نہ تھی۔ سارے خاندان کا کھانا پینا اور کپڑے دونوں ہی سادہ تھے۔ بچپن میں جوتے کا ایک سے زیادہ جوڑ نہ ہوتا تھا، دس سال کی عمر تک انھوں نے کبھی موزہ نہیں پہنا۔ ٹیگور کو بھی اپنے گھر کی سادہ زندگی بہت پسند تھی۔ لیکن اس سادہ زندگی کے باوجود گھر پر بچّوں کی دیکھ بھال کے لیے کئی نوکر رکھے گئے تھے۔ ٹیگور کے بچپن کے ساتھی یہی نوکر چاکر تھے۔ جنھیں وہ بہت چاہتے تھے۔ بچپن میں ان کا زیادہ تر وقت ان ہی نوکروں کے ساتھ کٹتا تھا۔

"جب ٹیگور چھوٹے سے تھے تو ایک کام چور نوکر انھیں گھر پر چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے باہر جانا چاہتا تھا تو برآمدے کے ایک کونے میں انھیں کھڑا کر دیتا اور چاک سے ان کے چاروں طرف ایک دائرہ بنا دیتا اور ڈرا کر کہتا کہ اگر اس دائرے سے باہر قدم رکھّا تو کوئی نہ کوئی مصیبت آجائے گی۔ ننھے ٹیگور نوکر کی اس ہوشیاری کو سمجھ نہ پاتے اور خاموش کھڑے سوچتے رہتے کہ کس طرح اس دائرے سے باہر نکل جائیں اور کوئی مصیبت بھی آنے نہ پائے۔ ابھی وہ کوئی ترکیب نکالنے بھی نہ پاتے کہ نوکر اپنے کام سے واپس آکر اس دائرے کو مٹا دیتا اور ٹیگور کو گود میں اٹھا لیتا۔

"ٹیگور کے بچپن کا زیادہ تر حصّہ گھر کی چار دیواری میں بسر ہوا۔ وہ نوکروں اور بھائی بہنوں کے بچّوں کے ساتھ کھیلتے رہتے اور جب گھر کے سارے بچّے اسکول چلے جاتے تو وہ اکیلے گھر کے برآمدے کے ایک کونے میں بیٹھے باہر کا تماشا دیکھا کرتے۔

"گھر کے دوسرے بچّے جب اسکول سے واپس آتے تو کبھی کبھی سب بچّوں کے ساتھ ٹیگور نوکر کے کمرے میں جاتے جس میں ایک دھیما سا چراغ جلتا رہتا، اس زمانے میں بجلی نہیں تھی۔ نوکر انھیں رامائن کے قصّے سنایا کرتا اور اکثر شام کے وقت ان کی والدہ "شاردا دیوی"

انھیں پریوں کی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔
ننھے ٹیگور گھر کے دوسرے بچوں کو اسکول جاتا دیکھ کر مچل جاتے اور ان کے ساتھ جانے کے لیے ضد کیا کرتے۔ لیکن ابھی وہ بہت چھوٹے تھے، اس لیے انھیں اسکول نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔"

جلیان والے باغ کے واقعے سے متاثر ہو کر ان الفاظ کے ساتھ خطاب واپس کرتے ہیں۔

"مجھے اس "سر" کے خطاب کو باقی رکھتے ہوئے شرم آتی ہے، جب کہ میرے ہندوستانی بھائیوں پر بغیر کسی قصور کے گولی چلائی جا رہی ہے۔ میں اس ظلم کے خلاف اپنے ہندوستانی بھائیوں کا ساتھ دینا چاہتا ہوں، جو مجھے آپ کے "سر" کے خطاب سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔"

آخری زمانہ

جوں جوں ٹیگور کی عمر بڑھتی گئی، ان کے گھومنے پھرنے کا شوق بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی گیا۔ وہ گھوم پھر کر ساری دنیا کے لوگوں تک اپنا پیام پہنچانا چاہتے تھے۔ سیاست، نسل، رنگ اور ذات پات کے بندھن توڑ کر، مشرق اور مغرب کو گلے ملانا چاہتے تھے۔

ٹیگور کو دنیا میں ہر ایک سے پیار تھا۔ اُن کی قائم کی ہوئی وشوا بھارتی یونیورسٹی، ساری دنیا میں اُن کے پریم کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس کا مقصد ہی ساری دنیا میں میل ملاپ اور بھائی چارہ پیدا کرنا ہے، جس میں مشرق و مغرب کی ساری اچھی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔

ٹیگور سچے دیش بھگت تھے۔ انھوں نے ہندوستان کی قومی تحریک میں ایسے وقت میں حصہ لیا جب اس پر کڑے دن آ گئے تھے۔ اُنھوں نے گاؤں سدھار جیسے اچھے کام پر پورا دھیان دیا اور گاؤں کی حالت بہتر بنانے کی بہت کوشش کی۔

گاؤں سدھار کا ہر کام معمولی آدمی کے لیے تھکا دینے والا ہوتا ہے، مگر ٹیگور ایک غیر معمولی انسان تھے۔ ان سارے کاموں کو کرتے ہوئے بھی اُنھوں نے ادب کی دنیا میں بڑا کام کیا اور ایک خاص مقام حاصل کیا۔

ٹیگور کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ خدا بڑی قدرت والا ہے، طاقت والا ہے۔ وہ چاہے تو سب لوگوں کو انسانیت کے ایک ہی رشتے میں جوڑ سکتا ہے۔ انھوں نے ایک گیت میں اس کو بہت خوب صورتی سے ظاہر کیا ہے۔

"داتا تو ہمارا پالن ہار ہے
اس بات کے ماننے میں، ہماری مدد کر کہ تو ہمارا پالن ہار ہے
تو ہمارا اُجالا ہے۔ ہمارے اندھیرے کو دور کر دے
ہم میں جو بھلا ہے، اسے روشن کر دے۔ تو خوشی ہے، خیر ہے
خوشی اور خیر کے مالک، ہم تیری بندگی کرتے ہیں"

اُنھیں یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہوتا تھا کہ مذہب کے نام پر لوگ جھگڑے ہوئے ہیں۔ وہ انسانیت کو انسان کا دھرم سمجھتے تھے۔
ٹیگور ۱۹۳۷ء کے بعد سے اکثر بیمار رہنے لگے تھے اور اب تو وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ قلم بھی نہ پکڑ سکتے تھے۔ .... جوں جوں دن گزرتے گئے، ٹیگور کی حالت اور خراب ہوتی گئی۔ اُنھیں اکثر بخار رہنے لگا۔ ان کے شاگردوں اور دوستوں نے ان کو ہر طرح کا آرام پہنچایا۔ بہت سے علاج کیے گئے لیکن ٹیگور کی صحت بگڑتی ہی گئی۔ آخر انھیں علاج کے لیے کلکتے لایا گیا۔ جس وقت ان کی موٹر آہستہ آہستہ اُن کے پیارے گھر شانتی نکیتن سے نکل رہی تھی تو سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، سب کے دل رو رہے تھے اور ہر ایک یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ پھر کبھی لوٹ کر اُس شانتی نکیتن کو نہ آسکیں گے، جسے انھوں نے اپنے خون پسینے سے سینچا تھا۔ آشرم کے تمام لوگوں نے آخری مرتبہ شانتی نکیتن کا گیت گایا جسے ٹیگور پھر کبھی نہ سُن سکے۔

کلکتے میں اُن کا اچھے سے اچھا علاج ہوا، اُنھیں موت کے پنجے سے بچانے کی کوشش کی گئی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر بلائے گئے لیکن وہ بھی کچھ نہ کر سکے اور آخر ظالم موت نے، اگست ۱۹۴۱ء کو ہمارے پیارے گرو دیو رابندرناتھ ٹیگور کو ہم سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ اس وقت اُن کی عمر ۸۱ سال تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ وہ سکون اور شانتی کے اسی گھر میں دنیا سے اُٹھ گئے جس میں جنم لیا تھا۔"

کتاب کے آخری صفحے پر قومی ترانے کا نہایت صحیح متن اور پھر اس کا ترجمہ اردو اور شستہ ترجمہ اُردو دانوں کے لیے بڑے کام کی چیز ہے۔

جناب صفدر حسین صاحب اس مفید کتاب کے مؤلف یا مرتب ہیں، $\frac{20\times30}{16}$ سائز اور ۶۲ صفحے کی یہ چھوٹی سی خوب صورت کتاب مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی شاخ بمبئی، شاخ دہلی اور صدر دفتر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے ایک روپیہ ۲۵ پیسے میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

کتب موصولہ برائے تبصرہ

کتاب	مصنف	ناشر	سائز	صفحات	قیمت
یاداثر	ڈاکٹر محمد اسلام	طرب منزل۔ جوہری محلہ لکھنؤ	۲۰×۳۰/۱۶	۱۰۰	۳/-
کالے کاغذ کی نظمیں		گوشۂ ادب بمبئی	۱۸×۲۲/۸	۱۲۸	۴/۵۰
شعلۂ جاوید		ادارۂ نیشنل فرنٹ لدھیانہ	۲۰×۳۰/۱۶	۸۰	۳/-
افکارِ خوشتر	ڈاکٹر مختار احمد خاں خوشتر	مکتبہ دین و ادب لکھنؤ	۱۸×۲۲/۸	۴۴۰	۱۰/۵۰
روپے کی موت	نور پرکار	دلسواز پبلیکیشنز۔ بمبئی	〃	۸۸	درج نہیں
اردو شاعری میں تاج محل	شجاع خاور	〃	〃	۱۴۰	۱/۷۵
اسانِ مولود شریف	محمد صابر قلی خاں	علوی پریس۔ بھوپال	〃	۶۴	-/۷۵
فکرِ گستاخ	سید زوار حسین نقوی	دانش محل۔ لکھنؤ	〃	۱۰۴	۳/-
گفت و شنید	ظفر ادیب	قصرِ اردو۔ دہلی	〃	۳۰۴	۶/-
مجاز و حقیقت	نکہت شاہجہاں پوری	رائے صاحب رام دیال اگروال الٰہ آباد	〃	۲۷۲	۲/۵۰

سلسلہ انتخاب کلام شعرائے بہار ۲

کتاب	مصنف	ناشر	سائز	صفحات	قیمت
کلامِ عطا	عطا کاکوی	عظیم الشان بک ڈپو۔ پٹنہ	〃	۱۶	-/۳۷
〃	〃	〃	〃	۱۶	-/۳۷
یاس یگانہ چنگیزی	راہی معصوم رضا	شاہین پبلیکیشنز۔ الٰہ آباد	〃	۳۱۰	۶/۰۰
رومہ	سرور جہاں	نسیم بک ڈپو۔ لکھنؤ	〃	۲۵۶	۴/۵۰
روسی انقلاب کی کامیابی	جان کیپ	نیشنل اکاڈمی۔ دہلی	〃	۳۶	-/۵۰
روس کا انقلاب	ستیہ پرکاش	〃	〃	〃	〃
شہرِ خموشاں	مظہر الحق علوی	نسیم بک ڈپو۔ لکھنؤ	〃	۲۸۰	۵/-
عرشیہ	نوشابہ سعید ناز	〃	〃	۱۹۲	۴/-
داد کی بے داد	عبد المجید سہالوی	〃	〃	۱۶۰	۲/۲۵
مشاعرہ عالمِ ارواح	سید مرتضیٰ حسن موسوی	〃	〃	۳۳۶	۴/-
بیسویں صدی کے کم چند اکابر غزل گو	ڈاکٹر محمد اسلام	〃	〃	۹۶	۱/-

بنگالی عوام اور بنگالی کے ادیب اور شاعر اردو والوں کے ساتھ ہیں

حیدرآباد - شری جوتش چندر گھوش نے جوبلی ہال میں کُھل بھارتیہ بنگا ساہتیہ سمیلن کے اُردو اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے اردو زبان اور اس کے ادب کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا اور کہا کہ یہی وہ زبان ہے جو ہندوستان کے طول و عرض میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بنگال میں بنگالی کے بعد یہ زبان عوام کے ایک بڑے طبقے میں رائج ہے۔ اور اس زبان نے ہمارے ادب کو متاثر کیا ہے۔ یہ ایک شیریں اور وسیع زبان ہے جس کے شیدائیوں میں راجہ رام موہن رائے سے گرودیو ٹیگور تک ہزاروں نام لیے جا سکتے ہیں۔

انھوں نے اُردو اور ہندی کے سوال پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح ہندی بھی قومی زبان کہلائی جا سکتی ہے لیکن وہ ایک کامیاب رابطہ کی زبان نہیں بن سکتی۔ انھوں نے بتایا کہ وزیر اعظم نہرو ہندی کو موجودہ موقف دینے کو کے لیے تیار نہیں تھے۔ سیٹھ گوبند داس اور ہندی کے دوسرے انتہا پسندوں سے انھوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہندی کو پورے ملک پر کیسے مسلط کیا جا سکتا ہے جب کہ خود اتر پردیش میں ہندی والوں کی نہیں بلکہ اُردو بولنے والوں کی اکثریت ہے انھوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ٹنڈن جی اور ہندی کے دوسرے انتہا پسند جب ہم سے ملتے تو یہی کہتے کہ ہم بنگالی یا کسی اور زبان کی خلاف نہیں۔ ہم تو اُردو کے مخالف ہیں اس لیے ہندی راشٹر بھاشا بنے گی تو اس سے بنگالی یا کسی دوسری زبان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ہندی والوں کی اُردو سے یہ مخالفت نہ تو اُس وقت ہمارے سمجھ میں آئی تھی اور نہ آج سمجھ میں آتی ہے۔ انھوں نے موجودہ ہندی کی مخالفت کی اور کہا کہ اس زبان کو کبھی مقبولیت نصیب نہ ہو سکے گی۔ پنڈت نہرو اس راز کو پا گئے تھے اس لیے وہ کہتے تھے کہ ملک میں صرف اس زبان کا چلن ہو سکتا ہے جس کو گاندھی جی اور گرودیو ٹیگور سمجھ سکتے ہیں۔ اس سے ان کی مراد اُردو تھی۔ شری گھوش نے کہا افسوس

ہے کہ ایک ووٹ کی اکثریت سے ہندی بازی لے گئی اور لسانی خلفشار کا بیج بو گئی۔

شری انل ترن گنگو اُپادھیائے ایڈیٹر پبلیکیشن ڈویژن دلی نے اردو اور بنگالی کی مشترک قدروں کا تفصیلی جائزہ لیا اور کہا کہ بنگالی میں بیسیوں الفاظ اور استعارے اور محاورے اردو کے موجود ہیں اور ان سے ہم اپنی زبان اور ادب کے حُسن کو نکھارنے کا کام لیتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بنگالی شاعر غالب، ظفر اور واجد علی شاہ سے بہت متاثر ہیں۔ انھوں نے ٹیگور اور بعض دوسرے ممتاز بنگالی شاعروں کا کلام اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا۔

انھوں نے دلی اور بنگال کے درباروں کے ذریعہ پیدا ہونے والے تہذیبی اور سماجی روابط کی تفصیل بیان کی اور کہا اس کے گہرے اثرات ہماری تہذیب، معاشرت اور زبان میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے قاضی نذر الاسلام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی شاعری کے ذریعہ بھی اُردو اور فارسی کی روایات بنگلہ ادب میں داخل ہوئی ہیں۔

آخر میں انھوں نے بتایا کہ ہمارا سرچشمۂ فیضان ہمارے عوام ہی ہیں ہمارے عوام کا ایک حصہ اُردو تہذیب کا علمبردار ہے، اس لیے ہم کو یہ زبان اور اس کی تہذیب بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی بنگالی زبان اور اس کی تہذیب عزیز ہے۔

شری دکھنا رنجن بوس نے مغربی بنگال کے ادیبوں اور شاعروں کی طرف سے اُردو زبان اور اس کے ادب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ بنگلہ اور اُردو اس دیس کی دو میٹھی، ترقی یافتہ اور وسیع زبانیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اُردو کو پاکستانی زبان کہنا انتہائی گمراہ کن ہے اور اگر اردو پاکستان کی زبان ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ بنگالی بھی پاکستان کی زبان ہے۔ کیونکہ بنگالی مشرقی پاکستان میں بولی جاتی ہے اور اس علاقے کی سرکاری زبان ہے۔

ہندی اُردو کے سوال پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے شری بوس نے کہا کہ سیٹھ گووند داس اور ان کے ساتھی ہندی کے لیے تشدد کا راستہ اختیار کر کے لوگوں کے دلوں میں نفرت اور بے زاری کے جذبات پیدا کر رہے ہیں۔ انھوں نے اُردو کے نام پر برپا کیے جانے والے فسادات کی مذمت کی اور رانچی کے فسادات کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعہ ہندوستان کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے۔ انھوں نے یقین دلایا کہ بنگالی عوام اور

بنگلہ کے ادیب اور شاعر اُردو والوں کے ساتھ ہیں۔

مسٹر ہی دبیس داس نے اُردو زبان کی وسعت اور اس کی اثر انگیزی اور اثر پذیری کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ ایک زندہ اور بیدار زبان ہے اور اس کی جڑیں ہندوستانی سماج میں پیوست ہیں۔ اس زبان نے ایک تاریخی فریضہ انجام دیا ہے اور ہماری رہنمائی کی ہے جس کو کوئی دیسی زبان فراموش نہیں کر سکتی۔ یہی وہ زبان ہے جو پہلی بار اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنی۔ جب بھی جامعہ عثمانیہ کا نام کسی کی زبان پر آتا ہے تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔

انھوں نے اُردو زبان کے آغاز و ارتقا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ وہ زبان ہے جو لشکروں اور بازاروں سے درباروں میں پہنچی اور ہمارے دلوں میں سما گئی جس طرح یہ زبان ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں رائج ہے ویسے ہی بنگال میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ زبان ہم کو عزیز ہے اس لیے کہ بنگالی زبان کے ذخیرے میں اس سے اضافہ ہوا ہے۔ یہی نہیں اس نے ہم کو نئے محاورے، نئے اسلوب، نئی تشبیہات، نئے استعارے، نئے محاکات دیے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بنگالی زبان دوسرے زبانوں سے بھی متاثر ہوئی ہے لیکن اُردو سے اس کا تعلق بہت گہرا ہے۔

انھوں نے کہا کہ اُردو حب الوطنی کی زبان ہے۔ اس زبان کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے۔

اس اجلاس کو ڈاکٹر راج بہادر صاحب گوڑ اور زینت ساجدہ صاحبہ نے بھی مخاطب کیا۔ اجلاس کی صدارت پروفیسر حبیب الرحمٰن نے کی۔

(بشکریہ ترقی اُردو۔ حیدرآباد)

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی زیرِ طبع کتابیں

شرابِ کہنہ — قلی قطب شاہ تا حالی۔ ۵۰ شعرا کے حالات معہ انتخاب کلام — مرتبہ رشید نعمانی

دلّی کی شام — مشہور انگریزی ناول TWILIGHT IN DELHI کا اُردو ترجمہ
مصنف احمد علی مترجم بلقیس جہاں

شہر آشوب — ۱۸۵۷ء سے پہلے اور ۱۸۵۷ء میں لکھے گئے شہر آشوبوں کا مجموعہ — مرتب نعیم احمد

پریم چند کے خطوط — منشی پریم چند کے ۲۵۰ غیر مطبوعہ خطوں کا مجموعہ — مرتب مدن گوپال

پاکستانی مطبوعات

نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف کا نام	قیمت
اقبال اور ملا	ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۱/۵۰	اسلام کا نظریہ جنگ	مولانا ابوالکلام آزاد	۲/۲۵
اسلام اور سائنس	محمد رفیع الدین	۲/۵۰	بیانِ حال	وقار انبالوی	۳/۰
اسلام مشرق میں	مولانا وحید احمد	۴/۵۰	بادشاہ بیگم اودھ	" "	۳/۵۰
اسلام اور عدل و احسان	رئیس احمد جعفری	۶/۵۰	بچوں کی نفسیات	ڈاکٹر عبدالرؤف	۴/-
اسلامی معاشرہ	ضیاء الدین کرمانی	۱/۷۵	بچوں میں جرائم پسندی	شیلڈن	۱/-
اشاعتِ اسلام	مولانا حبیب الرحمٰن	۶/۵۰	بُستان	خلیل جبران	۲/-
ادب اور تنقید	ڈاکٹر سید شاہ علی	۴/۵۰	بہترین نظمیں	" "	۲/۵۰
اسلامی تعلیم	سر محمد یامین خاں	۳/۵۰	بھولی بسری کہانیاں	ابن حنیف	۵/-
اخلاقیات	سی، اے، قادری	۳/۵۰	بھائی بہن	اے، آر، خاتون	۲/-
انسان کی زندگی	انڈریف	۱/۵۰	بابیز بستن	ایڈورڈ وارٹن	۲/۲۵
آزاد تعلیم اور تہذیبِ نفس	اے ڈی گرزوولڈ	۳/۵۰	بامِ رفعت	اختر صہبائی	۳/-
اسلام کیسے شروع ہوا	عبدالواحد سندھی	۳/-	بہترین نظمیں	" "	۱/۵۰
اقبال کا تصورِ خودی	ڈاکٹر عابد حسین	-/۵۰	بہو بیگم	عادل رشید	۶/-
آتشِ سیال	عارف	۴/-	بنی آدم	اسٹوارٹ چیلس	۱۰/-
افضلیتِ شیخین	شاہ عبدالعزیز دہلوی	-/۶۲	برگِ خزاں	عبدالعزیز خالد	۴/-
آدابِ زندگی	محمد اقبال سلیمان	۴/-	برق و مقناطیس	پروفیسر حمید عسکری	۶/-
افکارِ معری	عبدالرحمٰن طاہر سورتی	۲/۵۰	بچہ پانچ سے دس سال تک	ڈاکٹر آرنلڈ گیسل	/-
انوار الصفا	محمد خصلت حسین صابری	۴/۵۰	بستان العارفین	امام ابوزکریا محی الدین	۱۰
اعجازِ حدیث	محمد صادق سیالکوٹی	۳/۵۰	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	-

یہ کتابیں صرف مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳ سے مل سکتی ہیں۔

جامِ نو

چکبست

۱۸۸۲ — ۱۹۲۶ء

چکبست، کشمیری پنڈتوں کا ایک مشہور اور معزز خاندان ہے، یہ لوگ اپنے آبائی وطن سے آکر لکھنؤ میں آباد ہو گئے تھے۔ پنڈت برج نرائن، چک بست، اسی سلسلے کے ایک نامور فرد تھے۔ پیدا تو فیض آباد میں ہوئے۔ لیکن تعلیم و تربیت، ایک قانون داں کی حیثیت سے زندگی کا آغاز، ایک شاعر اور نقاد کی حیثیت سے شہرت یہ سب کچھ لکھنؤ میں رہ کر حاصل کی۔

۱۹۰۵ء میں کیننگ کالج (لکھنؤ) سے بی اے اور پھر ایل، ایل، بی کی ڈگری لے کر وکالت کرنے لگے۔ اپنی ملنساری، تہذیب و شرافت، ذہانت اور قانونی سوجھ بوجھ کی بدولت جلد ہی کامیاب اور مشہور وکیلوں میں گنے جانے لگے۔

ایک مقدمے کی پیروی میں رائے بریلی (اُتر پردیش) گئے تھے، واپسی میں دماغ پر فالج گرا، جو بالآخر موت کا سبب بن گیا۔ محشر لکھنوی نے کیا خوب تاریخ نکالی ے

اُن ہی کے مصرع سے تاریخ ہے ہمراہِ عزا   موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا
(۱۳۴۴ھ)

ایک وکیل اور ایک شاعر دونوں حیثیتوں سے چک بست قدر و عزت کے مستحق ہیں۔ وکالت کی مصروفیتوں کے باوجود وہ شعر و ادب کی طرف بھی متوجہ رہے اور اس کو فائدہ پہنچاتے رہے۔

شعر و سخن کی طرف شروع ہی سے مائل تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلی غزل نو ۹ برس کی عمر میں لکھی تھی۔ اساتذہ کے کلام کا بڑا اچھا اور وسیع مطالعہ تھا۔ آتش، غالب اور انیس کے بڑے مدّاح اور قائل تھے۔ کلام میں ان مشاہیر کا اثر اور اتباع موجود ہے۔ چک بست نے نہ اپنا کوئی تخلص رکھا اور نہ کسی کے شاگرد ہوئے۔

عشق و محبت کے مضامین اور معاملات نظم کرنے کے بجائے انھوں نے قوم کو بیدار

کرنے کی کوشش زیادہ ضروری سمجھی۔ چناں چہ ان کے کلام میں حب الوطنی کے احساسات نمایاں ہیں۔ وقت کے بعض مسائل اور سیاسی امور پر بھی کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ ہندوستان کی بعض روایتیں اور چند مخصوص قدریں اُن کو بہت عزیز تھیں۔ مغرب کی تقلید ان کو پسند نہ تھی مناظر کی عکاسی خوب صورتی سے کی ہے۔ دوستوں اور سیاسی رہنماؤں کی موت پر پُرخلوص اور دردانگیز مرثیے لکھے ہیں۔ اسی بنا پر اپنی زبان اور اپنے ملک کے چند قابلِ احترام قومی شاعروں میں ان کا شمار ہے۔

"چکبستؔ" کے کلام کا مجموعہ "صبحِ وطن" اپنی ضخامت کے لحاظ سے کم ہو تو ہو مگر اپنی خصوصیتوں اور بہت سی شاعرانہ خوبیوں کے اعتبار سے کم نہیں۔

انتخاب

تغزّل

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب ــــ موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

اگر دردِ محبت سے نہ انساں آشنا ہوتا ــــ نہ مرنے کا الم ہوتا، نہ جینے کا مزا ہوتا

یہ رنگِ شفق ہے کہ لہو اہلِ وفا کا ــــ کچھ داغ نظر آتے ہیں دامانِ سحر میں

ختم ہوتا نہیں کیوں ہستیٔ ناشاد کا راگ
پا بہ گِل، جسم سہی، روح تو مجبور نہیں

نظمیں

سیرِ دہرہ دون

یہیں بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون ــــ عجیب خطۂ دل کش ہے شہر دہرہ دُون
سپردِ ابر کے ہے انتظام پانی کا ــــ ہوائے سرد کو ہے حکم باغبانی کا
طلسمِ حُسن کا ہے بیچ میں یہ گُل دستہ ــــ کھڑے ہیں کوہ و شجر پہلوؤں میں صف بستہ
یہاں جو آکے مسافر قیام کرتے ہیں ــــ یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

نگہ کو دُور سے پانی ہے یوں نظر آتا سپیدِ ناگ چلا جا رہا ہے بل کھاتا
اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دل گیر شجر شجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر

خاکِ ہند

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے دریائے فیضِ قدرت تیرے لیے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حُسنِ ازل رواں ہے اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشیدِ پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ دانش اس وادیٔ کہن میں

رامائن کا ایک سین

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نونہال خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال سکتا سا ہو گیا ہے، یہ ہے شدتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے

رہ کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں میں جانتی ہوں جس لیے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دُور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہے پروردگار کی

ان آنسوؤں کی قدر تمھیں کچھ ابھی نہیں　　باتوں سے جو بجھے یہ وہ دل کی لگی نہیں
لیکن تمھیں ہو رنج یہ میری خوشی نہیں　　جاؤ سدھارو خوش رہو میں روکتی نہیں

دنیا میں بےحیائی سے زندہ رہوں گی میں
پالا ہے میں نے تم کو تو دکھ بھی سہوں گی میں

بن باس پر خوشی سے جو راضی نہ ہوں گا میں　　کس طرح منہ دکھانے کے قابل رہوں گا میں
کیوں کر زبانِ غیر کے طعنے سنوں گا میں　　دنیا جو یہ کہے گی تو پھر کیا کہوں گا میں

لڑکے نے بےحیائی کو نقشِ جبیں کیا
کیا بےادب تھا باپ کا کہنا نہیں کیا!

مرثیہ　　گوپال کرشن گوکھلے

لرز رہا تھا وطن جس خیال کے ڈر سے　　وہ آج خون رلاتا ہے دیدۂ تر سے
صدا یہ آتی ہے پھل پھول اور پتھر سے　　زمیں پہ تاج گرا قومِ ہند کے سر سے

حبیب قوم کا دنیا سے یوں روا نہ ہوا
زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

اجل کے دام میں آنا ہے یوں تو عالم کو　　مگر یہ دل نہیں تیار تیرے ماتم کو
پہاڑ کہتے ہیں دنیا میں ایسے ہی غم کو　　مٹا کے تجھ کو اجل نے مٹا دیا ہم کو

جنازہ ہند کا در سے ترے نکلتا ہے
سہاگ قوم کا تیری چتا میں جلتا ہے

کشمیر　پانی میں ہے چشموں کے اثرِ آبِ بقا کا　　ہر نخل پہ عالم خضرِ سبز قبا کا
جو پھول ہے گلشن میں وہ ہے نورِ خدا کا　　سائے میں شجر کے ہے اثر ظلِ ہما کا

مبدا کرمِ عام کی ہر جوئے رواں ہے
سرچشمۂ فیضِ چمن آرائے جہاں ہے

چھوٹے ہوئے اس باغ کو گزرا ہے زمانہ　　تازہ ہے مگر اس کی محبت کا فسانہ
عالم نے شرف جن کی بزرگی کا ہے مانا　　اٹھے تھے اسی خاک سے وہ عالمِ ودانا

تن جن کا ہے پیوند اب اس پاک زمیں کا
رگ رگ میں ہماری ہے رواں خون انھیں کا

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

گلشنِ ہند (تذکرہ شعرائے اُردو)

مصنف: سید حیدر بخش حیدری
مرتب: مختار الدین احمد
صفحات: ۱۰۴ سائز: $\frac{20\times30}{8}$
قیمت: ۵ روپے
ناشر: علمی مجلس دہلی

فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے منسلک رہ کر جن لوگوں نے اُردو کی ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں، ان میں حیدری اک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے جو کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں یا جن کا ترجمہ کیا تھا، ان کے نام اور نوعیت سے اہلِ علم واقف ہیں۔
۲۸۹ شاعروں کا (اُردو میں) یہ تذکرہ خواہ "گل دستۂ حیدری" کا ایک ضمیمہ یا ترجمہ ہی کیوں نہ رہا ہو، اُردو کے تذکروں میں ایک نئے تذکرے کی دریافت اور ان کی تعداد میں بہر حال ایک اضافے کا سبب ضرور ہے۔ اس کا پتا چلانا، اس کو حاصل کرنا اور ایک خاص اہتمام اور صحت کے ساتھ پہلی بار اس کو شائع کرنا ان تمام کاموں کا سہرا بلا شبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد کے سر ہے۔
مرزا لطف کا "تذکرہ بھی اسی نام سے موسوم اور مشہور ہے۔ وہ ۱۸۰۱ء میں لکھا گیا تھا اور یہ تذکرہ اس کے سال دو برس بعد کا ہے۔
حیدری نے جس طرح "گلشنِ ہند" کو مرتب کیا تھا اگر اسی طرح اسے شائع کر دیا جاتا تو اس کی۔ قدامت کے سوا۔ اور کوئی اہمیت نہ ہوتی۔ کیوں کہ حروفِ تہجی کی ترتیب سے شاعروں کے نام، تخلص، مبہم حالات اور بہت ہی مختصر اور معمولی انتخاب کلام سے آج کے پڑھنے والے کو نہ تسکین ہوتی نہ فائدہ پہنچتا ــــ مگر اسے مفید اور زمانۂ حال کی ضرورتوں کے مطابق شکل دینے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد نے وہی سب کچھ کیا ہے جس کی ایک مبصر اور عالم سے توقع کی جا سکتی تھی۔ تذکرہ نگار اور تذکرے کے بارے میں تمام ضروری معلومات، شعرا کے

بارے میں تشریحی اشارے، ان کی معتبر تاریخہائے وفات اور بعض غلطیوں کی تصحیح وغیرہ کر کے انھوں نے نہ صرف اس تذکرے کی اہمیت و افادیت بڑھادی ہے بلکہ اپنی تحقیقی صلاحیتوں اور فاضلانہ سوجھ بوجھ کا بھی ثبوت دیاہے ہے ___ کیا اچھا ہوتا اگر چھان بین کر کے وفات کے ساتھ ساتھ ولادت کے سنہ بھی درج کر دیے جاتے اور ہجری کے برابر سنہ عیسوی بھی لکھ دیا جاتا ___

امید ہے اسی پائے کے صاحبانِ علم و دانش کی بدولت اور علمی مجلس دہلی کی معرفت ایسی ہی اور بھی گوشۂ گم نامی میں پڑی ہوئی کتابیں سامنے آتی رہیں گی۔

رشید نعمانی

ظلِّ ہما

مصنف: الکزنڈر ڈیوما
مترجم: مظہرالحق علوی
صفحات: سائز: ۱۸×۲۲/۸ مجلد
قیمت: پندرہ روپے
ناشر: نسیم بک ڈپو لکھنؤ

سنسنی خیز ناولوں کے مصنف کی حیثیت سے الکزنڈر ڈیوما کا نام خاص شہرت کا مالک ہے۔ لیکن شہرت کی مناسبت سے شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس طرح کے ناولوں کے ترجمے پیش کرنے کے سلسلے میں مظہرالحق صاحب علوی کا نام بھی بحیثیت مجموعی کسی مصنف سے کم مشہور نہیں ہے۔ علوی صاحب کے قلم سے مختلف مصنفوں کے قابلِ ذکر شاہ کار ترجمہ ہو کر اپنی مقبولیت کا سکّہ جما چکے ہیں۔ ان کے ترجموں کی صاف اور شستہ زبان، عبارت میں روانی اور تسلسل غرض ہر طرح وہ ایک بہترین اور عمدہ ترجمہ کہلائے جانے کے مستحق ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر ناقد اس کا اعتراف کرتا نظر آتا ہے کہ ان کے ترجمے کہیں سے بھی ترجمہ نہیں معلوم ہوتے بلکہ ان پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

زیرِ نظر ناول ایک غریب اور سادہ دل ملّاح کی کہانی ہے جس کے ساتھ اس کے دوستوں نے صرف حسد کی وجہ سے غداری کی اور پھر ایک سازش کے ذریعے اسے عمر بھر کے لیے ایسی بھیانک کال کوٹھری میں بند کر دیا کہ جہاں ہلکی سی روشنی بھی نہ آسکتی تھی اور جس کے بارے میں سب جانتے تھے کہ جیتے جی کوئی اس

آزاد نہ ہو سکا۔ اس گھناؤنی سازش اور پھر ان چودہ برسوں کی طویل قید کی کہانی جس میں تمام جزئیات کا تفصیلی ذکر ہے ناول کے بہت کم صفحوں میں آگئی ہے۔ لیکن اس کے بعد جب ناول کا ہیرو کسی طرح اس جیل سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور پھر کسی طرح اس کے پاس بے پناہ دولت بھی آجاتی ہے تو کہانی بالکل ایک نیا موڑ اختیار کر لیتی ہے۔ ناول کے ہیرو نے اپنے دوست نما دشمنوں سے جو جو تکلیفیں اُٹھائی ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے عام حالات میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یا تو وہ خود دشمنوں کا گلا گھونٹتا نظر آتا یا پھر اپنی اس دولت کے سہارے فوری طور پر ان سب کو کیفر کردار تک پہنچاتا۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ جس طرح مناسب وقت کا انتظار کرتا ہے اور مناسب موقعوں پر سزائیں دیتا ہے تو بے اختیار طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے۔ "ظل ہما" منظر الحق علوی کے "سلور جبلی ناول" کی حیثیت سے شائع ہوا ہے۔ اس میں سنسنی خیز حالات اور جہاتی کارناموں کے ساتھ ساتھ دوسری دلچسپیوں کا بھی سامان موجود ہے اور مجموعی طور پر ہر طرح اس قابل ہے کہ بجا طور پر اس کی ستائش کی جائے۔

ریحان احمد عباسی

آبگینے (شعری مجموعہ)

مرتب: حسن فرخ
صفحات: ۱۰۰ سائز: $\frac{۲۰\times۳۰}{۸}$
قیمت: ایک روپیہ
ناشر: ادارۂ مصنفین نو، ۲۸۶-۲-سی، اعظم پورہ حیدرآباد - ۲۴

"آبگینے" جس کوشش اور کاوش کا نتیجہ ہے وہ ہر اعتبار سے لائق ستائش ہے اور اس کی بنیاد کے طور پر جس روش کو اختیار کیا گیا ہے وہ بھی مستحسن ہے، لیکن اچھا ہے اگر ع

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ضرورت اس بات کی ہے کہ کام کیا جائے اور اُسے صاف ستھرا کیا جائے، اس کی ضرورت نہیں کہ اغراض و مقاصد کا اظہار اس انداز سے کیا جائے کہ کہیں ادب کا جمود نقادوں کے

ذہن میں دیکھا جائے اور کہیں اپنی ناآسودگی کو تسکین دینے کے لیے بڑے ادیبوں اور مدیروں سے شکوہ شکایت کا طومار باندھا جائے۔ نئے ادیب ہونے کے مرحلے سے وہ بھی گزرے ہیں، یہ اُن کا پایۂ استقامت ہی تھا جس نے اُنھیں منزلِ رسی کا امتیاز دیا، اگر وہ خلوص اور لگن سے اپنی تخلیقات کو برابر پیش نہ کرتے رہتے تو اُنھیں پہچانا بھی نہ جاتا۔

'آبگینے' میں ہندوستان کے مختلف حصّوں کے شعرا نے حصّہ لیا ہے اور اسے جس خوبی، خوب صورتی، حُسن اور ترتیب سے شائع کیا گیا وہ سب کچھ اسے قابلِ قدر بناتا ہے واقعی اس میں شامل نظموں میں نیا ذہن جھلکتا ہے لیکن اس ذہن سے بے راہ رو ہو جانے کا بھی اندیشہ کیا جا سکتا ہے اس لیے ہر انداز میں اعتدال اور توازن کو ملحوظ خاطر رکھنا ہی مناسب ہوگا، کامیابی ہر اس کوشش کو مقدّر ہوتی ہے جو اپنی قوتِ کار کو اِدھر اُدھر ضائع نہ کرے اور مقصد کے حصول میں لگی رہے۔

اس شعری مجموعے میں تیرہ فن کاروں کی کاوشیں شامل ہیں یہ فن کار بہار، حیدر آباد، اورنگ آباد، بمبئی، بنگال، کلکتہ وجمشید پور سے تعلق رکھتے ہیں، ان سے مستقبل میں کتنی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں، وہ ان کی ان منتخب تخلیقات سے ظاہر ہو جاتا ہے، بعض کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے" ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" لیکن ان ہی ہونہاروں کو ابھی بہت کچھ سنورنا اور نکھرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ کلاسکی قدروں کو بھی پیش نظر رکھیں۔ نئی قدریں بالکل نئی نہیں ہوتیں۔ اُن کی جڑیں پُرانی قدروں میں ہوتی ہیں، اس مجموعے کے بعض شعرا کے یہاں اس کا فقدان پایا جاتا ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر آزاد نظم کی روش اپنائی جانی ہی بہتر ہوتی ہے، جیسا کہ غیاث متین، اکمل حیدر آبادی، مسعود عابد اور دوسرے شاعروں نے کیا ہے۔

کچھ لوگوں کے یہاں کہیں کہیں ہیئت اور اسلوب کا حُسن بحال رہا ہے وہاں معنویت عجب بہار دکھاتی ہے اور دل و دماغ کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہے، جیسے

اپنے حصّے میں بہاروں کا کوئی پھول بھی ہے مسکراتے ہوئے موسم کی ادا سے پوچھیں

(پرکاش فکری)

یہی ہے رسم شراب خانہ اسی کو دستورِ عام کہیے
جو داغ چمکے تو چاند کہیے جو زخم چھلکے تو جام کہیے

ہزار شعلہ بدست خاروں نے ہر قدم پر الجھنا چاہا تمھارے حیاؤں کے پیکر نازک رہے مگر پیرہن سلامت

(ممتاز راشد)

دلِ تباہ میں زخموں کی کچھ کمی ہے ابھی — نہیں جو تیغِ ادا، ناوکِ نگاہ چلے
یہ کیا غضب ہے غمِ یار کیا قیامت ہے — سوا ہے تجھ سے بھی احساسِ روزگار ہمیں
(قمر اقبال)

ہم سے کیا پوچھتے ہو دشت نوردی کا مآل — پھول کی آس میں خاروں میں بھٹکتے ہی رہے
(روشن خیال)

گرد کیا چاند کے چہرے پہ پہنچ سکتی ہے — غم تمہارا غمِ ایام میں ضم کیا ہوگا
ترا خیال، تری یاد، تیری دھن لے کر — چلا تو ساتھ مرے ساری کائنات ہوئی
(محمد علی ذکی)

اسی طرح کچھ نظمیں بھی توجہ چاہتی ہیں۔ اور اُن کے خیال و اظہار کی داد دینی پڑتی ہے، اگرچہ ایسی نظموں کی تعداد زیادہ نہیں۔

ظفر ادیب

نگارِ فکر

مصنف: کریم اسدی
صفحات: ۱۸۴ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: ۲ روپے ۵۰ پیسے
ناشر: مجلس اشاعت بھاگل پور

کریم اسدی صاحب بہار کے نئے شعرا میں سے ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے اپنے کلام کا مجموعہ "نگارِ فکر" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں غزلیں زیادہ اور نظمیں کم ہیں اُن کے کلام سے مشاقی کا احساس ہوتا ہے۔ اشعار، پختگی اور موسیقیت لیے ہوئے ہیں۔ طرزِ فکر قدیم تو نہیں لیکن روایتی ضرور لگتا ہے۔ کہیں کہیں ایسے شعر بھی پڑھنے والے کو مل جاتے ہیں جن میں زندگی کے قرب کا پتا چلتا ہے۔ نظموں میں کوئی خاص قابلِ ذکر پہلو نہیں ملتا۔ لیکن غزلوں کا مطالعہ کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ شاعر زندگی کے مشاہدے سے قدرے دور سہی لیکن عاری نہیں ہے۔ غزل میں قدیم رنگ حاوی ہے لیکن نیا پن بھی جھلکتا ہے اور یہ امید بندھتی ہے کہ اگر شاعر توجہ اور ذہنِ بیدار سے کام لے اور انسان سے متعلق بدلتے ہوئے حالات کو دیکھے اور اس کے دکھوں کو محسوس کرے تو اُس کا کلام آنے والے زمانے کو آج کا آئینۂ حالات پیش

کرسکتا ہے۔ کتاب اچھی چھپی ہے، کاغذ بھی بُرا نہیں اور جلد اور ٹائیٹل ایسا ہے جیسا کسی سنجیدہ مجموعۂ کلام کا ہونا ہی چاہیے۔ اہلِ ذوق اس کے مطالعے سے مایوس نہیں ہوں گے بلکہ تشنگی سے قرب محسوس کریں گے۔

تاجور سامری

سراشک

شاعر: زخمی حصاری سائز: ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات: ۱۶۸ قیمت: ۳ روپے ۵۰ پیسے
ناشر: شری این۔ آر نیردوش، لوہرو ڈ گیٹ،
حصار

اس کتاب میں زخمی صاحب کی تقریباً ۱۰۰ غزلیں، ۸ نظمیں، ۳۰ رباعیاں اور ۴۰ قطعات شامل ہیں۔ کتاب کے شروع میں ابوالفصاحت جناب جوش ملسیانی صاحب کا دعائیہ اور جناب جگر بریلوی صاحب کا اظہارِ رائے شامل ہے۔ زخمی صاحب نے اپنے کلام کی اصلاح پہلے سیماب اکبرآبادی صاحب سے لی اور بعد میں جناب جوش ملسیانی صاحب سے سلسلۂ تلمذ قائم کیا جواب بھی قائم ہے۔ ظاہر ہے جب ایسے قادرالکلام شاعروں سے فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہو اور خود شاعر بھی ذوقِ سلیم کا حامل ہو تو پھر اس کے کلام کا کیا پوچھنا یہی وجہ ہے کہ زخمی صاحب کا کلام زبان و بیان کے اعتبار سے پختہ اور معنویت اور شعریت کے لحاظ سے عمدہ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ جوش صاحب نے اپنے دعائیہ میں ٹھیک ہی کہا ہے کہ "... ان بتدی شاعروں کے مقابلے میں جو زبان اور فن کی پروا نہیں کرتے اور کسی سے مشورہ لینا بھی عار سمجھتے، زخمی صاحب کا کلام بدرجہا بہتر اور قابلِ قدر ہے"۔ چند شعر ملاحظہ ہوں

سفینہ ہے نہ کوئی ناخدا ہے — تلاطم کا سماں ہے اور میں ہوں
نہ منزل ہے نہ خضرِ راہ کوئی — غبارِ کارواں ہے اور میں ہوں
شامِ غم کے گزارنے والو — شامِ غم کی سحر نہیں ہوتی
کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے — زندگی بے سفر نہیں ہوتی

امید ہے اُردو شاعری اور خاص طور سے دیسی شاعری کو پسند کرنے والے جو زندگی اور اس کے محسوسات کو شعروں میں اور قریب دیکھنا پسند کرتے ہوں، یہ کتاب خاصہ کا کام دے گی۔
کتاب اچھی چھپی ہے۔ جلد بھی دیدہ زیب ہے

ریحان احمد عباسی

سالنامہ: پیامِ تعلیم
"آج" بابمبئی کی نظر میں

ماہنامہ پیامِ تعلیم کا سالنامہ اپنی صوری و معنوی اعتبار سے بے حد کارآمد اور بچوں کے لیے ایک بیش قیمت معلوماتی تحفہ ہے۔ ایڈیٹر محمد حسین حسان ندوی کی کوشش یقیناً قابلِ ستائش ہے جنھوں نے اتنا ضخیم اور اس قدر شاندار سالنامہ مرتب کرکے بچوں کے لیے معلومات کا خزانہ بڑی فراخ دلی سے بہم پہنچایا ہے ان کے ساتھ ساتھ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی ہمت کی داد دینی چاہیے جس نے کے اس بحرانی دور میں انوکھے ٹائیٹل سے لے کر رنگین طباعت، کتابت اور اچھے کاغذ کی فراہمی میں دل کھول کر روپیہ صرف کرکے اُردو ادب کی بقا کے لیے ایک اور سنگِ میل قائم کردیا۔ رنگ برنگی ٹائیٹل اُردو کے رسالوں میں نیا تجربہ ہے۔ کئی رنگوں میں شائع کرنے کی قابلِ تعریف جراُت سے کام لیا گیا ہے۔ ایک سو اسی صفحات پر مشتمل مصنفوں کی تصویروں سے مزین بہترین عنوانات کا ذخیرہ اپنے اندر بیسیوں خوبیاں اور سیکڑوں دلچسپیاں لیے ہوئے ہے مصنفوں میں اکثر مقبول اور کہنہ مشق ادیب نظر آتے ہیں۔

تاریخ کے معلوماتی مضامین بہت دلچسپ ہیں۔ خاص طور سے شیر شاہ سوری کا مقبرہ تاریخ کے معلوماتی مضامین بہت دلچسپ ہیں خاص طور پر کرسٹوفر کولمبس 'کیا دیکھا'، گنبد سلطان محمد علی قطب شاہ اور عورتوں کا شہر' قابلِ ذکر ہیں۔ جانوروں اور پرندوں کے متعلق شکاری پرندے' زخمی چیتا، گیشٹ' اور جانوروں میں شکار کے طریقے بہترین مضامین ہیں جن میں دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ معلومات کو بھی دخل ہے۔ "لکڑی کے لٹھے سے ایٹمی جہاز تک" یہ بھی اچھا معلوماتی مضمون ہے۔ اختر بریلوی کی رباعیات۔ "بہانے والا"، "سال نو"، "بڑا آدمی"، "ریل کا سفر" اور "مکتب کی سمت دوڑو" یہ نظمیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ لوک کہانیاں اور سائنس کے معلوماتی مضامین قابلِ تعریف ہیں۔ ایسے شاندار معلوماتی ذخیروں والے ماہنامہ پیامِ تعلیم کا سالنامہ اس قابل ہے کہ اسے خرید کر بچوں کو پڑھایا جائے جو معلومات میں اضافہ کا باعث ہے۔

عبدالحمید بیکس

نئی مطبوعات

ٹیگور	صفدر حسین	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱/۲۵
چقماق کی ڈبیا	برکت علی فراق	〃 〃 〃 〃	-/۴۰
خبر رسانی کے طریقے	رفیعہ امین	〃 〃	-/۸۰
فریدہ بیگم	بدر انجم	نسیم بکڈپو لکھنؤ	۴/۵۰
بھائی بہن	اے۔ آر خاتون	〃 〃 〃 〃	۱/-
اردو شاعری کی ہندوستانی روح	زرینہ ثانی	〃 〃 〃 〃	۱/۵۰
نوشابہ	رئیس احمد جعفری	ذوق سلیم	۶/-
سراج	عادل رشید	الہ آباد	۷/-
اکبر	مترجم رضیہ سجاد ظہیر	نیشنل بک ٹرسٹ	۳/۵۰
۱۹۶۷ء کی منتخب شاعری	مرتبہ راج نرائن راز 〃 کمار سیاشی	نازش بک سیلر	۲/-
شاد اُس کی شاعری	〃 پورن کمار ہوش	مجلس اشاعت	۳/-
مباحث (دو حصے)	ڈاکٹر عبداللہ	کتب خانہ نذیریہ	۱۵/-
مسلمانوں کے روز و شب	مرتبہ اسد گیلانی	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی	۲/۲۵
معروف و منکر	جلال الدین عمری	〃 〃 〃	۵/-
بدنصیب	مائل خیرآبادی	〃 〃 〃	-/۷۰
پیشین گوئیاں	〃 〃	〃 〃 〃	-/۵۰
بیوقوف کی تلاش	〃 〃	〃 〃 〃	-/۵۰
بچوں کی تربیت	ڈاکٹر عبدالرؤف	حسن بک ڈپو	۱/۵۰
بچوں کی رہنمائی	〃 〃	〃 〃	۱/۵۰
ضرورت ہے ایک قاتل کی	مینسری ہالٹ	پنجابی پستک بھنڈار	۶/۵۰
ڈوبتے سائے	عادل رشید	〃 〃	۲/-
پہلا اور آخری خط	قاضی عبدالستار	مکتبہ افسانہ	۳/۷۵
آگ اور پانی (ناول)	طارق جمیلی	جامع مسجد گیٹ پورینہ بہار	۱/-

ان کتابوں کو اپنی لائبریری کی زینت بنالیئے

کتاب	مصنف	قیمت
آشفتہ بیانی میری	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۲/۵۰
خنداں	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۵/۲۵
گنجہائے گرانمایہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۴/۵۰
تنقید کیا ہے	پروفیسر آل احمد سرور	۳/۷۵
ذکرِ غالب	مالک رام	۴/۲۵
بے بات کی بات	سیدہ نسیم چشتی	۴/-
تلامذۂ غالب	مالک رام	۷/۵۰
کربل کتھا	مالک رام	۷/۵۰
اُردوئے مصفّٰے	مولوی عبدالحق	۷/۵
روحِ اقبال	ڈاکٹر یوسف حسین	۸/-
کاروانِ فکر	ڈاکٹر یوسف حسین	۳/۷۵
حسرت کی شاعری	ڈاکٹر یوسف حسین	۱/-
پردیسی کے خطوط	مجنوں گورکھپوری	۲/۷۵
غزل سرا (اردو)	مجنوں گورکھپوری	۶/-
نقدِ اقبال	میکش اکبرآبادی	۴/۲۵
باغ و بہار (میر امن)	مرتبہ رشید حسن خاں	۲/-
تذکرۂ جگر	محمود علی خاں	۳/-
اُردو السیّر	ظہیرالدین مدنی	۳/-
اُردو مرثیہ	سفارش حسین	۶/-

ادبی خبریں

اُردو کی علمی و ادبی انجمنوں سے اپیل اُردو کمیٹی بمبئی ملک بھر میں پھیلی ہوئی اردو کی علمی ادبی اور تہذیبی انجمنوں اور اداروں کی ایک مکمل فہرست مرتب کرنا چاہتی ہے تاکہ اُردو کی تحریک کو ملک گیر پیمانے پر منظم کرنے میں تمام اداروں اور ادبی انجمنوں کا تعاون حاصل کیا جا سکے۔ اُردو کمیٹی ان اداروں اور انجمنوں کے ذمہ داروں سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ ہمیں اپنا دستور، عہدہ داروں کے نام اور پتے، مطبوعہ رپورٹیں اور دوسرا ضروری لٹریچر روانہ فرما دیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی سابقہ اور حالیہ سرگرمیوں سے مطلع فرمائیں تاکہ فہرست کو زیادہ سے زیادہ مکمل اور جامع بنایا جا سکے۔

اُردو دوستوں اور مخلص کارکنوں سے بھی التماس ہے کہ وہ ایسے اداروں اور انجمنوں کی تفصیلات روانہ کرنے میں مدد دیں۔

(سکریٹری، اُردو کمیٹی ۸۴، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، بمبئی ۳) (بی آر م)

شاعروں اور ادیبوں کی کانفرنس لکھنؤ میں ۳ر اپریل سے ادیبوں اور شاعروں کی ایک کانفرنس شروع ہو رہی ہے جو چار روز تک جاری رہے گی۔ اس میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ جمہوریت میں ادیبوں اور شاعروں کا رول کیا ہونا چاہیے۔ اس میں لکھنے کے نئے رجحانات پر بھی تبادلۂ خیالات کیا جائے گا۔ مشہور افسانہ نگار کرشن چندر اس کی صدارت کریں گے اور ڈاکٹر سمپورنا نند اس کا افتتاح کریں گے۔ (شکریہ الجمعیۃ دہلی)

حلقۂ احباب آرا کی ۵۴ ویں نشست ۲۱ جنوری ۱۹۶۸ء کو حلقۂ احباب آرا کی ۵۴ ویں ماہانہ گشتی و چوتھی سالانہ انتخابی نشست اور چوتھا عید طرحی مشاعرہ زیر طرح "محتاج آفتاب نہیں ماہتاب کا" نصرت آروی صاحب کی صدارت میں جناب لطیف صاحب کے دولت کدے پر منعقد ہوئی۔ مشاعرہ کے اختتام کے بعد سالانہ انتخاب عمل میں آیا جس میں:

صدر۔ نصرت آروی

نائب صدر۔ جے چند صاحب جین

معتمد۔ ش۔ م۔ عارف مارہروی

نائب معتمد۔ بدیع الحق صاحب

متفقہ طور پر منتخب ہوئے۔ دستور العمل کے مطابق پروفیسر رئیس امام صاحب، پروفیسر ظہور رضوی صاحب اور وسیم حیدر صاحب کو مجلس انتظامیہ کا رکن نامزد کیا گیا۔

۵۔ ۴۴ ویں نشست جناب برق صاحب کی نشست گاہ ملکی محلہ آرا پر زیر طرح جلوہ بلائے چشم ہے نغمہ بلائے گوش ہے ۔ ۲۰ فروری سنیچر کی شام کے ۷ بجے حسب دستور گشتی ہوگی۔ اور ۴۷ ویں نشست ۱۵ فروری کو نائب صدر کے دولت خانے پر یوم غالب (غالب کی ۹۹ ویں برسی) کی صورت میں منعقد ہوگی ۔ حلقہ احباب آرا نے آرا کے سترہ موجودہ شعراء کے مختصر تعارف اور نمونہ کلام پر مشتمل ایک کتاب متاع سخن طبع کرائی ہے جس کی قیمت ایک روپیہ ہے

وسیم حیدر

ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ کے مالک جناب شبیر صاحب کا انتقال پُر ملال

۱۴ جنوری ۶۸ء کو صبح ۵ بجے کے قریب ایجوکیشنل بک ہاؤس کے مالک جناب شبیر عرف بابو میاں کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے اپنی حیات میں سینکڑوں اُردو کی کتابیں شائع کی تھیں اور علی گڑھ کے ایک بڑے ناشر شمار کیے جاتے تھے۔ انتہائی خوش اخلاق اور پرانی قدروں کے نمایندے تھے خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے ۔

میسور میں سلطان ٹیپو کے عہد حکومت کے قبل کی دو اُردو کتابیں

میسور میں شاہ ابوالحسن صاحب ادیب کے ہاں ایک کتاب ہے جو تنبیہ الغافلین نامی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ ساڑھے تین سو سال پہلے کی اُردو نثر کا نمونہ ہے اور ۹۷ھ میں ترجمہ ہوئی۔ کاغذ اچھا ہے۔ لیکن کتابت خراب۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ ریاست میسور کے کسی علاقہ میں لکھی گئی ہے۔ مترجم نے کتاب کی ابتدا اس طرح کی ہے۔۔

"میں ایمان لایا خدای تعالیٰ پر خدای تعالیٰ ایسا ہی تمام عالم کو پیدا کیا ہے اپنے جیوسون کسی کی سطلانی سون نہیں ہوا جملہ عالم کون رزق دینہارا ہے ایمان سون ایمانی کون مارینہارا سوا دھی تمام عالم کو پیدا کرنہارا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

"ہزار مسائل" (۲)

ایک قلمی مخطوطہ مولوی شاہ ابوالحسن صاحب ادیب کے پاس ہے جس کا نام "ہزار مسائل" ہے مصنف کا نام محمد علی ابن مخدوم صدیقی ہے اس کے اجداد کی قضات قلعہ کویل میں تھی۔ اس نے قلعہ کویل میں اس کا کسی فارسی کتاب سے ۱۱۰۵ھ بزبان دکھنی منظوم ترجمہ کیا نمونہ یہ ہے :-

یہی ہجر کی تھی سال سنہ یو قرار　　ہزار ایک سو پر تھی پنجاہ شمار
کیا اس رسالہ کو خوش انصرام　　محمد علی ابن مخدوم نام
نچھل نسل صدیق کی ذات کا　　کہیں شیخ یعنے قریشے سچا
لکھیا ترجمہ کر اوس کا تھاؤں　　جو ہے قلعہ کویل لکر جس کا ناؤں

اگر اس کتاب اور قلمی مخطوطہ سے متعلق کچھ سعید صاحب یا فرزندانِ مولوی شاہ ابوالحسن ادیب صاحب "ہماری زبان" میں تحریر فرمائیں تو میں ممنون ہوں گا۔　　(نیاز حیدر)

بشکریہ ہماری زبان علی گڑھ

ساہتیہ اکاڈمی کا انعام اردو دوستوں میں یہ بات بڑی مسرت سے سنی جائے گی کہ امسال ساہتیہ اکاڈمی کا اردو کا انعام مشہور افسانہ نگار قرۃ العین حیدر کو ان کی کتاب 'پت جھڑ کی آواز' پر ملا ہے قرۃ العین حیدر کے والد سجاد حیدر یلدرم اردو کے مشہور اور صاحبِ طرز انشا پرداز تھے۔ ان کی والدہ نذر سجاد حیدر کا بھی خواتین افسانہ نگاروں میں ایک بلند مقام ہے قرۃ العین حیدر اپنے ناولوں "میرے بھی صنم خانے"، "سفینۂ غمِ دل" اور "آگ کا دریا" کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کر چکی ہیں ۱۹۶۵ء میں ان کے افسانوں کا نیا مجموعہ "پت جھڑ کی آواز" مکتبہ جامعہ نے شائع کیا تھا۔ یہ مجموعہ ہمارے افسانوی ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے اور اسی پر ساہتیہ اکاڈمی نے انھیں پانچ ہزار کا انعام دیا ہے۔

پت جھڑ کی آواز میں' جلا وطن' یاد کی ایک دھنک جلے' قلندر' پت جھڑ کی آواز کے علاوہ ہاؤسنگ سوسائٹی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ہاؤسنگ سوسائٹی' اپنے حُسنِ تعمیر، فضا، کردار نگاری بے باک حقیقت نگاری اور مدھم شعریت کی وجہ سے اردو کے بہترین افسانوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ہم قرۃ العین حیدر کو اس اعزاز پر دلی مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے افسانوی ادب کو عالمی معیاروں سے اور قریب لائیں گی۔

(بشکریہ ہماری زبان علی گڑھ)

Regd. No. D. 58 February 196

KITAB NUMA

JAMIANAGAR NEW DELHI-25

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ماہنامہ

کتاب

مارچ ۱۹۶۸ء

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

قاعدہ

یَسَّرْنَا الْقُرْاٰن

یہ قاعدہ مکتبہ جامعہ نے تعلیمی اصولوں کے پیشِ نظر نئی ترتیب کے ساتھ نئے سِرے سے مرتّب کیا ہے۔ غیر ضروری چیزیں کم کی گئی ہیں، سبقوں اور مشقوں میں مُفید اضافے کیے گئے ہیں۔

ہر سبق کے شروع میں پڑھانے والوں کے لیے آسان اور مختصر ہدایتیں دی گئی ہیں جن کی مدد سے معمولی اردو جاننے والے والدین بھی اپنے بچّوں کو آسانی کے ساتھ بہت کم مدّت میں قرآن مجید پڑھا سکتے ہیں۔

اِن خوبیوں کی وجہ سے اِس قاعدے کی افادیت بازار میں مِلنے والے عام قاعدوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

سفید گلیز کاغذ .... آفسٹ کی چھپائی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
اردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳

ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی ۲۵
مینجنگ ایڈیٹر
غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول :-
مجیب احمد خاں
مارچ ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۳
سالانہ چندہ ۔ دو روپے
فی پرچہ ۔ بیس پیسے

اشاریہ :

خدا کا شکر ہے کہ "کتاب نما" کی پذیرائی ہماری توقع کے مطابق ہو رہی ہے ۔ نئی شرح سے چندہ آنے کا سلسلہ جاری ہے ۔ بعض ہمدردوں نے حسبِ وعدہ توسیع اشاعت میں عملی دلچسپی لینا بھی شروع کر دیا ہے ۔ محبوب نگر کے سید انیس الدین قادری نے سولہ خریداروں کا چندہ بھیجا ہے ۔ چیلون سے مسٹر ایم جی بھاٹگر اور بمبئی سے محترمہ سلطانہ آصف فیضی نے اپنے علاوہ مزید چار چار خریدار فراہم کیے ہیں ۔ ہم ان سب کے شکر گزار ہیں ۔

ایجنٹ حضرات بھی متوجہ ہو رہے ہیں ۔ گلبرگہ کے پیوپلز بک اسٹال اپنے مطالبہ میں مزید اضافہ کرنے کے بعد بھی خود کو مطمئن نہیں سمجھتے ۔ غرض کہ اس رفتار سے ہم مطمئن ہیں اور امید کرتے ہیں بہت جلد "کتاب نما" کی اشاعت دوگنی ہو سکے گی ۔

احباب کے مختلف مشوروں میں سے سرِدست یہ تجویز ہمارے زیرِ غور ہے کہ اس کے صفحات میں اضافہ کر دیا جائے ۔ ہمیں امید ہے کہ جلد یا بہ دیر ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ اس کی ضخامت بڑھا سکیں ۔ یوں تو اس مرتبہ بھی "کتاب نما" کی ضخامت میں سولہ صفحے زاید کر دیے گئے ہیں لیکن یہ ایک خاص ضرورت کے تحت کیا گیا ہے اور قطعی عارضی ہے ۔

ہمارے قارئین میں زیادہ تر وہ اصحاب ہیں جن کو اردو کی نئی مطبوعات کی تلاش رہتی ہے ۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ان کی تشنگی کو دور کرنے کی سبیل ہم باوجود کوشش کے نہیں نکال سکے ۔ یہ بات ہمارے اکیلے کے بس کی نہیں ہے ۔ اس میں ناشر اور مصنف حضرات کی توجہ اور امداد ضروری ہے اور کیا کیجیے کہ ہماری بار بار کی اپیلیں اس سلسلے میں بے اثر ثابت ہوتی ہیں ۔

ہم ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں اور آج بھی اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ نئی مطبوعات کی تشہیر کا

ہم کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتے ۔ ایسی خبروں کے لئے "کتاب نما" کے صفحات ہر وقت کھلے ہیں لیکن اس بخل کا کیا علاج کہ لوگ صرف ایک کارڈ کے لیے بھی ہمیں ایسی اطلاع دینے سے احتراز کرتے ہیں جب کہ اس میں فائدہ ہم سے زیادہ خود ان کا ہے ۔ اس صحبت میں بھی ہم درخواست کریں گے کہ ناشرین اور مصنفین اپنی تازہ مطبوعات سے باخبر رکھنے کے اصول کو بھی اپنا لیں تو کتاب نما سے زیادہ ایسے صاحبانِ ذوق کی تسکین کا سامان بھی ہو جائے گا جن کی نگاہ نئی مطبوعات کی متلاشی رہتی ہیں ۔

ایک خوشخبری بھی سن لیجے :

بہت دنوں سے ہمارے اکثر بہی خواہوں کی خواہش تھی ، بلکہ مطالبہ تھا کہ مکتبہ جامعہ کی ایک شاخ علی گڈھ میں بھی ہونی چاہیے ۔ ہم اپنے دوستوں اور بزرگوں کی اس خواہش کو پورا کرنے کی ایک عرصے سے کوشش کر رہے تھے ۔ سب سے بڑی رکاوٹ معقول جگہ کا نہ ملنا تھا ۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرس کے سکریٹری جناب حقی صاحب ، مکتبہ کے ایک مخلص اور ہمدرد جناب رضی الدین رشید صاحب اور دوسرے بہت سے کرم فرماؤں کی توجہ اور مہربانیوں کی بدولت یہ مسئلہ حل ہو گیا اور شمشاد مارکیٹ میں ہمیں ایک معقول اور مناسب دکان مل گئی ۔

مکتبہ کی یہ شاخ انشاء اللہ اسی مہینے سے اپنا کام شروع کر دے گی اور یونیورسٹی کے طلبا ، اساتذہ اور دیگر کارکنان کی اسٹیشنری اور کتابوں سے متعلق جملہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے گی ۔

علی گڈھ میں جس جوش و خروش سے ہمارے اس اقدام کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر یقین ہے کہ مکتبہ کی اس شاخ کو علیگ برادری کا مکمل تعاون حاصل رہے گا ۔

زیر طبع

"لفظوں کا پُل" (شعری مجموعہ ، صرف بالغوں کے لیے) شاعر : ندا فاضلی

پبلشر : تصدیق سہاروی ، بمبئی ۹

امام مرتضیٰ نقوی ۔ ایم ۔ اے

کتابیات اور اس کا فن

کتابیات یا ببلیوگرافی کتابوں کی اس فہرست کو کہتے ہیں جس میں کتاب سے متعلق تمام تفصیلات بہم پہونچائی جاتی ہیں ۔ مثلاً مصنف کا نام ۔ کتاب کا نام ، ناشر ، مقام اشاعت ، ایڈیشن ، جلدیں (اگر ایک سے زائد ہوں) صفحات اور قیمت وغیرہ ۔

کتابیات کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب ہر فن پر سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں کتابیں شائع ہونے لگیں ، اور محققین کے لیے یہ جاننا دشوار ہو گیا کہ ان کے فن سے متعلق اب تک کیا کیا لکھا گیا ہے ۔ تحقیق کے لیے سب سے بنیادی چیز یہی ہے کہ پہلے اس موضوع پر وہ مواد اکٹھا کیا جائے جو اب تک شائع ہو چکا ہے ۔ تاکہ محقق کو یہ معلوم ہو سکے کہ اب اس میدان میں اس کے لیے کتنی گنجائش ہے ۔

کتابیات کی بہت سی قسمیں ہیں عالمی کتابیات ، قومی کتابیات ، کسی مخصوص فن کی کتابیات ، کسی مصنف یا شخصیت کی کتابیات ، ایک معینہ مدت کی کتابیات اور کتب فروش اور ناشروں کی کتابیات وغیرہ

عالمی کتابیات سے مراد اس تمام مطبوعات کی فہرست سے ہے جو ابتدائے آفرینش سے اب تک بلا کسی تفریق مذہب وملت ، زبان اور جغرافیائی حدود کے تیار کی گئی ہو ۔ یہ کام اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے ۔ اب تک اس قسم کی کوئی کتابیات تیار نہیں کی جا سکی ۔ حالانکہ کئی مرتبہ اس کی کوشش بھی کی گئی ۔

قومی کتابیات یا نیشنل ببلیوگرافی اس مکمل فہرست کو کہتے ہیں جس میں کسی ملک کی تمام مطبوعات خواہ وہ کسی فن اور زبان پر ہوں ، شامل کی جاتی ہیں ۔ اس کی مثال انڈین نیشنل ببلیوگرافی اور برٹش نیشنل ببلیوگرافی ہیں ۔

۱۹۵۵ء میں ہندوستان میں ایک کمیٹی کا تقرر ہوا تاکہ وہ ہندوستانی مطبوعات کی ایک ببلیوگرافی تیار کرے ۔ ۱۹۵۸ء میں پہلی بار یہ کام انجام پایا ۔ اور ایک نیشنل ببلیوگرافی مسٹر کیسون کی زیر نگرانی

جو اس وقت نیشنل لائبریرین تھے، مرتب ہوئی۔ اس میں سستے قسم کے لٹریچر مثلاً ناول، نصاب کی کتابیں۔ پروپیگنڈہ لٹریچر۔ اور اخبارات اور رسائل کو جگہ نہیں دی گئی۔ صرف ہر رسالہ کی پہلی اشاعت کو اس میں شامل کیا گیا۔ یا ان رسالوں کو جن کے نام بدل دیے گئے۔

اس کتابیات کو مختلف فنون میں تقسیم کیا گیا، جیسے ادب، تاریخ، مذہب اور معاشیات وغیرہ اس کے علاوہ کتابیات کو سرکاری اور غیر سرکاری مطبوعات میں بانٹا گیا ہے۔ اس طرح نیشنل لائبریری کلکتہ ہر سال ایک ببلیو گرافی مرتب کرتی ہے۔

کسی مخصوص فن یا شخصیت پر بھی کتابیات تیار کی جاتی ہے جس میں اس فن سے متعلق تمام تصانیف درج ہوتی ہیں۔ شخصیت پر جو کتابیات تیار ہوتی ہے اس میں اس شخص کی لکھی ہوئی اور اس پر لکھی ہوئی تمام تصانیف شامل کی جاتی ہیں۔ جیسے اقبال اکیڈیمی پاکستان نے علامہ اقبال پر کے۔اے وحید کی تیار کی ہوئی ببلیوگرافی ۱۹۶۵ء میں شائع کی ہے۔ جس میں اقبال کی تمام تصانیف، خطبات، تقاریر اور ان پر مضامین، مقالے اور کتابیں شامل ہیں۔ یا عبدالرحمٰن بدوی نے "الغزالی" پر عربی میں ایک ضخیم ببلیوگرافی تیار کی جسے ۱۹۶۱ء میں حکومت عرب جمہوریہ نے شائع کیا۔ آج کل جب کہ اس سائنسی دور میں علم کا میدان بہت وسیع ہو گیا ہے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ علم کے ہر گوشے پر کتابیات تیار کی جائے۔

کسی فن یا شخصیت پر کتابیات تیار کرنے کے لیے صرف کتابوں کو شامل کرنا ہی کافی نہیں بلکہ رسائل کے مضامین بھی ان میں شامل ہونے چاہئیں، کیونکہ آج کل رسائل کا معیار کافی بلند ہو چکا ہے، ان میں جو مضامین آتے ہیں وہ بعض اوقات نہایت اعلیٰ پایہ کے ہوتے ہیں اور محقق کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ کتب فروش اور ناشر بھی اپنی کتابیات تیار کرتے ہیں۔ مگر وہ تجارتی نقطۂ نظر سے مرتب کی جاتی ہے، اور اس میں تکنک کا زیادہ خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہاورڈ یونیورسٹی پریس کا کٹیلاگ "نیو کیمبرج بکس" اور ہندوستان میں "ببلیو تھیکا اُدرنٹلیا" اور انیل گپتا کا کتابوں کا کٹیلاگ تکنک اور تفصیل کے لحاظ سے کتابیات کے اچھے نمونوں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ عرب میں ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ عہد عباسیہ کا ایک نامور کتب فروش اور مدوّن کتابیات گزرا ہے جس نے ۳۷۷ھ میں "کتاب الفہرست" کے نام سے ایک ضخیم کتابیات مرتب کی۔ جس میں اس نے تقریباً چار سو سال کا لٹریچر شامل کیا ہے۔

انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں کتابیات نے خاصی ترقی کر لی ہے، اور کتابیات

کی تعداد اتنی پہونچ گئی کہ "پیٹر مین" کو جو ایک جرمن مدوّن کتابیات تھا "بِبلیوگرافی آف ببلیوگرافیز" یعنی کتابیات کی کتابیات تیار کرنی پڑی۔ جو تین جلدوں میں ہے۔

یہ کام ہماری اردو زبان میں ابھی تک بہت ناقص ہے۔ سب سے پہلے سر سید احمد خاں کو اس کا خیال آیا۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں علی گڈھ سائنٹی فک سوسائٹی کی طرف سے سر ولیم میور لفٹیننٹ گورنر صوبہ شمال و مغرب (یو پی) کی خدمت میں جو اڈریس پیش کیا گیا تھا اس میں یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ:

"منجملہ ان کتابوں کے جو اردو زبان میں سوسائٹی تیار کر رہی ہے دو کتابیں سید احمد خاں آنریری لائف سکریٹری تیار کر رہے ہیں۔ ایک اردو لٹریچر کی تاریخ یا فہرست جس میں تمام کتابوں کا جو ابتدا سے آج تک چھپی ہیں نام، اس کے مصنف کا حال، تصنیف کا زمانہ، طرز بیان اور مختلف مقامات سے اس کی عبارت کے چند نمونے اور بعض مضامین کا خلاصہ ہوگا۔" (حیات جاوید)

دوسری کتاب اردو ڈکشنری تھی جو پوری طرح مکمل نہ ہو سکی۔ پہلی کتاب یعنی فہرست کے کام کو سر سید عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

۱۹۲۳ء میں محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی نے "الفہرست" کے نام سے ایک کتابیات تیار کی۔ مگر اسے ہم اچھی کتابیات کا نمونہ نہیں کہہ سکتے۔ ڈاکٹر عبد الحق نے "قاموس الکتب اردو" جلد اوّل میں اس کی خامیوں کا انکشاف کیا ہے۔ مثلاً تواریخ کی متفرق کتابوں کے تحت مختلف ملکوں کی تاریخیں، مشاہیر اور دیگر اشخاص کی سوانح عمریاں اور سفر نامے، سب گڈمڈ کر دیے ہیں۔ یا قرآن شریف کے تراجم کے تحت اعجاز القرآن، مفتاح القرآن، اعجاز البیان، لغات القرآن، کلید خزائن قرآن، جواہر قرآنی، معجزات قرآن، جیسی کتابیں بھی شریک کر لی گئی ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں مولوی عبد الحق کی نگرانی میں انجمن ترقی اردو نے مذہبیات پر ایک کتابیات "قاموس الکتب اردو" مرتب کی۔ یہ کتابیات ۱۱۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کافی تفصیل اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔

اردو کی کتابوں کی ببلیوگرافی تیار کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر و بیشتر کتابیں ایسی ملتی ہیں جن سے پوری معلومات نہیں ملتی۔ کہیں ناشر کا نام نہیں ہوتا، تو کہیں سن اشاعت غائب۔ کبھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ایڈیشن کون سا ہے۔ غرض جب تک کتاب کے متعلق مکمل معلومات فراہم نہ ہو سکے ایک اچھی کتابیات کیسے بنائی جا سکتی ہے، پرانی کتابوں میں عام طور پر یہ نقص ملتا ہے۔

اردو میں کتابیات بنانے کا وہی طریقہ ہے جو انگریزی میں ہے۔ کتاب سے متعلق تمام تفصیل بالترتیب آنی چاہیے، ترتیب ایک تکنک ہے۔ اگر اس تکنک میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی تو اچھی کتابیات نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ کتابیات مرتب کرتے وقت جن چیزوں کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے ان کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جو چیزیں پہلے آتی ہیں وہ بعد کو آئیں اور جن کو بعد میں درج کرنا ہے وہ پہلے آجائیں، ترتیب حسب ذیل طریقے سے ہونی چاہیے:

مصنف کا نام، کتاب کا نام، مترجم کا نام (اگر کوئی ہے) ایڈیشن، جلد نمبر، مقام اشاعت، ناشر، سن اشاعت، صفحات، تعداد تصاویر، قیمت اور شرح یعنی Annotation

شرح کے خانے میں مصنف یا کتاب کے بارے میں صرف چند سطور لکھنا کافی ہیں جن سے کتاب کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جائے۔ نیچے میں ایک کتاب کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ مثلاً

نارنگ (گوپی چند)

"اردو مثنویاں" دہلی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ ۱۹۶۲ء، صفحات ۴۳۸

قیمت چھ روپے۔

شرح:۔ "غزل نام ہے بیان محبت کا، اور مثنوی داستان محبت کا۔ وہ سرود غم ہے اور یہ بزم ماتم —— اور ڈاکٹر نارنگ کی یہ تصنیف اسی بزم ماتم کی تاریخ ہے جو ہندو مسلم کلچر کو ایک کر گئی اور اردو کو دونوں کی مشترکہ مجلسی زبان بنا گئی۔ صنف مثنوی پر اس وقت تک بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ڈاکٹر نارنگ کی یہ تصنیف

ہر دو گرست ایں کاں را ——!"

رسائل کے مضامین کی جو کتابیات تیار کی جاتی ہے اس کی نوعیت کتاب سے ذرا مختلف ہے۔ اس میں مصنف کے نام کے بعد مضمون کا عنوان پہلے آتا ہے، پھر اس کے یا مجلّہ کے نام کے نیچے ایک خط کھینچ دیا جاتا ہے، اس کے بعد مقام اشاعت، ادارہ، جلد نمبر، تاریخ، سن اشاعت اور سب سے آخر میں مضمون شروع ہونے کا صفحہ نمبر اور ختم ہونے کا نمبر۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مضمون کتنے صفحات پر مشتمل ہے۔ اور وہ اس رسالے میں آسانی سے تلاش کیا جا سکے۔

نیچے دیے ہوئے نمونے کے ذریعہ یہ بات واضح ہو جائے گی۔

محمد حسن
"مرزا رسوا کی تنقید نگاری"

"نقوش" ـ لاہور ـ ادارۂ فروغ اردو ـ جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۰۲ تا ۲۱۴

آج کل ایک نہایت ضروری اور قابل توجہ مسئلہ اردو ناموں کے اندراج کا بھی ہے۔ انگریزی میں اس قسم کا کوئی مسئلہ نہیں، عام طور پر یہ طریقہ رائج ہے۔ کہ مصنف کا خاندانی نام یا اس کا تخلص پہلے لکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بالکل صحیح ہے۔ مگر جہاں مصنف کے خاندانی نام کا پتا نہیں چلتا وہاں اس کا اصلی نام لکھ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے ناموں میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے ناموں سے پہلے "محمد" لکھا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ زائد معلوم ہوتا ہے۔ جیسے محمد ضیاء الدین محمد اکبر علی ـ محمد طفیل احمد ـ وغیرہ وغیرہ ـ حالانکہ اس میں صرف ضیاء الدین، اکبر علی اور طفیل احمد کافی ہے۔

"محمد" کا لفظ ایک برکت ہے۔ اگر اس لفظ کو کتابیات میں اصلی نام سے الگ کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر محمدؐ کے ساتھ بعض ایسے نام بھی بنتے ہیں جنکو محمد سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور وہ بجنسہ درج ہوں گے، مثلاً محمد احمد ـ محمد حسن، محمد علی وغیرہ کیوں کہ ہمارے معاشرے میں احمد، حسن، علی قسم کے نام سابقہ اور لاحقہ سے بن گئے ہیں۔

یہ چند باتیں ہیں جو کتابیات بناتے وقت ذہن میں رکھنی چاہئیں تاکہ ایک اچھی، کامیاب اور مکمل کتابیات مرتب ہو سکے۔ اردو کی کتابوں کے سلسلے میں ہمیں خاص طور پر اس طرف توجہ دینی ہے تاکہ محققین کو کتاب کے بارے میں پوری معلومات فراہم ہو سکے۔

تعارف

"بے بات کی بات"

"بے بات کی بات" مجموعہ ہے سیدہ نسیم چشتی صاحبہ کے بتیس ۳۲ پرلطف ریڈیائی مضامین کا۔ دہلی اور لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشنوں سے مختلف اوقات میں یہ دل چسپ تقریریں نشر ہوچکی ہیں۔ جن کو پہلے سن کر لطف اٹھایا گیا اور اب پڑھکر جی خوش کیا جا سکتا ہے۔

خوش دلی اور خوش مذاقی وہ نعمتیں ہیں جو ہر ایک کے حصے میں ذرا کم ہی آتی ہیں، جن کو یہ نعمت میسر ہو ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو اس میں شریک یا مستفید کرسکنے کی صلاحیت اور سلیقہ بھی رکھتے ہوں۔ محترمہ سیدہ نسیم چشتی کے یہاں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔

مضموں کا انداز تحریر شگفتہ، باتیں ظرافت آمیز، واقعات اور مشاہدے روزمرّہ کے، کردار و اشخاص وہی اپنے گرد و پیش کے یا بالکل ہی جانے پہچانے۔ کمزوریوں کی گرفت برمحل مگر ان کے اظہار میں نہ تو تضحیک کا عنصر نظر آئے گا اور نہ تیر و نشتر کا استعمال۔ اسی طرح خواہ مخواہ کی پند و نصیحت سے بھی گریز کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طنز میں حلاوت اور مزاح میں لطافت و ادبیت محسوس ہوتی ہے۔ نمونے کے طور پر کتاب کا ایک چھوٹا سا مزاحیہ خاکہ ملاحظہ ہو:

داروغہ جی ——

گر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

سچ پوچھیے تو داروغہ جی نہ داروغہ ہیں نہ کوتوال، نہ ان کا پولیس کے عملے سے کہیں دور کا بھی تعلق ہے۔ پولیس سے تو درکنار ان کا تعلق تو تشدد اور جرائم کے کسی دور دراز کے محکمے سے بھی نہیں ہے۔ داروغگی کا پیشہ ان کی سوپشتوں سے اوپر بھی کسی نے کبھی نہیں کیا۔ وہ محض نام کے داروغہ ہیں مگر ہیں ایک معمولی سے مڈل اسکول میں ماسٹر۔ چوں کہ ماسٹری کا کام کرتے کرتے ان

کی عمر کا کافی حصہ گزر بھی چکا ہے لہٰذا مستقبل میں بھی ان کے داروغہ ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

داروغہ جی کو قدرت نے اس خیال سے بنایا ہی نہ تھا کہ وہ کبھی داروغہ بن سکیں۔ نہ ان کے تیور میں وہ کڑا پن تھا، نہ مونچھوں میں وہ گھن اور پھیلاؤ۔ نہ لہجے میں وہ رعب داب تھا، نہ آواز میں وہ کڑک تھی اور نہ بات چیت میں وہ جرح کا انداز۔ ہاں کھانے کا شوق البتہ وہی تھا۔ بریانی اور قورمے کی خوشبو ان پر جادو کا کام کرتی تھی اور ان کا چوکور چہرہ عجب طرح کی حسرت ناک امید و بیم سے چمک اٹھتا تھا۔

پھر ان کا یہ نام کس طرح پڑا؟ داروغہ جی کی وجہ تسمیہ کیا تھی؟ باوجود تحقیقات کے یہ آج تک کسی کو پورے طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ ہاں ان کے قصبے کی بڑی بوڑھیاں یہ ضرور بتاتی ہیں کہ بچپن میں ان کو "داروغہ، داروغہ" کھیلنے کا بے انتہا شوق تھا۔ وہ خود ماں کے دوپٹہ کی پگڑی باندھ کر ایک چوکی پر کھڑے ہوتے اور کئی لڑکوں کو قطار میں کھڑا کر کے اقبال جرم کراتے اور سزائیں تجویز کرتے۔ لیکن یہ کھیل عام طور پر ختم اس طرح ہوتا کہ خود داروغہ جی کو پکڑ کر سارے مجرم ان کی تجویز کی ہوئی سزائیں جی بھر کے دیتے اور پھر اس کھیل میں شریک ہونے پر وہ گھر جا کر بھی خوب پٹتے۔

پڑھائی کے معاملے میں داروغہ جی صرف بد شوق ہی نہ تھے، بے انتہا اڑیل بھی تھے۔ ہر درجے میں دو دو تین تین سال تک اٹکے رہے اور برسہا برس کی کوشش کے بعد دسویں کا امتحاں پاس کر پائے مگر امتحان پاس کرنے سے پہلا والا مشغلہ اب بھی جاری رہا۔ یعنی محلے بھر کی عورتوں کے خطوط پڑھنا اور ان کے جوابات لکھنا۔ کوئی اپنے بیٹے کو خط میں روپیہ نہ آنے کی شکایت لکھواتی تو کوئی اپنی ماں کو بڑے درد بھرے انداز میں سسرال والوں کے ستم کے حالات لکھنے کو کہتی اور پلو سے آنسو پونچھتی جاتی۔ کوئی نو عمر خاتون اپنے شوہر کو جدائی کے سخت لمحات کا حال لکھوانا چاہتیں اور داروغہ جی کا منہ دیکھ کر ہچکچا کر رہ جاتیں۔ لیکن داروغہ جی اب پختہ کار خط نویس ہو گئے تھے اور ہر قسم کے خطوط لکھنے میں انھیں بڑی مہارت ہو گئی تھی۔ وہ بڑے جانتی دار الفاظ میں بڑے موثر طریقہ پر خط لکھتے تھے اور اس کام کے لیے انھوں نے بہت سے اشعار بھی رٹ لیے تھے۔ ناولوں کے ذریعہ بھی لکھنے کا کچھ انداز سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ ان خطوط میں بڑی رنگین اور رومانی زبان لکھتے۔ اور کبھی القاب لکھنے سے پہلے کوئی پھڑکتا ہوا شعر بھی ٹانک دیتے تھے۔ عورتیں اور نئی شادی شدہ لڑکیاں اپنی طرف سے ایسے عالمانہ خط لکھے جانے پر داروغہ جی کے گول مٹول چہرے کو بڑی عقیدت کی نظروں سے دیکھنے لگتی تھیں۔

لیکن داروغہ جی اپنی اس ادبی دلچسپی کی بدولت بھی بڑے ہونے کے بعد تک پٹتے رہے۔ گھنٹوں تخت پر اوندھے لیٹ لیٹ کر، کئی کئی کاغذ سیاہ کرنے کے بعد جب وہ ایک خط تیار کرکے اٹھتے تو باورچی خانہ سے ان کی ماں چلا کر کہتیں۔

"ارے کم بخت - پہاڑ کا پہاڑ ہو گیا۔ ہر وقت عورتوں کے خط ہی لکھا کرتا ہے - نہ کام کا نہ کاج کا۔ ڈھائی سیر اناج کا - فیل ہوتا چلا جاتا ہے - شرم بھی تو نہیں آتی بڈھے طوطے کو ...."

داروغہ جی کا دل ماں کی لعن طعن سن کر بہت دکھتا۔ سب سے زیادہ غم ان کو "پہاڑ کا پہاڑ" کہے جانے پر ہوتا تھا، کیوں کہ سچی بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے - داروغہ جی جس عمر کو بھی پہنچے ہمیشہ اس سے دس سال بڑے لگے - اور دسویں جماعت پاس کرتے کرتے تو وہ واقعی صفر کی طرح گول ہو گئے۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ داروغہ جی کی جسامت کی مناسبت سے ہی کسی نے ان کا یہ نام رکھا ہوگا - اور یہ بات بھی چوں کہ بہت خدا لگتی تھی لہٰذا داروغہ جی بھی اس کو سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ لیکن خط پڑھنے اور لکھنے کا چسکا پڑ چکا تھا - یہ شوق چھٹا ہی گیا - اگر کسی کے گھر ان کو اس خدمت کے لیے نہ بلایا جاتا تو وہ بڑے فکرمند ہو جاتے اور اس گھر کے نجی اور خالص گھریلو حالات نہ معلوم ہونے سے اتنے پریشان ہو جاتے کہ کسی نہ کسی طرح چرا چھپا کر وہاں کے خط اڑا لاتے اور گھر لا کر پڑھتے -

خدا خدا کرکے جب داروغہ جی ہائی اسکول پاس ہو گئے تو سرٹیفکٹ ہاتھ میں لیکر دفتر دفتر گھومتے پھرے - آخر کئی سال کی انتھک کوشش کے بعد انھیں ایک مڈل اسکول میں ماسٹری مل گئی - داروغہ جی وہاں پہنچے تو شروع شروع میں ہیڈ ماسٹر، ماسٹر اور لڑکے سب ہی انھیں بڑی مشکوک نظروں سے دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ وہ داروغہ ہوتے ہوئے ماسٹر کیسے ہو گئے۔ جب وہ اپنے بھاری بھرکم بوٹوں کو گھسیٹتے ہوئے گزرتے تو اں کے بے پناہ قطر کو دیکھ کر بہت سے نحیف و زار ماسٹر اپنے مستقبل کی طرف سے بڑے فکرمند ہو جاتے - مگر آہستہ آہستہ کرکے یہ اندیشے ختم ہو گئے کیوں کہ داروغہ جی بڑے مسکین طبع اور بے ضرر انسان تھے - تشدد سے کوسوں دور بھاگتے تھے - اگر وہ لڑکوں میں بھی جھگڑا ہوتے دیکھتے تو چپ چاپ اچکن کے بٹن بند کرتے ہوئے نظر بچا کر دوسری طرف کا رخ کر لیتے - یہی نہیں وہ خاصے رحم دل بھی تھے اور ہر ایک کی مدد کو ہمیشہ تیار رہتے تھے، کئی غریب لڑکوں کی فیس وہ خود اپنی جیب سے ادا کرتے تھے لیکن داروغہ جی کبھی اس کا ذکر نہ کرتے نہ سنتے، بلکہ اگر کوئی لڑکا شکریہ ادا کرنا چاہتا تو ایک دم سے بگڑ پڑتے اور ڈپٹ کر کہتے :

"ابے جا جا، گھر جا کر پڑھ، کل سبق یاد کر کے نہ آیا تو مار مار کر مرغا بنا دوں گا"

لیکن اس عمر میں آکر بھی داروغہ جی کا بچپن والا مشغلہ جاری رہا۔ محلہ بھر کے ناخواندہ لوگوں کے خطوط لکھنا اور آئے ہوئے جوابات پڑھنا ان کے ذمے تھا۔ یہ شوق اگر شوق اور دلچسپی کی حد تک رہتا تو بھی ٹھیک تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خبط دیوانگی کی حدوں کو بھی پھلانگ گیا۔ وہ کہیں بھی جاتے ناممکن تھا کہ گھر بھر کے خطوط کسی نہ کسی طرح حاصل کرکے پڑھے بغیر واپس چلے آئیں۔ اس کام کے لیے چھوٹے بچوں اور ملازم لڑکوں کو رشوت دینے میں ان کی کافی تنخواہ نکل جاتی تھی۔ اس کوشش میں کئی بار وہ اپنے سارے رعب دار تیور اور جسم کے باوجود پٹتے پٹتے بھی بچے۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے ستم ہی کردیا۔ اپنے ایک عزیز کے گھر جاکر ٹھہرے۔ دوپہر کو جب یہ عزیز باہر کام پر چلے گئے تو داروغہ جی نے حسب عادت الماریاں، بکس، میز کی درازیں تلاش کرنا شروع کیں۔ رومانی خطوط سے ان کو شدید دلچسپی تھی۔ اتفاق سے ان عزیز کی نئی شادی شدہ بیوی میکے گئی ہوئی تھیں۔ ایک پڑھی لکھی فرقت زدہ دلہن کے خطوط کی چاشنی کا خیال کرکے داروغہ جی کے منہ میں پانی بھر آیا بھر آرہا تھا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر ایک صندوقچی ان کے ہاتھ لگی۔ دیوانہ وار کنجیاں لگانا شروع کیں۔ آخر اٹیچی کھل گئی اور اس میں سے بہت سے خطوط، کسی جائداد سے متعلق کاغذات اور ان عزیز کی بیوی کے بہت سے خطوط نکل آئے۔ جلدی جلدی سب کو پڑھ کر اور بہت سے اپنے مطلب کے جملے نقل کرکے اب جو صندوقچی بند کرنا چاہتے ہیں تو ایک تالا ٹوٹا ہوا! ہوش ہی تو گم ہوگئے! بھاگے بھاگے گئے۔ رکشا لائے۔ تولیے میں لپیٹ لپاٹ کر صندوقچی کو بازار لے گئے۔ تالا درست کراکے واپس آئے ہی تھے کہ صاحب خانہ کے آنے کی آواز زینے پر سنی۔ جلدی سے چیزیں جگہ پر رکھ کر چادر اوڑھ سوتے بن گئے۔ صاحب خانہ اندر آئے۔ کسی کاغذ کی تلاش میں۔ اٹیچی کھولی اور ایک دم سے بڑے زور سے گھبرا کر بولے:

"ارے؟ اس کا دوسرا تالا کیسے ٹھیک ہوگیا ...... وہ تو برسوں سے ٹوٹا ہوا تھا"

داروغہ جی سانس روکے ان عزیز کی دھمکیاں اور گالیاں سنتے رہے جو وہ اس بدمعاش کو دے رہے تھے جس نے ان کے سامان کو ہاتھ لگایا ہو۔ اور دوسرے دن صبح تک اسی طرح پڑے رہے۔

ایک اور واقعہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ان کو پیش آیا۔ ایک مرتبہ اپنی بیوی کے نام بڑا لمبا چوڑا خط لکھ کر داروغہ جی خراماں خراماں جارہے تھے کہ محلہ کی ایک بی بی نے ٹاٹ کے پردے کی آڑ سے ان کو آواز دے کر بلایا اور ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے اسے ڈاک میں ڈالنے کے لیے بڑی خوشامد سے درخواست کی۔ داروغہ جی نے خط لے لیا اور بجائے اسکول جانے کے گھوم کر گھر آگئے۔ خط نکال

کر پڑھا - بیچاری خاتون نے اپنے شوہر کو بڑی محنت سے خط لکھا تھا - اس میں کے بعض جملے داروغہ جی کو بڑے پسند آئے - جھٹ سے اپنا خط بھی کھول ڈالا اور وہ جملے لکھ ڈالے - اس کے بعد دونوں خط ڈاک میں ڈال آئے - لیکن اس محبت نامے کے جواب میں جب بیوی خود آپہنچیں اور کمر پہ ہاتھ رکھ کر داروغہ جی سے پوچھا کہ ان کی کس چڑیل سے خط وکتابت ہے تب داروغہ جی کی آنکھیں کھلیں - انھوں نے غلط لفافوں میں دونوں خط رکھ دیے تھے ! داروغہ جی کا جو حشر ہوا سو ہوا لیکن بیچاری بیوی نے کس طرح صفائی دی ہوگی ، یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے - ہاں ان کے گھر میں کچھ دن بعد تالا پڑا ضرور دکھائی دینے لگا -

لیکن ان خطرات میں پڑنے کے باوجود داروغہ جی کا یہ شوق آج تک قائم ہے ، اور آج بھی جہاں موقع ملتا ہے وہ گھر بھر کے خطوط پڑھ ڈالتے ہیں - مگر اس شوق نے انھیں ایک عجیب طاقت بھی دے دی ہے - ہر ایک کے گھر کے . . . . حالات سے وہ واقف رہتے ہیں - میاں بیوی کے جھگڑے ، ساس بہو کی بدمزگیاں ، آپس کی رنجشیں ، سب کی خبر ان کو رہتی ہے - لوگ ان کے اس علم پر حیران ہوتے ہیں لیکن اس کا ذریعہ کسی کو بھی نہیں معلوم - پھر بھی ان سے رائے لینے سب ہی آتے ہیں - کون کیا ہے ؟ کس کے پاس کتنا روپیہ ہے ؟ کس گھر میں لڑکی دینا ٹھیک ہوگا ؟ کس کی کس سے دوستی اور خط وکتابت ہے ؟ ان سب معاملات میں داروغہ جی کی رائے لی جاتی ہے - لوگ ان کے اس خداداد علم سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ہر طرح ان کی خاطریں کرتے ہیں - ان کو بڑی بڑی منتوں سے اپنے گھر بلاتے ہیں - مرغ پراٹھے کھلاتے ہیں - اور داروغہ جی جب ان کو بڑی صائب رائے دے کر لوٹتے ہیں تو خود ان کے خطوط پڑھ کر اپنی معلومات میں بہت اضافہ کر چکے ہوتے ہیں اور کسی دوسرے کو ان کے متعلق رائے دینے کو تیار ہوتے ہیں - یہی لمبا اور الجھا ہوا سلسلہ داروغہ جی کی دلچسپی کا واحد ذریعہ ہے اور اسی کے ذریعہ وہ ایسی ایسی خاطر مدارات کرا لیتے ہیں جو کسی اور صورت میں وہ خواب میں بھی نہ دیکھ سکتے -

"ویسے داروغہ جی بڑے اچھے آدمی ہیں اور لڑکے پڑھانا ان کا کام ہے"

اس کے علاوہ کتاب میں اور بہت سے چربے ، خاکے ، تبصرے اور مضمون ہیں جن میں تخیل نیرنگیاں شوہروں کی خصلتیں ، پڑوسیوں کی حرکتیں اور مطالبے - احباب اور مہمانوں کی بے حسی اور زیادتیاں اور بیویوں کی بے اندازہ مجبوریوں کی ظریفانہ انداز سے کامیاب ترجمانی یا عکاسیاں کی گئی ہیں - یا بعض قدروں کی ناقدریاں ، مفید اور بھولی بسری مگر کارآمد باتوں کو

یادیں، بڑے خلوص کے ساتھ تازہ کردی گئی ہیں -

پروفیسر احتشام حسین اور حبیب احمد صدیقی کی مستند اور معقول رائیں - اور ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کے وقیع اور جامع پیش لفظ سے تصنیف اور مصنف کی جملہ خوبیاں اور صلاحیتیں زیادہ واضح ہوجاتی ہے -

۲۰×۳۰/۱۶ سائز پر جدید آرٹ کے ایک اچھے نمونے کے سرورق کے ساتھ، کتاب بہت صاف ستھری اور سلیقے سے چھپی ہے، چار روپے اس کی قیمت ہے -

مکتبہ جامعہ لمٹیڈ - جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ اور اس کی تمام شاخوں سے مل سکتی ہے -

نئی مطبوعات

اردوئے قدیم دوم (ادب) مسعود حسن خاں شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد ۱۳/-

نئے نام (نظمیں) مرتبہ شمس الرحمٰن فاروقی، حامد حسین حامد شب خون کتاب گھر، الہ آباد ۴/-

گناہ (ناول) رئیس احمد جعفری نیو ادبی دنیا پبلشر، دھلی ۵/۵۰

اماوس کے بعد " عارف مارہروی پنجابی پستک بھنڈار، " ۶/۷۵

سانولی رات " گلشن نندہ " " " " ۴/۷۵

امر شہزادہ (تمثیلی ناول) باطش لدھیانوی جے ایس کھلہ، نئی دھلی ۵/-

کلیات میر اوّل (غزلیات) ظل عباس عباسی علمی مجلس دہلی ۲۰/-

دیوان مصحفی دوم نثار احمد فاروقی " " " ۶/۷۵

منزل (ناول) غلام محمد زیدی آزاد اردو بکس پبلیکشنز مالیگاں ۲/۵۰

زینت (") " " " " " ۲/۵۰

حدیث معرفت منتخب کلام مرتبہ عزیز وارثی مکتبہ ندائے اتحاد دہلی ۵/-

چاند کے ٹکڑے مقبول احمد سیوہاروی ندیم بکڈپو، سیوہارا ۱/-

عملیات اور جادو " " " " ۱/۲۵

جامِ نو

آرزو لکھنوی

۱۸۸۲ ——— 1951

سیّد انور حسین نام، آرزو تخلص، شاگرد و جانشین حضرت جلال لکھنوی، مولد لکھنؤ، مدفن کراچی۔ اسلاف میں سے ایک بزرگ سیف الدین خاں جو عام طور سے مرزا گل بیگ کے نام سے مشہور تھے، اجمیر سے لکھنؤ آکر آباد ہو گئے تھے، امارت اور شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اجدادی املاک، آرزو کے والد میر ذاکر حسین کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ آرزو کو بھی ترکے میں شعر و ادب ہی کی دولت ہاتھ لگی۔

پانچ برس کی عمر سے پڑھنے بٹھا دیے گئے تھے، تعلیم کی ابتدا، عربی فارسی کی ابتدائی کتابوں سے حکیم قاسم علی نے کرائی تکمیل مجتہد العصر مولانا سید آغا حسن سے کی۔ بارہ سال کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے، والد کے توسط سے جلال لکھنوی کے شاگرد ہوئے، چھے سال تک یختہ کار استاد کی نگرانی میں مشقِ سخن کی اور عروض اور فنِ شعر کے جملہ رموز سے بھی واقفیت بہم پہنچائی۔ مشاقی اور مہارت کا اندازہ کرکے استاد نے بعض شعرا کی غزلوں کو دیکھنے اور کلام پر اصلاح دینے کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت جلال کے انتقال کے بعد باقاعدہ اور متفقہ طور پر ان کے جانشین مقرر کر دیے گئے۔

آرزو، ایک خوش گو شاعر اور ماہرِ زبان داں کے علاوہ ایک بڑے ہی خوش اخلاق، خوش مزاج، ملنسار اور دوست دار آدمی تھے۔ اسی کے ساتھ انتہائی غیور، خود دار اور بے انتہا ذی مروت۔ دوسروں کی خاطر ہر طرح کا ایثار کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ مگر اپنی ضرورت کا اظہار کبھی کسی کے سامنے نہیں کیا۔ زندگی بھر تنگ دست رہے مگر نہ کسی امیر کے احسان مند ہوئے اور نہ کسی شاگرد کا سلوک پسند کیا۔ نہ کسی سرکار سے متوسل ہونے کی کوشش کی اور نہ کسی عزت مآب کی شان میں قصیدہ گوئی کی۔

لکھنؤ کے مقبول ترین شاعروں میں ان کا شمار رہا ہے۔ ہندوستان بھر میں ان کے کلام کو لطف کے ساتھ سُنا اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شاعروں کی چشمکیں مشہور ہیں۔ خود ان کے

وطن میں بہت سی ٹولیاں تھیں اور کئی ایک جتھے، آپس کے اختلافات آئے دن رونما ہوتے رہتے تھے، مگر یہ اپنی ذات سے سب کے خیر خواہ اور سب کے دوست۔ نہ کسی پارٹی کے رہنما، نہ کسی جھگڑے قضیے سے واسطہ اسی لیے سب ان کا احترام کرتے تھے۔

معاشی حالات سے مجبور ہو کر انھوں نے لکھنؤ چھوڑا اور کلکتے چلے گئے، میڈن تھیٹرز کے لیے گانے اور مکالمے لکھنے لگے، پھر ان کو بمبئی جانا پڑا، وہاں فلم والے ان سے گیت اور گانے لکھواتے تھے، اس کام میں بھی ان کی استادی کا رنگ برقرار اور زبان دانی کے جوہر نمایاں رہتے تھے۔ بمبئی کی زندگی بھی مالی اعتبار سے اطمینان بخش نہ ثابت ہوئی۔ مادی افکار کے علاوہ ضعیفی اور بیماریاں بھی ساتھ لگ گئیں۔ پاکستان سے ایک مشاعرے میں بلائے گئے تھے، قدر دانوں کی خواہش اور ایک شاگرد کے اصرار اور کوشش سے وہیں مقیم ہو گئے۔ وہاں بھی ذاتی اخراجات اور دوست و احباب کی خاطر تواضع کے سلسلے میں کسی کی مدد گوارہ نہ کی، غرض اسی پریشان حالی مگر شانِ بے نیازی اور استغنا کے عالم میں راہیٔ ملکِ بقا ہو گئے۔

اردو شاعری پر کئی حیثیتوں سے علامہ آرزو کا بڑا احسان ہے۔ زبان و بیان اور بحروں کے معاملے میں انھوں نے فارسی سے زیادہ ہندی کو اپنانے کی کوشش کی، تقلید اور مشکل پسندی کے بجائے تجدید، ترنم اور عام فہمی کا بہت خیال رکھا۔

کلامِ آرزو کے تین مجموعے ہیں۔ "فغانِ آرزو"، "جہانِ آرزو" اور "سُریلی بانسری"۔ تینوں مجموعے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے تھے۔ ان کی توجہ تمام تر غزل کی طرف رہی۔ پہلے دو مجموعوں میں بزرگوں کی روش اور ہم عصروں کے انداز کی شاعری ہے۔ "سُریلی بانسری" میں خالص اردو کے عنوان سے جو نیا تجربہ انھوں نے شروع کیا تھا اس کی بہت ہی کامیاب مثالیں اور نمونے موجود ہیں۔ اس کی خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی فارسی کا کوئی لفظ نہیں آیا ہے — اسی طرح مضامین اور معاملات کے نظم کرنے میں بھی ہندوستانی روایات اور یہاں کا رنگ و آہنگ نمایاں ہے۔

خوش نوائی، زبان دانی اور نئے تجربوں کی بنا پر، اردو شاعری کے نام لیوا اور لذت شناس، جناب آرزو کو اکثر یاد کرتے رہیں گے۔

انتخاب

دیا جب محبت نے انعام اپنا — ہوا آرزو دوسرا نام اپنا

بڑے مزے کے تھے الزام، اگرچہ جھوٹے تھے پھر آج ہاں کوئی ٹکڑا اسی فسانے کا

رسوائی مزید کا امکاں نہیں رہا ان دھجیوں کا نام گریباں نہیں رہا

رہنے دو تسلی تم اپنی، ہنگامہ چھیل چکے، دل ٹوٹ گیا اب ہاتھ ملے کیا ہوتا ہے جب ہاتھ سے ناوک چھوٹ گیا
آپس کی کشاکش کیا سہتا، نازک تھا تعلق الفت کا وہ مجھ سے کھنچے ہیں ان سے کھنچا، بس بیچ سے رشتہ ٹوٹ گیا

جس نے بجادی بانسری، گیت اسی کے گائے جا سانس جہاں تک آئے جائے، ایک ہی دھن بجائے جا
ہاں مری ڈبڈبائی آنکھ، دیکھ بندھی رہے یہ دھاک وہ بھی لگائے جائے آگ، تو بھی لگی بجھائے جا

میں چاہت جتلانے ہی اک چور ٹھہرا نگاہیں بدلتی ہیں، بہلا کے پہرا

جو روؤ تو ہنس دے، جو چپ ہو تو چھیڑے پڑا ہو گا، کاہے کو ایسے سے پالا

بجھے جی کا اگلا سا جلنا کہاں اب دھواں سا تو ہے لو نکلنا کہاں اب
للک ہو کسی کی تو ہوکیں بھی اٹھیں تڑپ کر وہ کروٹ بدلنا کہاں اب

ہاں جھلک جائے گی، نہیں میں بھی آنکھ سے آنکھ تو ملائیے آپ

مجھ سے وہ روٹھے ہیں یہ منہ تک نہ تھی آنے کی بات اس پہ بھی جیتا ہوں اب تک، ہے یہ مر جانے کی بات
آرزو چاہت ہے اک ندی، جدھر بھی بہہ چلے کچھ نہیں اچھا برا ہے، جی کے آجانے کی بات

جو سامنے اب تک آئے نہیں، کیوں دھیان میں آئے جاتے ہیں
آنکھوں سے ابھی تک اوجھل ہیں، اور جی میں سمائے جاتے ہیں

سب کی گتیں پلٹ گئیں، بنکیں بندھی ہوئی جائیں — جی ہی نہیں اُداس اُداس، کرتا ہے بن بھی سائیں سائیں
کوس کٹے تھے چاہ کے، دھوپ میں تیور آ گئے — ہم یہی سوچتے رہے، چھاؤں ملے تو بیٹھ جائیں

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہیں اشک تو بہنے دو — جس سے بڑھے بے چینی دل کی، ایسی تسلّی رہنے دو

کالی گھٹائیں کوندا لپکا رو کے جو کوئل کوک گئی — جتنی گہری سانس کھینچی تھی، اتنی لمبی ہوک گئی

ہو گئیں کیاریاں ہری، جیسے کہ رُت پلٹ چلی — کون یہ مسکرا دیا ہنسنے لگی کلی کلی
کھلنے کی آس میں یہاں ڈال گئے تھے اک کلی — رو کے اٹھا رہے ہیں آج پنکھڑیاں ملی دلی
چاہ کے ساتھ جی کی تھاہ پائی نہ لے اور نہ پا سکے — ایک ہے دوسرے کی آڑ، دونوں میں یوں گھلی ملی

اوّل شب وہ رونق محفل شمع بھی تھی پروانہ بھی — رات کے آخر ہوتے ہوتے ختم تھا یہ افسانہ بھی
ہاتھ سے کس نے ساغر پٹکا، موسم کی بے کیفی پر — اتنا برسا ٹوٹ کے پانی، ڈوب چلا میخانہ بھی
ایک لگی کے دو ہیں اثر اور دونوں حسبِ مراتب ہیں — لو جو لگائے شمع کھڑی ہے رقص میں ہے پروانہ بھی
حسن و عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ اُدھر سے ہوتی ہے — شمع کا شعلہ جب لہرایا، اُڑ کے چلا پروانہ بھی

ہوتا ہے خامشی سے بھی اظہارِ حالِ دل — خالق زباں دے کہ نہ دے اعتبار دے

بس ان آنکھوں کا ہے کہنے کو ذرا سا پانی — سیکڑوں ڈوب مرے، پھر بھی ہے اتنا پانی
دل سے لوکا جو اٹھا، آنکھ سے ٹپکا پانی — آگ سے آج نکلتے ہوئے دیکھا پانی
آنکھ سے بہہ نہیں سکتا ہے بھرم کا پانی — پھوٹ بھی جائے گا چھالا، تو نہ دے گا پانی
کس نے بھیگے ہوئے بالوں سے یہ جھٹکا پانی — جھوم کے آئی گھٹا، ٹوٹ کے برسا پانی

جوشِ جنوں میں وہ ترے وحشی کا چیخنا
بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کیے ہوئے

جائزے

شعلۂ جاوید

مصنف: موہن لال سنگھی
صفحات: ۸۰ = سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ غیر مجلّد
قیمت: تین روپے
ناشر: ادارۂ نیشنل فرنٹ - لدھیانہ (پنجاب)

جناب موہن لال سنگھی صاحب کی یہ اوّلیں تصنیف فن ڈرامہ سے متعلق ہے اس کے سوا بھی انھوں نے ضرور کچھ لکھا اور شائع کیا ہوگا لیکن نظر سے نہیں گزرا۔

شعلۂ جاوید تین مختصر ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ کتاب کے دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ ان ڈراموں کا پلاٹ مشہور زمانہ ادیب میکسم گورکی کے تین افسانوں سے لیا گیا ہے۔ جہاں تک دلچسپی اور اثر کا تعلق ہے یہ ڈرامے ان خوبیوں سے معمور ہیں۔ زبان اور اسلوب بھی خوب ہے۔ لیکن فنی اعتبار سے بہت کمزور ہیں کردار بھی دھندلی صورتیں رکھتے ہیں اور حقیقت ابنارمل ہوتے ہوئے جھجکتی ہوئی سی لگتی ہے۔ منظر نگاری کا انداز بھی ڈرامائی کم افسانوی اور خیالی زیادہ ہے اس لیے اسٹیج پر ان کو لانا اور حاضرین کو متاثر کرنا ذرا مشکل ہی نظر آتا ہے کتابت طباعت معمولی ہے قیمت گیٹ اپ اور ضخامت کو دیکھتے ہوئے بہت زیادہ ہے۔ پڑھنے میں بے شک اس سے دلچسپی لی جا سکتی ہے۔

تاجور سامری

شاہکار وحید

ترتیب: شبیب علی حسین
صفحات: ۹۶ = سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت: ایک روپیہ پچاس نئے پیسے
ناشر: گہرستان، دریبہ، جون پور

یہ ایک طویل مرثیہ ہے جو پہلی بار تین سو تئیس (۳۲۳) بندوں کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس سے پہلے ایک جگہ ۱۵۹ بندوں کے ساتھ اور دوسری جگہ ۱۸۶ بندوں کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ یہ ساض سے، جو جناب سیّد محمد محسن صاحب محسنؔ کی یادگار ہے لیا گیا ہے اور اس کی صحت میں

احتشام حسین صاحب نے بھی ہاتھ بٹایا ہے بلکہ ایک اچھا خاصہ مقدمہ بھی موصوف نے تحریر فرمایا ہے، انھوں نے اپنے مقدمے میں مرثیہ کی تاریخ اور مرثیہ کے ارتقا کے پس منظر میں وحید صاحب کو (سیّد محمد ہادی وحید، میر انیس کے بیٹے اور میر انیس کے بھتیجے) میر انیس کے انداز سخن کا وارث قرار دیا ہے اور ان کے مرثیوں کو اردو کے بہترین مرثیوں میں شمار کیے جانے کے قابل بتایا ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جبکہ وحید صاحب ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جس نے مرثیہ کو انتہائی کمال تک پہنچا دیا۔

یہ مرثیہ جناب زینبؓ کے فرزندوں کے بارے میں ہے، اور مرثیہ کی جملہ خصوصیات کا حامل ہے، بعض دوسرے پہلوؤں کی شمولیت نے اس کی دلکشی میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور ساقی نامہ، جنت کی تصویر کشی اور بعض دوسرے پہلوؤں میں مرثیت کی فضا پیدا کر دی ہے، پھر ان کے بیان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اسلامی کتابوں میں نہ پائی جاتی ہو،

حضرت زینبؓ اپنے بچوں کو جنگ کے لیے بھیجنے کی حضرت حسینؓ کی رضا پا کر ہدایت فرماتی ہیں:

آئیو مر کے جو ہو، عاشق کامل دیکھو — شفقت پرورش سرور عادل دیکھو
ہو نہ مادر کو ندامت کہیں حاصل دیکھو — تم کو ہاتھوں سے گنواتی ہوں مرا دل دیکھو
خوش ہوں میں اس میں کہ حضرت کی بلا لے کے مرو
غازیو! داد شجاعت کی مگر دے کے مرو

داد وہ کیجو کہ ہو دنگ سپاہِ دشمن — پہلواں آنکھ چرا جائیں رہے، وہ چتون
خوب ملحوظ رہے، اپنے بزرگوں کا چلن — توڑیو، رن میں صفوں کو صفتِ قلعہ شکن
نعرے وہ ہوں کہ جگردار دہل کر ہٹ جائیں
دشت میں خوف سے شیروں کے کلیجے پھٹ جائیں

زبان و بیان کی سارے مرثیے میں یہی کیفیت ہے، اور احتشام حسین صاحب کی بات کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ یہ اردو کے بہترین مرثیوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ظفر ادیب

یادِ اثر

مصنف: ڈاکٹر محمد اسلام
صفحات: ۱۴۰، سائز ۲۰x۳۰/۱۶ مجلد
قیمت: تین روپے
ناشر: مصنف، مطبع منزل، جوہری محلہ لکھنؤ۔

ڈاکٹر محمد اسلام صاحب کئی چھوٹی بڑی تحقیقی اور علمی کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔ اگرچہ ان کا نام تھوڑی ہی مدت ہوئی، عالم ادب میں ابھرا ہے لیکن اپنے اچھے کام کی وجہ سے شہرت اور قبولیت سے مزین ہو گیا ہے۔ زیر مطالعہ کتاب "یادِ اثر" ایک نئے طرز کی اچھی اور مؤثر کتاب ہے، اگرچہ ضخامت کم ہے۔ کتابت اور ترتیب اچھی نہیں۔ لیکن موضوع اور خوبی کے اعتبار سے دلچسپ اور بڑے کام کی چیز ہے۔ جیسے کہ نام سے ظاہر ہے موضوع اس کا جناب مرزا اثر لکھنوی کی ذاتِ گرامی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلام صاحب نے اُن سے اپنی مسلسل ملاقاتوں اور اُن کی باتوں اور بیانات کو نوٹ کر کے جوں کا توں کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ بلاشبہ اس سے اثر مرحوم کے متعلق کتاب لکھنے والے کو بہت معقول مدد ملے گی ڈاکٹر صاحب نے کہیں کہیں حاشیے یا نوٹ بھی دیے ہیں اور وہ بھی اس موقع پر جہاں ان کو اثر صاحب کے کسی بیان یا موضوعِ گفتگو سے اختلاف ظاہر کرنا مقصود تھا ان ملاقاتوں اور بیانات سے نہ صرف اثر لکھنوی کی شخصیت، مزاج، عقیدہ، علمیت اور کاموں کے متعلق پڑھنے والے کو واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ لکھنؤ کی پرانی تہذیب کے اثرات اور جاگیردارانہ رکھ رکھاؤ کا پتا بھی چلتا ہے جو اب محض ایک دھندلی سی بن کر رہ گیا ہے۔ یہی نہیں حال کی کئی علمی و ادبی شخصیتوں کے روپ بھی نظر آتے ہیں، اگرچہ واضح کم ہیں۔

"یادِ اثر" میں اثر صاحب کے کلام اور منتخب اشعار بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ اس سے کتاب کی دلکشی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب لکھ کر یا مرتب کر کے اردو ادب میں ایک بالکل نیا رنگ تصنیف و تالیف پیش کیا ہے۔ ان کی تحریر میں خشکی اور بے اثری قطعی نہیں ہے ہاں کہیں کہیں زبان کی خامیاں نظر آتی ہیں۔ جیسے، آیئے صاحب کی جگہ آئیں صاحب۔ "آئیں" تو اگر کے ساتھ آ سکتا ہے، یعنی اگر ہم کسی سے کہیں۔ اگر آپ آئیں یا تشریف لائیں تو میری عزت بڑھے گی۔ خیر—— سچائی تو یہ ہے کہ اس معمولی سی کمی کے سوا اس کتاب کی تحریر میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ اس لیے اہلِ ذوق سے "یادِ اثر" کے مطالعہ کی سفارش صدقِ دل سے کی جاتی ہے۔

تاجور سامری

داد کی بیداد

مصنف: عبدالمجیب سہالوی
صفحات: ۱۹۲ = سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت: ۲ روپے ۲۵ پیسے
ناشر: نسیم بکڈپو۔ لکھنؤ
سنہ اشاعت: سنہ ۱۹۶۶ء

اخبار قومی آواز لکھنؤ کے سہالوی صاحب، ہمارے ایک مشہور صحافی ہیں۔ صحافت میں نہ صرف عجلت کو دخل ہے بلکہ یہاں تخلیقی کاوش بھی، روزانہ کے کاروبار کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے صحافیوں کی نگارشات میں ادبی استقامت کی علامات عموماً کم پائی جاتی ہیں۔ اُن کی توجہ بالکل ہنگامی موضوعات پر رہا کرتی ہے اور زبان کا کوئی دھیان نہیں رکھا جاتا ہے۔ تحریر، قلم برداشتہ اور دل برداشتہ دونوں ہی ہوتی ہے۔ لیکن "داد کی بیداد" کے مصنف کی تصویر، اس عام تصور سے مختلف نظر آتی ہے۔ اس مجموعے میں ۲۱ مضامین شامل ہیں۔ جن کا مواد نچلے متوسط طبقے کی عام زندگی سے حاصل کیا گیا ہے جیسے "ملاوٹ کی مصیبت" "نوکر کا چکر" "عید کی تیاری" "کثرت اولاد" "براہِ سردی کا" "نیا لحاف جو سِل نہ سکا"۔ یہاں طنز و مزاح کی چاشنی کے ساتھ ساتھ صاف ستھری منجھی ہوئی زبان ملتی ہے اور صحافت میں لیاقت، لیاقت میں شرافت کا تال میل نظر آتا ہے۔ مضمون نگار کی نظر حقائق پر رہی ہے اور اُس نے مشاہدات کو خوش دلی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تیر کے تو ضرور لگائے ہیں لیکن نہ لعن طعن ہے اور نہ مواعظ حسنہ، والی کوئی بات۔ ذرا "ولیج بیرسٹر" مضمون کے یہ چند ابتدائی جملے ملاحظہ ہوں:

> "آپ سے ملیے! آپ ہیں ولیج بیرسٹر عرف دیہاتی لیڈر۔ دیہات میں پیدا ہوئے۔ شہر کی خاک چھانی، مکان دیہات میں قیام شہر میں، ایک پیر یہاں، ایک پیر وہاں، یعنی مقدمہ کی پیروی اور گاؤں کی لیڈری کے چکر میں نہ گھر کے نہ گھاٹ کے۔"

اس بات سے انکار تو نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مضامین، صحافت کی چھاپ نہیں رکھتے ہیں۔ ان میں جگہ بہ جگہ بیان کا سپاٹ پن بھی نظر آتا ہے اور بات کا سطحی پن بھی۔ مثلاً کاتب کی کرشمہ سازی، پورا مضمون ہی یوں ہی سا ہے۔ تاہم مجموعی طور پر یہ مجموعہ مضامین، ان محاسن کی نمود لیے ہوئے ہے

جن سے ادب تشکیل پاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک عام قاری کو اپنی زندگی کی رنگ برنگی پرچھائیاں دیکھ کر کچھ اور لطف آئے گا۔ بہرحال "دادکی بیداد" ہماری یا آپ کی یا زمانے کی، کسی کی بھی "بیداد" کی روئیداد کیوں نہ ہو، سہاوی صاحب نے اسے داد کا مستحق ضرور بنا دیا ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

کالے کاغذ کی نظمیں

مصنف: باقر مہدی

صفحات: ۱۲۸ = سائز ۱۸×۲۲/۸ مجلد

قیمت: ۵۰/-

ناشر: گوشۂ ادب، ۲۱۰- اوکیڈیا بلڈنگ بمبئی

باقر مہدی صاحب ایک اچھے اور خوش گو شاعر ہیں اور آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ زیر نظر مجموعہ کلام ان کے پہلے رنگ کلام سے بہت مختلف ہے۔ انھوں نے پابند نظمیں اور غزلیں اس سے پہلے خوب کہی ہیں۔ یہاں ان کے کلام کا ذکر نظریاتی اعتبار سے نہیں فنی نقطۂ نظر سے ہے۔ اس مجموعے میں غزلیں تو صرف آٹھ ہیں اور ان میں ضرور کچھ بات بھی ہے اگرچہ زبان کی معمولی کمزوریاں ان میں بھی کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ جیسے

ع کیوں حوایات کا جویا ہی پیاسا ٹھہرا

اس مصرعے میں پیاسا (بروزن پاسا) کو پیاسا باندھا گیا ہے۔ نظمیں سب کی سب آزاد شاعری کے شاہکار نہیں۔ ایک آدھ نظم کو تو وزن سے بھی آزاد رکھا گیا ہے بلکہ ساری نظمیں آزاد ہی ہیں۔ موضوع اور مقصد کہیں کہیں اچھا لگتا ہے لیکن عام طور سے آزاد شاعری ہی کا ہر جگہ بول بالا ہے۔ کئی نظمیں بیرونی شعراء کے ترجمے ہیں۔ موضوع اور فن یہاں بھی مجروح ہے۔ خود باقر مہدی صاحب جدھر جا رہے ہیں یہ مجموعہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بہرحال یہ کتاب اس لائق ضرور ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

تاجور سامری

گفت و شنید

مصنف : ظفر ادیب
صفحات : ۲۱۲ ، سائز ${۲۰ \times ۲۸}/{۱۶}$ مجلد
قیمت : ۶/-
ناشر : قصر ادب ، اردو بازار ، دہلی

"گفت و شنید" ظفر ادیب کے چند تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے ، جو انھوں نے عہد حاضر کے کچھ ادیبوں اور شاعروں پر لکھے ہیں - ظفر ادیب جانے پہچانے ادیب ہیں - اُن کا ادب سے گہرا تعلق رہا ہے اور اس سے زیادہ ادیبوں سے ، جس کی جھلک اُن کے بعض مضامین میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے - اس تعلق کی بنا پر انھوں نے شخصیت کی مدد سے ، اُن کی تخلیقات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے - ان شخصیتوں کا انتخاب انھوں نے بڑے بے لوث طریقے سے کیا ہے - اسی لیے اس میں بعض نام ایسے بھی نظر آئیں گے ، جن کو دیکھ کر آپ شاید چونک پڑیں اور اگر آپ ظفر ادیب کی رایوں سے اتفاق کرنے لگیں تو پھر اُن کے کاموں کو کارنامے سمجھنے میں آپ کو تکلف بھی نہ ہوگا - اس لیے کہ ان میں بعض ایسے ہیں کہ انھیں جو کچھ کرنا تھا کیا اور بزم سے اجازت چاہی اور جو کیا بھی تو "کاتا اور لے دوڑی" کے مصداق تھا - بعض نام ایسے بھی نظر آتے ہیں ، جو ابھی بزم میں نئے ہیں اور ابھی عمر کے اس حصّے میں نہیں پہنچے ، جہاں شکل کو قیام اور خیالات میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے - اور ابھی ذہنی ارتقا کے دور سے گزر رہے ہیں - اس لیے ان کے خیالات کا تجزیہ قبل از وقت بھی ہے -

ظفر ادیب نے "سخن ہائے گفتنی" میں اپنے تنقیدی نظریے کا تجزیہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے :

> "تنقید فن ہے ، حُسن کو مجروح کرنے کا نہیں ، بلکہ حسین پہلوؤں کو اُبھارنے کا — چونکہ حسین پہلوؤں کے حُسن کو نمایاں دکھانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان غیر حسین پہلوؤں کو بھی ، اگر وہ ہوں ، سامنے لایا جائے "
>
> "جارحانہ پرکھ کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ یا تو مداح سرائی کی جائے یا ہجو نوائی پہ اُتر آیا جائے "

"گفت و شنید" میں ۱۴ مضامین ہیں - ان میں کیفی ، احسان دانش ، قرۃ العین حیدر ، اور راجندر سنگھ بیدی سے متعلق مضامین قابلِ ذکر ہیں -

گفت و شنید کے پڑھنے کے بعد یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ ظفر ادیب کا اپنا انداز بیان ہے۔ کہیں کہیں یہ انداز بیان کھٹکتا بھی ہے۔ مثلاً

"اس یقین سے میں ممتاز شیریں کو ایک ممتاز ناقدہ اور بلند صاحبِ نظر کہتا ہوں۔ جس یقین سے میں قرۃ العین کو ایک ممتاز ناول نگارہ بلکہ اس دور کی بہترین ناول نگار تسلیم کرتا ہوں۔"

"ممتاز شیریں کے یہاں بڑی تعداد میں افسانوں کی موجودگی کے باوصف تنقید نے سر اٹھایا ہے اور اسے خاصی ناقدہ بنا دیا ہے۔"

"اس کی کمی کے سب قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں "سرزمین ہند کی امرت میں بسی ہوئی روح" کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

موضوع کے انتخاب کے سلسلے میں ظفر ادیب نے لکھا ہے:

"میں نے ان مضامین میں کوئی ان کہی نہیں کہی ہے۔ جو میں نے دیکھا، جو میں نے سمجھا، اور جو میں نے محسوس کیا، وہی کہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ کہیں کوئی تعصب آڑے نہیں آیا ہے کہیں کوئی بناوٹ دامن گیر نہیں ہوئی اور کہیں کوئی رسم یا رواج نہیں ہے۔"

زبان و بیاں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو بعض باتیں بے حد خیال انگیز ہیں اور روایتی طور و طریق سے ہٹی ہوئی ہیں ـــــ اقتباسات کی کثرت نے کتاب کو مفید اور دلچسپ بھی بنا دیا ہے۔ جو لوگ آج کے ادیبوں سے دلچسپی رکھتے ہیں انھیں اس کتاب میں کافی مواد مل سکتا ہے۔

اطہر پرویز

ماہنامہ امام مدراس کی نظر میں

سالنامہ "پیام تعلیم"

سالنامہ "پیام تعلیم" مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر، دہلی ۲۵ صفحات ۱۸۲ قیمت ۲ روپے (سالانہ چندہ چھ روپے) ماہنامہ پیام تعلیم کے سالنامہ ۱۹۶۸ء کا ہم نے فرصتاً قسط وار مطالعہ کیا اس

کو بیحد دلچسپ پایا۔ یہ سال نو اور عید الفطر کا سنوگ ہے۔ "پیام تعلیم کا حصّہ" پیام تعلیم ہے، نظم و نثر کا بڑی خوبی سے انتخاب کیا گیا ہے۔ واقعی یہ سالنامہ زبان اردو کے اس دور کس مپرسی میں متعلمین کے لیے بیحد مفید ثابت ہوگا، ہر نظم ستھری، ہر افسانہ دلچسپ غرض کہ ہر مضمون اپنی نظیر آپ ہے۔ حصّۂ نظم اخلاقی و درسیاتی بھی ہے، اصلاحی اور معلوماتی بھی۔ حصّۂ نثر میں تاریخی جھلکیاں سونے پر سہاگہ ہیں۔ کتابت اور طباعت کے کیا کہنے۔ ٹائٹل رسالے سے نکال کر فریم میں لگوانے کے قابل۔ اتنی خوبیوں اور ضخامت کے مدنظر اس کی قیمت دو روپیہ کوئی چیز نہیں۔

ہم ان بچوں کے والدین کو جنھیں اردو کی ذرا بھی سوجھ بوجھ ہے، یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے نونہالوں کے لیے دس بیس روپے کا کھلونا خرید کر نہ دیں بلکہ سالنامہ "پیام تعلیم" دیدیں بلکہ چھ روپے کے سالانہ خریدار بن جائیں۔ ہمارا دعوی ہے کہ بچہ کھلونوں سے زیادہ یہ سالنامہ پا کر خوش ہوگا۔ اور سال بھر نہ معلوم تعلیم جاری رہے گی۔

دائرے میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ ‏ ‏ سے آپ کی مدت خریداری ختم ہو جاتی ہے۔

◯

ہمیں امید ہے کہ آپ "کتاب نما" کی سرپرستی جاری رکھیں گے اور مبلغ دو روپے سالانہ زرچندہ بذریعہ منی آرڈر ۱۵ر مارچ تک بھیج دیں تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔ آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو ہم سمجھیں گے کہ "کتاب نما" آپ کی سرپرستی سے محروم ہو گیا اور مجبوراً پرچہ بند کر دیا جائے گا۔
منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے گا۔ آپ کا خریداری نمبر ـــــ ہے۔

(منیجر)

پاکستانی مطبوعات

مندرجہ ذیل کتابیں اسٹاک میں ایک ایک یا دو دو کی تعداد میں موجود ہیں۔ اس لیے جن حضرات کا آرڈر ہمیں پہلے ملے گا انھیں کو روانہ کی جائیں گی نیز کسی تعلیمی یا تجارتی ادارے کو کوئی کمیشن نہیں دیا جائے گا۔

کتاب	مصنف	قیمت
انتخاب خطوط غالب	مرتبہ عبادت بریلوی	۴/۰
آرائش محفل	میر شیر علی افسوس	۴/۸
اخلاق ہندی	میر بہادر علی حسینی	۵/۰
نثر انجمن آرا	مرزا رسوا	۶/۵۰
اقبال اور جمالیات	نصیر احمد ناصر	۲۶/۲۵
اسلام اور سائنس	محمد رفیع الدین	۲/۵۰
اسلام مشرق میں	مولانا وحید احمد	۴/۵۰
اسلام اور عدل و احسان	رئیس احمد جعفری	۴/۵۰
اسلامی معاشرہ	ضیاء الدین کرمانی	۱/۷۵
ادب اور تنقید	ڈاکٹر سید شاہ علی	۵/۵۰
اخلاقیات	سی اے قادر	۵/۰
انسان کی زندگی	انڈرہل	۱/۵۰
اسلام کیسے شروع ہوا	عبدالماجد سندھی	۲/۰
آتش سیال	عارف	۲/۰
افضلیت شیخین	شاہ عبدالعزیز	۱/۰
آداب زندگی	محمد اقبال سلمان	۵/۰
انوار الصفا	محمد صدیق حسین صابری	۴/۵۰
اعجاز حدیث	محمد صادق سیالکوٹی	۳/۵۰
انتخاب نثر اردو	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۳/۵۰
اصول فقہ اسلام	سر عبدالرحیم	۱۰/۰
انوار اقبال	مرتبہ بشیر احمد ڈار	۱۵/۰
التکشیف	مولانا اشرف علی تھانوی	۱۵/۰
آیات بینات کامل	سید محمد مہدی علی خان	۱۸/۰
احکام سلطانیہ	علامہ ابوالحسن ماوردی	۴/۰
اسلام کا نظریۂ جنگ	مولانا ابوالکلام آزاد	۲/۲۵
اقبال اور عشق رسالت مآب	سید محمد عبدالرشید فاضل	۵/۰
اقبال کے تعلیمی نظریات	محمد احمد صدیقی	۱۰/۰
ارتقائے انسانی	سید طفیل احمد منگلوری	۲/۰
اردو تنقید نگاری	سردار مسیح گل	۵/۷۵
اسلامی مذاہب	ابوزہرہ مصری	۱۰/
اس بازار میں	ثاقب	۲/۵۰
اجالے سے پہلے	ابراہیم جلیس	۳/۰
افکار پریشاں	خلیل جبران	۲/۲۵
اضافیت	ڈاکٹر رضی الدین صدیقی	۳/۰
اجتہادی مسائل	شاہ محمد جعفر پھلواری	۳/۵۰
اسلام کا نظریۂ حیات	خلیفہ عبدالحکیم	۱۰/۰
اسلام اور فطرت	شاہ محمد جعفر پھلواری	۳/۲۵
اصول و اساس تعلیم	ترجمہ محمد حسین خان نسیری	۸/۰
احکام رب ذو الجلال	خان محمد ربانی	۱/۲۵
انتخاب مکتوبات	امام ربانی قدس سرہ	۳/۰

کتاب	مصنف	قیمت
انتخاب افادات مہدی	افادات مہدی	۱/۰
اور مصر ہنستا رہا	قیصر سلطانہ ذکی	۴/۰
آثار امام شافعیؒ	محمد ابوزہرہ	۱۵/۰
اسلامی معاشیات	مناظر احسن گیلانی	۱۵/۰
آثار امام محمد و امام ابو یوسف	ترجمہ۔ رئیس احمد جعفری	۱۵/۰
انگلش اردو ڈکشنری	فیروز سنز	۱۲/۰
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد عرف معتمد خاں	۴/۷۵
انسان کامل	سید عبدالکریم	۱۲/۰
الادب المفرد	محدث اعظم امام بخاری	۱۲/۰
اسلامی حقوق و فرائض	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۳/۰
امام ابوحنیفہ	محمد ابوزہرہ	۱۵/۰
البرامکہ	مولانا عبدالرزاق کانپوری	۱۵/۰
امام مالک	محمد ابوزہرہ	۱۲/۰
الفتح الربانی	مولوی ثناء اللہ ندوی	۱۵/۰
ازالۃ الخفا کامل	شاہ ولی اللہ رح	۲۴/۰
اصول اخلاقیات	جارج ایڈورڈ مور	۸/۰
اقبال اور حیدرآباد	نظر حیدرآبادی	۷/۵۰
اسلام اور رواداری کامل	رئیس احمد جعفری	۱۶/۷۵
اتفاقات جو عظیم طبی کارنامے بن گئے	روڈ ائر وا ایکس	۷/۰
الحکمۃ فی مخلوقات اللہ	امام غزالی رح	۳/۲۵
اُردوئے مصنفا	مولوی عبدالحق	۷/۵۰
اساس عربی	محمد نعیم الرحمٰن	۴/۰
۱۸۵۷ء کے مجاہد	غلام رسول مہر	۶/۰
اولیائے لاہور	محمد لطیف ملک	۴/۰
الیکٹرک انجینیر	محمد سعید	۵/۰
اولیائے ملتان	سید محمد اولاد علی گیلانی	۴/۰
اصطلاحات جغرافیہ	ابرار حسین قادری	۱/۰

کتاب	مصنف	قیمت
اسلام کا معاشی نظریہ	محمد مظہر الدین صدیقی	۴/۰
ابتدائی حیوانیات	محمد احمد حامی	۴/۲۵
اردو بہ حیثیت ذریعہ تعلیم سائنس	ڈاکٹر عبدالحق	۲/۰
ابوریحان البیرونی	ادارۂ تصنیف و تالیف	۱۰/۰
اقتصادی ترقی کا منظر و پس منظر	پروفیسر جان کینتھ	۵/۰
افعال مرکبہ	تمنا عمادی	۳/۰
انوار صوفیہ	شیخ عبدالحق محدثؒ	۱۰/۰
ایٹم اور ایٹمی توانائی		۲/۵۰
اڈل مشین		۲/۰
الکلام	مولانا شبلی نعمانی	۵/۰
اسلامی تہذیب	سید مرتضیٰ جعفری	۴/۵۰
الٹ پھیر	شوکت تھانوی	۳/۰
اسلامی زندگی	اختر اللہ خاں عزیز	۲/۵۰
اردو کی عشقیہ شاعری	فراق گورکھپوری	۲/۲۵
اسلامی نظام زندگی	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۷/۵۰
امام غزالی کے تعلیمی نظریات	انوار الحسن	۳/۰
اسلام اور دور جدید	محمد حسین	۲/۵۰
اردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۳/۵۰
آنکھ مچولی	رضیہ وقیع	۱/۰
اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ	مولوی عبدالحق	۱/۰
اسلام اور انسانی قانون	عبدالقادر	۲/۲۵
ایکس ریز		۱/۵۰
ابن الوقت	ڈپٹی نذیر احمد	۲/۵۰
آپ کا حافظہ	جیمز ڈی وائلیڈ	۵/۰
آندھیاں	خلیل جبران	۲/۵۰

انتخاب الہلال	مولانا ابوالکلام آزاد	۵/۵۰
ابتدائی فن تدریس	مفتاح الدین ظفر	۶/۰
آب حیات کا تنقیدی تحقیقی مطالعہ	سید سجاد	۵/۰
ادب و آگہی	مجتبیٰ حسین	۸/۰
ارمنی دیوتا	خلیل جبران	۲/۰
اپنے دیس میں	فہمیدہ اختر	۴/۵۰
انجمن	مہر نگار مسرور	۲/۵۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	عبدالواحد سندھی	۳/۷۵
ادبی جائزے	غلام مصطفیٰ خاں	۵/۵۰
الف لیلیٰ کا تنقیدی جائزہ	قاضی احمد میاں	۸/۲۵
احسن الفتاویٰ	رشید احمد لدھیانوی	۱۲/۰
آئینہ حقیقت نما	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	۱۲/۰
اسلام کا نظام اراضی	مولانا مفتی محمد شفیع	۷/۵۰
الدر المنضود	قطب ربانی شیخ عبدالوہاب	۷/۵۰
الوحی المحمدی	سید محمد رشید رضا	۷/۵۰
بریلی کا نیا دین	ریحان الدین قاسمی	۱/۵۰
بیان حال	وقار انبالوی	۳/۰
بادشاہ بیگم اودھ	محمود احمد عباسی	۳/۵۰
بچوں کی نفسیات	ڈاکٹر عبدالرؤف	۴/۰
بچوں میں جرائم پسندی	شیلڈن	۵/۰
بستان	خلیل جبران	۳/۰
بہترین نظمیں	مرتبہ: قیوم نظر	۳/۰
بھولی بسری کہانیاں	ابن حنیف	۵/۰
بائیذ ریستن	ایڈتھ وارٹن	۵/۰
بہترین نظمیں	۱۹۴۶ء	۱/۵۰
بنی آدم	سٹوارٹ چیس	۱۲/۰
برگ خزاں	عبدالعزیز خالد	۶/۵۰
برق و مقناطیس	پروفیسر حمید عسکری	۱۲/۰
بہار دانش	مرزا جان طپش	۴/۰
بہارستان ناز	مظہر علی خاں	۵/۵۰
بیتال پچیسی	" "	۵/۰
باغ اردو	میر شیر علی افسوس	۶/۰
بچہ پانچ سال سے دس سال تک	ڈاکٹر آرنلڈ گیسل	۱۸/۰
بستان العارفین	امام ابوزکریا محی الدین	۴/۵۰
بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۶/۵۰
بلوغ المرام	کبیر محدث	۸/۵۰
بشر ہے کیا کہنے	سید عابد علی عابد	۷/۰
باقیات فانی	فانی بدایونی	۲/۵۰
بھیڑوں کی پرورش	شیخ ممتاز حسین	۴/۰
بہار آرزو	نسیم چغتائی	۳/۵۰
بیاض	سلیم احمد	۴/۵۰
پروفیسر	منیر کاشانی	۳/۵۰
پکار	اسعد گیلانی	۲/۰
پیش رو	خلیل جبران	۲/۵۰
پرچھائیں	" "	۲/۵۰
پاپولر انگلش اردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۷/۰
پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر	ہیلن نیرس	۷/۰
پرواز کی کہانی	مسلم ضیائی	۲/۰
پھول کا گناہ	اختر لدھیانوی	۱/۷۵
پُراسرار کائنات	مسٹر جیمس جینس	۷/۰
تعارف سیاسی نظریے	سی، اے، ایم، جوڈ	۳/۰
تفسیر حقانی کامل (۸) حصے	مولانا حقانی	۵۵/۰
تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	۱۲/۰

کتاب	مصنف	قیمت
تقلید و اجتہاد	اشرف علی تھانوی رح	۱/۷۵
تابناک زندگی	ڈاکٹر نپولین ہل	۵/۵۰
تحقیق و تنقید	فرمان فتحپوری	۴/۵۰
تابوت ساز	الیگزنڈر الشکن	۲/۵۰
تیسر حیات کامل	رخشندہ کوکب	۳/۰
تین شاعر	ڈاکٹر زور	۴/۵۰
ترنم	زبیدہ خاتون	۸/۰
تنقیدی نقوش	ڈاکٹر عبدالقیوم	۴/۰
تاریخ عہد بنی امیہ	ابوالحسن علی بن الحسین	۶/۷۵
تذکرہ اولیائے لاہور	محمد وارث کامل	۶/۰
تعلیمی نفسیات	عبدالحئی	۱۳/۵۰
تاریخ تمدن اسلام	جرجی زیدان	۸/۷۵
تاریخ جاہلیت اول	نصیر احمد ناصر	۱۷/۰
تحفۃ العوام	نائب حسن نقوی	۳/۵۰
تذکرہ خواجہ گیسو دراز رح	اقبال الدین احمد	۴/۰
تنقیدات طٰہٰ حسین	عبدالصمد صارم	۵/۵۰
ترجمان القرآن کامل	مولانا آزاد	۳۵/۰
تلخیص الاردو	سید ہاشمی فرید آبادی	۶/۵۰
تعلیمات غزالی	محمد حنیف ندوی	۱۴/۰
تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ	ڈاکٹر احمد شلبی	۸/۰
تزک بابری	بابر	۱۲/۰
تاریخ ادب اردو (مصور)	رام بابو سکسینہ	۱۸/۰
تنقیدی تجربے	عبادت بریلوی	۱۲/۰
تاریخ فاطمین مصر مکمل	ڈاکٹر زاہد علی	۱۸/۷۵
تاریخ فقہ اُردو	شیخ محمد خضری بک	۹/۰
تحقیق الجہاد	مولوی چراغ علی	۱۴/۰
تاریخ غرناطہ کامل	ترجمہ سید احمد اللہ ندوی	۲۴/۰
تاریخ فلاسفۃ الاسلام	محمد لطفی جمعہ	۹/۷۵

کتاب	مصنف	قیمت
تجدید تعلیم و تبلیغ	مولانا عبدالباری	۶/۷۵
تجدید معاشیات	"	۹/۹۰
تجدید دین کامل	"	۹/۹۰
تاریخ اندلس	عبدالقوی ضیاء	۱۷/۵۰
توتا کہانی	حیدر بخش حیدری	۴/۵۰
تاریخ شام	فلپ۔ کے۔ حتی	۲۵/۰
تاریخ ابن خلدون کامل	حکیم احمد حسین عثمانی	۹۲/۹۰
ترمذی شریف (جامع) کامل	ترمذی	۳۵/۰
ترمذی شریف کامل	"	۱۸/۰
تاریخ فیروز شاہی	سراج عفیف	۸/۵۰
تخلیق کائنات	ابن حنیف	۶/۵۰
تاریخ حریت اسلام	منشی محمد دین	۶/۷۵
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲/۰
تکلیف و اذیت	رئیس احمد جعفری	۳/۵۰
تہذیب کے تازیانے	سدرشن	۳/۵۰
تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ	پروفیسر جے۔ ایس۔ راس	۴/۵۰
تجزیہ کلام غالب	سید رفیع الدین بلخی	۶/۵۰
تنقیدی اصول اور نظریے	حامد اللہ افسر	۴/۰
تنقید اور تجربہ	جمیل جالبی	۱۰/۰
تغلق	رئیس احمد جعفری	۸/۰
تذکرہ صابر کلیری	سید علاء الدین علی احمد صابر	۳/۰
تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۲/۰
تعلیم و تعلم	سید الطاف علی بریلوی	۸/۰
ٹیکنیکل کورس	مرتبہ حیدر رضا دمی	۳/۰
ثانوی مدارس میں دستکاری کی تعلیم	یونیسکو	۳/۵۰
ثقافت و انتشار	ترجمہ انعام عظیم برنی	۶/۵۰

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
جگر اور ان کی شاعری	مرتبہ انور جاوید	۱۸/۰
جشن فرہاد	شاہدہ وحید	۳/۰
جنوبی ہند اور اسلام	سید تقضار احمد	۳/۵۰
جگر لخت لخت	بشیر محمد اختر	۲/۵۰
جماعت اسلامی اور اسلامی دستور	محمد سرور	۵/۰
جان کنیڈی	جیمز ایم برنز	۲/۰
جینے کے طریقے	تمکین کاظمی	۴/۵۰
جام سرشار	رتن ناتھ سرشار	۱۰/۰
جمال آگہی	اختر انصاری	۴/۰
جدید نظمیں	خاطر غزنوی	۳/۵۰
جہاں آرا بیگم	ضیاء الدین احمد برنی	۳/۰
جزیہ اور اسلام	ڈینیل سی۔ ڈینیٹ	۱۲/
جماعت مجاہدین	غلام رسول مہر	۸/۰
جرأت کے پیکر	جان ایف کنیڈی	۶/۵۰
جمالیات قرآن کی روشنی میں	نصیر احمد ناصر	۵/
جوئے نور	پرویز	۶/۵۰
جامع الحکایات ہندی	شیخ صالح محمد عثمانی	۴/۰
جوہر اخلاق	جیمز فرانسس کارکرن	۲/۵۰
جمع القرآن	شیخ عطاء اللہ	۱/۵۰
جواہر الکشاف	خواجہ بندہ نواز	۴/۰
جینے کا قرینہ	ترجمہ۔ مختار صدیقی	۶/۵۰
جدید طبی ایجادات	آر سینگر یڈا ایبرل	۳/۰
جہاں برف گرتی ہے	اے۔ حمید	۲/۲۵
جان ڈیوی کا فلسفہ تعلیم	سید علین الدین علوی	۳/۵۰
جھوٹی برسات	اسٹینلے گارڈنر	۳/۲۵
جھمکے	برق صہبائی	۲/۲۹
جوہر کے کرشمے	محمد سعید	۴/۰
جینے کا سلیقہ	گلبرٹ ہائیٹ	۷/۰

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
چنگیز خان	ہیرالڈ لیم	۶/۰
چہرے	شورش کاشمیری	۵/۵۰
چوری چھپے	ہاجرہ مسرور	۵/۰
چند علمائے جرائم	ڈاکٹر ہارلن ڈی کرافٹ	۱۲/۰
حرف و حکایت	سندباد جہازی	۱۲/۰
حیات امام احمد حنبل	محمد ابوزہرہ	۱۲/۰
حیات امام ابن تیمیہ	عبد العظیم	۱۵/۰
حیات امام ابن حزم	محمد ابوزہرہ	۲۰/۰
حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی	مناظر احسن گیلانی	۱۵/۰
حضرت ابوبکر رضؓ اور فاروق اعظم	ڈاکٹر طٰہٰ حسین	۷/۵
حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضؓ	" "	۱۸/۰
حجۃ اللہ البالغہ (زہرہائے الہی)	شاہ ولی اللہ	۲۵/۰
حضرت ابوذر غفاریؓ	مناظر احسن گیلانی	۵/۰
حیاتین	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور	۲/۰
حالی اور نیا تنقیدی شعور	اختر انصاری	۲/۰
حشرات الارض	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور	۵/۵
حیوانیات	پروفیسر محمد رمضان	۵/۵۰
حیوانیات	مختار عابدی	۳/۷۵
حکمائے عالم	جمال الدین ابوالعلیٰ	۱۴/۰
حالی کی اردو نثر نگاری	ڈاکٹر عبد القیوم	۲۰/۰
حیات مجدد	بدرالدین شیخ احمد	۶/۵۰
حقیقت روح انسانی	امام غزالی رح	۴/۰
حکمت قرآن	محمود مختار پاشا	۱/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
حقوق الاسلام	قادری ثناء اللہ	۲/۵۰
حرفِ آخر	مولانا ابو یحییٰ	۲/۵۰
حیرت کدہ کائنات	محمد ابراہیم	۳/۵۰
حدیثِ درد	منظور حسین منظور	۲/۷۷
حکیم عمر خیام	سید الطاف علی بریلوی	۳/۵۰
حیاتِ حافظ رحمت خاں	” ”	۱۲/۰
حضرت اکبر کے شب و روز	محمد رحیم دہلوی	۴/۵۰
خدماتِ سائنس	علی ناصر زیدی	۵/۰
خاندانِ نبوت	سید آلِ محبوب پیرزادہ	۵/۰
خیالاتِ عزیز	محمد عزیز مرزا	۵/۵۰
خدائے سخن میر تقی میر	ادریس صدیقی	۵/۶۲
خلافت بنو امیہ کامل	ترجمہ محمد جمیل الرحمٰن	۳۰/۰
خطیبِ قرآن	سید مرتضیٰ حسین	۱۵/۰
خرد امروز	حفیظ الدین احمد	۵/۵۰
خواجہ غلام فرید	مسعود حسین شہاب	۷/۰
خلافت رشید ابن رشید		۶/۵۰
خلا کی تسخیر	حبیب اللہ خاں	۸/۵۰
خوابِ ہستی	آغا حشر کاشمیری	۲/۰
دیوانِ غالب	اسد اللہ خاں غالب	۵/۵۰
دھچکا	نائب حسن نقوی	۵/۰
دربارِ ملّی	مرتبہ شیخ اکرام	۷/۵
دربارِ رسول کے فیصلے	مرتبہ ابوالعرفان	۷/۵۰
دنیائے اسلام	جیمز کر نیرنگ	۲/۰
دیوانِ روشن	روشن	۵/۰
دشتِ وفا	احمد ندیم قاسمی	۸/۰
دکھ سکھ اور سہاگ	عابد علی عابد	۴/۰
دیکھو شہر لاہور	اے۔ حمید	۴/۵۰
دس بڑے مسلمان	شیخ محمد اسماعیل	۵/۰
دیکھ کبیرا رویا	اکرم لدھیانوی	۴/۰
دو چراغ محفل	ذکاء الرحمٰن	۵/۰
درد کی نہر	کرشن چندر	۱/۷۵
داس کیپیٹال اول	کارل مارکس	۹/۰
دانش کدہ	محمد صدیق خیرآبادی	۱۲/۰
دیدۂ یعقوب	عرش صدیقی	۵/۰
دینِ فطرت	محمد مظہر الدین صدیقی	۳/۵۰
دو شہید	مفتی محمد شفیع	۱/۲۵
دکنی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر زور	۴/۲۵
دولت آپ کے قدموں میں	ڈاکٹر نپولین ہل	۸/۰
دلوارس	حمید کاشمیری	۶/۵۰
دوست اور دشمن	عبدالرشید تبسم	۸/۰
دنیا کی پہلی داستانیں	ابن حنیف	۴/۵۰
دولتِ مغلیہ کی ہیئت مرکزی	ابن حسن	۱۵/۰
دعوتِ عباسیہ	ڈاکٹر رحمانی بیگم	۳/۲۵
دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں انشاء	۳/۲۵
دیوانِ حافظ	حافظ شیرازی	۸/۰
ڈاک بنگلہ	اے حمید	۵/۰
ڈربے	”	۶/۵۰
ذکرِ اقبال	عبدالمجید سالک	۸/۰
ذوالقرنین کا اصولی تصور	غلام اعظم	۸/۰
ذکرِ شہادتِ حسین	محمد عبدالرب دہلوی	۳/۰
روح اور فلسفہ	سید محمد نقی	۱۴/۰
رسول پاکؐ کون تھے	عبدالواحد سندھی	۲/۵۰
روشن مینار	اختر حسین رائے پوری	۳/۰

روحِ تصوف	اشرف علی تھانویؒ	۴/۰	سلطان ٹیپو	عبداللہ بٹ	۵/۰
رگوں میں اندھیرا	رحیل اکبر جاوید	۵/۰	سیرتِ فریدیہ	سر سید احمد خاں	۴/۰
ریڈیو اور ٹیلی ویژن	پروفیسر حسن مسعود	۲/۰	سلیقہ بیگم	اے آر خاتون	۲/۵۰
رسوم ہند	پیارے لال آشوب	۴/۵۰	سیمیں	" "	۲/۵۰
روایت کی اہمیت	عبادت بریلوی	۹/۰	ساڑھے تین یار	" "	۳/۵۰
رفقائے عظیم	ترجمہ پروفیسر جامی الدین	۱۳/۰	سرخ فیتہ	قدرت اللہ شہاب	۸/۰
روضات	عبدالحق محدث دہلوی	۳/	سرکارِ دو عالمؐ	محمد طاہر فاروقی	۳/۰
رسوم دہلی	سید احمد دہلوی	۸/۰	سائنس کی پھانسی	ایڈگر ایلن پو	۲/۰
رنگِ جنوں	منیر جعفری	۲/۵۰	سفر شکار	حکیم محمد اقبال حسین	۳/۰
ربوہ کا مذہبی آمر	راحت ملک	۳/۵۰	سوانح بابا فرید شکر گنج رح	وحید احمد مسعود	۸/۰
رہنمائے رنگ سازی	اسٹینڈرڈ بک ایجنسی لاہور	۳/۵۰			
راہ و رسمِ منزل ہا	عبدالمجید سالک	۴/۲۵	سیاست نامہ	نظام الملک طوسی	۹/۰
رسولِ عربیؐ	عبدالسلام خورشید	۲/۰	سفرنامہ ابن بطوطہ	ترجمہ رئیس احمد جعفری	۲۲/۰
ریاض الاخلاق	محمد صادق سیالکوٹی	۶/۰	سفینۃ الاولیاء	دارا شکوہ	۹/۰
رسالہ تذکیر و تانیث	سید ضامن علی	۲/۵	سیرۃ النعمان	مولانا شبلی نعمانی	۹/۰
روحِ اسلام اقبال کی نظر میں	ڈاکٹر غلام عمر خاں	۳/۷۵	سنت کی آئینی حیثیت	ابوالاعلیٰ مودودی	۱۰/۵۰
زاد المعاد کامل (۴ حصے)	حفیظ ابن قیم	۵۵/۰	سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ	وحید احمد مسعود	۶/۰
زاد المعاد اول، دوم	"	۲۵/۰	سیاسی وثیقہ جات	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	۶/۵۰
زبدۃ المناسک	رشید احمد گنگوہی	۱۰/۰	سیاست شرعیہ	رئیس احمد جعفری	۶/۵
زلفِ پریشاں	عدم	۴/	ستاروں کی دنیا	سید علی ناصر زیدی	۶/۵۰
زندگی پھر مسکرائی	پرل ایس بک	۵/۵۰	سعادت یار خاں رنگین	ڈاکٹر صابر علی خاں	۸/۰
زمین کی سرگزشت	جارج گیمو	۵/۰	سائنسی موضوعات کامل	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور	۸/۰
زمین جاگ رہی ہے	ابراہیم جلیس	۳/۷۵			
زرنیخ کے خطوط	چراغ حسن حسرت	۲/	سندھ کی ناول نگاری	ڈاکٹر سید لطیف حسین	۸/۰
زمزمستان	حسن عظیم آبادی	۳/۵۰	سیرۃ النبیؐ اول	ابن ہشام	۲۰/۰
سنگِ گراں اور	ڈاکٹر احسن فاروقی	۵/۰	سرکشی ضلع بجنور	سر سید احمد خاں	۸/۰
ستارہ یا بادبان	محمد حسن عسکری	۱۰/۵۰	سکندر اعظم	ہیرلڈ لیم	۱۳/۰

سرگزشت غزالی	محمد حنیف ندوی	۴/۰
سائنس سب کے لئے	لانسیلے لوٹ ہوگبن	۵۰/۰
سازو مضراب	جمیل احمد بریلوی	۲/۰
سیر المنجا	سید نورالحسن بخاری	۲/۰
سلطان محمد فاتح	مائل ملیح آبادی	۵/۰
سورج کی پیدائش اور موت	جارج گیمو	۶/۵۰
سحر سے پہلے	رابعہ سید	۴/۵
سکہ عہد اسلامی میں	عباد اللہ گیلانی	۳/۵۰
سمندر جاگتا ہے	اے، حمید	۶/۵
سقراط	کورا میسن	۳/۰
سیر المصنفین	محمد یحییٰ تنہا	۵/۰
سرود جاں	اختر انصاری	۳/۰
سید الانبیاء	پروفیسر غلام ربانی عزیز	۱/۲۵
سوشلزم حال اور مستقبل	موم جان	۱/۵۰
سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ	عبدالسلام ندوی	۳/۵۰
شعلۂ مستور	پرویز	۸/۰
شاہدہ	ناہید انجم	۶/۵۰
شعور و لاشعور	عبدالوہاب پھلوری	۴/۵۰
شمشیر خدا	اختر ملیح آبادی	۶/۰
شاہ جی کے علمی و تقریری جواہر پارے	مرتبہ اعجاز احمد	۴/۰
شیشے کی دیوار	مرزا ادیب	۳/۰
شہباز خاں	سید عابد علی عابد	۴/۰
شرح اسرار خودی	یوسف سلیم چشتی	۸/۰
" رموز بیخودی	" "	۶/۰
" ضرب کلیم	" "	۸/۰
" دیوان غالب	" "	۱۵/۰
شرح مثنوی پس چہ باید کرد	یوسف سلیم چشتی	۸/۰
شرح زبور عجم	" " "	۸/۰
" دیوان غالب	حسرت موہانی	۴/۵۰
شجر حیات	نجم فضلی	۶/۰
شیطان	خلیل جبران	۳/۵۰
شکنتلا	ترجمہ اختر حسین رائے پوری	۳/۵۰
شہزادی ماہ رخ	اے، آر، خاتون	۲/۵۰
شاہکار سنون	سبیل فرمل پیرزادہ عارف	۳/۸
شاخ زریں اول	جیمس جارج فریزر	۳۰/۰
شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات	اعجاز الحق قدوسی	۱۴/۰
شاہجہاں کے ایام اسیری	ڈاکٹر برنیر	۱۵/۰
شہر نوا	محشر بدایونی	۴/۵۰
شعلۂ گل	احمد ندیم قاسمی	۸/۰
شعر اقبال	سید عابد علی عابد	۹/۰
شہر غزل	بزم فکر و ادب کشمیر	۱۲/۰
شکنتلا	ترجمہ کاظم علی جوان	۳/۲۵
شمائم امدادیہ	شاہ حاجی امداد اللہ	۲/۵۰
شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ	عبید اللہ سندھی	۴/۵۰
شہر سے دور	مرزا ادیب	۳/۰
شمع سوزاں	خواجہ معراج الدین	۲/۰
شہر اور کلیاں	اے، حمید	۴/۵۰
صحیفۂ کاملہ	سید قائم رضا	۱۵/۰
صحیفۂ علویہ	سید مرتضیٰ حسین فاضل	۱۰/۰
صدائے دل	ہادی مچھلی شہری	۶/۵۰
صبح غزل	نور الصبح بیگم	۳/۰
صباحت	مشرف تمیز	۱۰/۰

کتاب	مصنف	قیمت
صداقتِ اسلام	مولوی محمد ذکی	۲/۵۰
صحیح مقام حدیث	فیض احمد غزنوی	۸/۰
صلیب غم	عارف عبدالمتین	۵/۰
صحیح مسلم شریف کامل	امام مسلم ابو الحسن	۵۲/۰
صحابیات	نیاز فتحپوری	۸/۰
صنم خانۂ عشق	امیر مینائی	۹/۹۰
صحیح مسلم شریف کامل (۶ جلدیں)	امام مسلم	۵۶/۰
ضبط تولید اور ہمارے بچے	عابدی جعفر	۶/۵۰
طلعت	شاہدہ خاتون	۶/۰
طنزیاتِ آزاد	مولانا آزاد	۳/۵۰
طائر اور طیارے	جان لیوس	۳/۰
طبیعیات کی داستان	نصیر احمد عثمانی	۱۰/
ظہیر الدین بابر اور ان کا عہد	حسین انور	۱۶/۰
عمرو بن العاص رض	محمد فرح مصری	۱۴/
علم الکلام اور الکلام	مولانا شبلی نعمانی	۱۳/۰
عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن	ایلن کیمبل جانسن	۱۵/۰
عماد الدین	مرتبہ عبد القاسم	۱۰/۰
علی برادران	رئیس احمد جعفری	۲۰/۰
علم و عمل کامل	وقائع عبد القادر خانی	۱۸/۰
عقائد الاسلام	عبد الحق حقانی	۸/۰
عہد بنگش	ولی اللہ	۱۵/۰
عبقات	شیخ محمد اسماعیل	۵/۵۰
علم الاقتصاد	محمد اقبال	۸/۰
علما کے معاشی نظریے	جارج مول	۸/۰
علامہ اقبال	آقائی مجتبیٰ	۲/۰
عرفانِ اقبال	بشیر محمود	۴/۰

کتاب	مصنف	قیمت
عرشِ الٰہی کا سایہ	محمد سعید دہلوی	۱/۵۰
عثمان بطور	ترجمہ شاہد احمد دہلوی	۵/۵۰
علمائے سلف اور نابینا علماء	محمد حبیب الرحمٰن	۴/۰
عابدہ کے نام	منظور ممتاز	۳/۰
عظیم علمائے نفسیات	پروفیسر عبد المجید	۱۵/۰
عہد اسلامی میں علمی ترقی	ڈاکٹر این۔ این۔ لا	۱۰/۰
علم النفس	جے۔ ایف۔ اسٹوٹ	۵/۵۰
عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معمہ	ابن انشاء	۱/۵۰
عکس	اے۔ حمید	۳/۵۰
غزل الغزلات	عبد العزیز خالد	۲/۵۰
غمِ دل	حسن انجم	۴/۰
غیب و شہود	نذیر نیازی	۴/۰
غرناطہ	رشید اختر ندوی	۱۲/۰
غزالہ	لطیف کاشمیری	۶/۵۰
غالب فکر و فن	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۶/۵۰
غزل اور مطالعہ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۳/۰
غیر معمولی ذہن بچہ	روتھ سٹرینگ	۸/۵۰
غالب	غلام رسول مہر	۵/۵۰
غنیۃ الطالبین کامل	شیخ عبد القادر جیلانی رح	۳۰/۰
فلسفۂ دعا	پروفیسر فضل احمد عارف	۵/۰
فتح البلدان	احمد بن یحییٰ	۱۸/۰
فقہ الاسلام	حسین احمد خطیب	۱۵/۰
فیوض یزدانی	شیخ عبد القادر جیلانی رح	۱۲/۰
فلسفۂ اسلام	ڈی۔ بوئر	۸/۰
فوائد جامعہ	شاہ عبد العزیز محدث رح	۱۸/۰
فلسفۂ مذہب	ایڈون اے برٹ	۱۸/۰

کتاب	مصنف / ناشر	قیمت
فتاویٰ نبوی ﷺ	ملک احمد اینڈ سنز کراچی	۳/۰
فیروز اللغات جامع	فیروز الدین	۲۴/۰
〃 فارسی	〃	۲۰/۰
فقہ عمرؓ	شاہ ولی اللہؒ	۸/۰
فارقلیط	عبدالعزیز خالد	۹/۵۰
فلسفۂ نفس	ضامن نقوی	۳/۵۰
فردوس کی راہ کامل	منور سلطانہ	۶/۵۰
فصاحت و بلاغت	محمد طاہر فاروقی	۱/۵۰
فضائل صحابہؓ و اہل بیتؓ	شاہ عبدالعزیزؒ	۷/۵۰
فلسفہ کا نیا آہنگ	ترجمہ بشیر احمد ڈار	۴/۵
فلسفۂ ہند و یونان	دین محمد شفیقی	۲/۵۰
فانی اور اس کی شاعری	ڈاکٹر محمد حسن فاروقی	۴/۵۰
فتاویٰ رضویہ	مولانا احمد رضا خاں	۲۱/۰
فلسفۂ عجم	ڈاکٹر محمد اقبال	۴/۵
فنون لطیفہ اور انسان	اروِن ایڈمن	۴/۵۰
فرائڈ اور لاشعور	ایم۔ اے قریشی	۳/۵۰
فرہنگ اصطلاحات معماری	زاہد حسین	۴/۵۰
فرہنگ اصطلاحات فلکیات	انجمن ترقی اردو	۲/۲۵
فرہنگ اصطلاحات کیمیا	〃	۳/۲۵
فردوس معانی	عبدالرحمٰن طارق	۴/۵۰
فرخی	جمیلہ ہا سید شریف	۳/۵
قرآنی تعلیمات	سلیم عبداللہ	۲/۵۰
قوت ارادی	ترجمہ عبدالوہاب ظہوری	۳/۵۰
قرآنی اخلاق	عبدالصمد صارم	۱/۵۰
قدیم اردو	مولوی عبدالحق	۶/۵۰
قوائے طبیعیہ	صادق حسین	۲/۵۰
قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریے	بزم اقبال	۵/۰
قانونی لغت	تنزیل الرحمٰن	۱۰/۰

کتاب	مصنف / ناشر	قیمت
قواعد زبان اردو	رسالہ گلکرسٹ	۳/۰
قصص ہند	محمد حسین آزاد	۳/۰
قدیم شہنشاہیاں	سید طفیل احمد بنگلوری	۴/۰
کلیات غالب فارسی	غالب	۲۴/۰
کتاب زندگی	امام بخاریؒ	۹/۹۰
کتاب الروح	حافظ ابن قیم	۹/۹۰
کامل الکمل حقانی	عزیز اللہ حقانی	۱۶/۰
کلک موج	عبدالعزیز خالد	۹/۰
کف دریا	〃	۸/۵۰
کالا سورج	عشرت رحمانی	۳/۰
کاک ٹیل	کرشن حیدر	۵/۰
کلیات مومن	مرتبہ عبادت بریلوی	۱۱/۰
کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت	محمد ظفر شاہ پھلواری	۲/۰
کالج کی تعلیم	ترجمہ۔ محمد عثمان	۵/۵۰
کیا سائنس ہمیں بچا سکتی ہے	ترجمہ کپتان عبدالوحید	۲/۵۰
کرنوں کے شکاری	احمد سعید	۵/۵۰
کنعان کی بیٹی	لیٹکس	۲/۵۰
کلیات مومن کامل	مرتبہ کلب علی خاں	۱۸/۰
کشف المحجوب	ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور	۸/۰
کتاب التوحید	محمد بن عبدالوہاب	۴/۰
کتاب الآثار (اردو ترجمہ)	حضرت امام محمد ابن شیبانی	۱۰/۰
گلشن بے خار	نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ	۱۲/۰
گلنار بیگم	عذرا اجمال	۱۰/۰
گلکشت	عادل رشید	۴/۵۰
گھاس کا سمندر	ترجمہ سید قاسم محمود	۲/۰
گردش	مجنوں گورکھپوری	۲/۰

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
گھر بلو مشین	ترجمہ۔ خلیق الہیم	۵/۰
گل مغفرت	حیدر بخش حیدری	۵/۵۰
گھونگھٹ	لطیف گل	۴/۰
لمحے	محمد فضل الرحمن	۲/
لقلقہ	حاجی لق لق	۳/۲۵
لسانی مسائل	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/۰
لیلیٰ مجنوں	مرزا محمد ہادی رسوا	۳/۵۰
مرقع یوسفی	مولانا محمد یوسف بلوی	۳/۰
مجالس المومنین	محمد عطاء اللہ خان عطا	۴/۵
مقدر الںسانی	ترجمہ عبدالحمید قرشی	۹/۰
مکاتیب اقبال	مرتبہ بزم اقبال	۲/۰
مفردات القرآن	امام راغب اصفہانی	۴۵/۰
مشارق الانوار	ترجمہ محمد سعید حسن خاں	۱۹/۰
معیار الحق	سید نذیر حسین محدث قدسی	۱۴/۵
منہاج المبین	سید اسد الرحمن قدسی	۴/۵۰
منافع الاعتقاد	سید ظفر الدین احمد	۸/۵۰
ماثر لاہور	سید ہاشمی فرید آبادی	۳/۵۰
مذاہب اسلامیہ	خواجہ عبید اللہ اختر	۸/
مشاہدات کابل و یاغستان	محمد علی قصوری	۳/۵
مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی	قاضی احمد عبد الصمد	۱۳/۰
مسئلہ زمین اور انسان	شیخ محمود احمد	۵/۲۵
مہ و انجم	مارش ڈیوڈ ریس	۵/۵
مقام شوق	مظہر الدین صدیقی	۲/۵
مہاجرین و انصار	نصیر احمد عباسی	۸/۰
مجموعہ وصایا اربعہ	سعادت یار خاں رنگین	۴/۷۵
موعظۂ حسنہ	ڈپٹی نذیر احمد	۵/۰
ملک العزیز ورجنا	شرر	۴/۵۰

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
میر و سودا کا دور	ثناء الحق صدیقی	۱۵/۰
مشکوٰۃ الانوار	امام غزالی رح	۱/۵۰
مختصر گھرانا	ڈاکٹر طاہر کیانی	۸/۰
مرآۃ الشعر	مولانا عبدالرحمن	۴/۵۰
مستقبل کا انسان	ڈاکٹر لوین آئنرے	۸/۰
موازنۂ انیس و دبیر	مولانا شبلی نعمانی	۵/۵۰
موسن جو دارو	سید قاسم نوری	۱۲/۰
مسلمانوں کے افکار	پروفیسر محمد شریف	۴/۵
معیار ادب	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۵/۵۰
مکتوبات عبدالحق	مرتبہ جلیل قدوائی	۱۵/۰
مرزا غالب، رائل پارک میں	اے۔ حمید	۴/۵۰
ملفوظات و حالات شاہ محمد دہلوی	میر نظر علی درد	۵/۵۰
مولانا محمد حسن نانوتوی	محمد ایوب قادری	۵/۰
مرد کامل	سید مطہر گیلانی	۴/۵
سمندر کے بعد	نصیر انور	۵/۰
معجزات سائنس	علی ناصر زیدی	۵/۰
مصنوعات کی کہانی	”	۴/۰
مصر کے عظیم فلسفی	عبدالرؤف ملک	۹/۰
مشجعی ایران کا کلام	ابواللیث صدیقی	۴/۰
معارج روحانی	مرتبہ۔ سراج احمد عثمانی	۳/
محمد علی جوہر	عبدالرؤف عروج	۴/۰
مذہب اور تمدن	ابوالحسن علی ندوی	۲/۰
میا بازار	کرشن چندر	۴/۵۰
مقالات ابوالکلام آزاد	مولانا آزاد	۳/۵۰
محبت پاکٹ بکس	عبداللہ معمار امرتسری	۸/۰
معراج المومنین	سنگ میل ادب لاہور	۸/۰
میکالے کا نظریۂ تعلیم	عبدالحمید صدیقی	۱/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
موضوعات کبیر	ملا علی قاری حنفی	۹/۵۰
مخزن الولایت	منشی ولایت علی عزیز	۴/۰
مصنفین اردو	سید وقار حسین زیدی	۲/۰
مداوا	حسن بانو	۳/۰
مقدمہ ابن خلدون	ترجمہ محمد سعد حسن خاں	۱۸/۰
مشاہیر اسلام موت کی آغوش میں	عبدالرحمن طارق	۸/۰
مصنوعی سیارے	مغربی پاکستان اکیڈمی لاہور	۴/۰
مطمئن رہیئے	محمد شفیع الدین	۴/۵
مبادی سماجیات	ایم اکرم بٹ	۲/۵۰
مقدمۂ آب حیات	محمد حسین آزاد	۲/۰
مرثیہ نگاری میر انیس	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی	۴/۰
مشاہدات حرمین	حکیم قاضی احمد	۳/
مقدمات امیر شریعت	جانثار مرزا	۲/۵۰
مصر میں انگریزی حکومت	لالہ شام داس	۱/۰
مرزا جنگی	عظیم بیگ چغتائی	۰/۷۵
موٹر انجینئر	محمد سعید	۴/۷۵
منتخب نظمیں	سنہ ۱۹۴۴ء	۲/۲۵
موطا امام مالک	مولانا وحید الزماں	۱۰/۰
مقدمہ تاریخ سائنس	جارج سارٹن	۲۴/۰
ملفوظات شاہ عبدالعزیز	محمد علی لطفی	۹/۰
مومن	کلب علی خاں	۷/۰
میراث اسلام	سر تامس آرنلڈ	۱۲/۰
مرحوم دہلی کالج	مولوی عبدالحق	۵/۰
محو خواب	اظہار الاسلام	۳/۷۵
مکاتیب امام غزالیؒ	مرتبہ عبدالوہاب ظہوری	۳/۷۵
میرے گدھے نے مجھ سے کہا	توفیق حکیم	۳/۰
مقالات سرسید (۱۳ حصے)	سرسید احمد خاں	۸۰/۰

کتاب	مصنف	قیمت
مذہب عشق	خیال چند لاہوری	۳/۰
موازنۂ انیس و دبیر	شبلی نعمانی	۱۲/۰
منتخب اللباب کامل	خافی خاں	۵۰/۰
مخطوطات تاریخی	شمس اللہ قادری	۵/۵
مناقب غوث الابرار	نواب محمد علی خاں	۵/۵
مثنویات حالی	حالی	۷/۰
منزل شوق	کیپٹن نظامی کاشمیری	۴/۵۰
نہج الفصاحت	ترجمہ نصیر اجتہادی	۳۰/۰
نہج البلاغت	ترجمہ رئیس احمد جعفری	۳۵/۰
نیند کا جنگل	احمد شجاع پاشا	۹/۰
نظام الملک طوسی	عبدالرزاق کانپوری	۱۵/۰
نفسیات و واردات روحانی	ولیم جیمز	۴/۰
نصاب اردو (نثر)	مرتبہ انجمن ترقی اردو پاکستان	۴/۰
نصاب اردو (نظم)	″ ″	۲/۰
نورتن	محمد بخش مہجور	۸/۰
نئی شاعری ایک تنقیدی مطالعہ	افتخار جالب	۱۳/
ننگا شہر	احمد شجاع پاشا	۶/۵۰
نقوش و افکار	مجنوں گورکھپوری	۶/۰
نفرت کی دیوار	منظور ممتاز	۱۰/
نیر دل علیؑ	محمد مہر عالم خاں	۲/۰
ننھے منوں کی کتاب	صوفی نذر احمد	۲/۲۵
نغمۂ حرم	اختر شیرانی	۴/۰
نقاب اٹھ جانے کے بعد	نیاز فتحپوری	۱/۲۵
نکات مجنوں	مجنوں گورکھپوری	۳/۵
نظم آزاد	محمد حسین آزاد	۲/۰
ناز آفریں	قیس رامپوری	۳/۵۰
نظام معاشرہ اور تعلیم	برٹرنڈ رسل	۵/۰

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
نورِ مشرق	نور الصبح بیگم	۴/۵۰
نئی تحریریں	مرتبہ حلقۂ اربابِ ذوق کراچی	۳/۰
نشتر	منشی سجاد حسین	۵/۰
نقوش (پطرس نمبر)	ماہنامہ نقوش	۹/۰
نور اللغات چہارم	نور الحسن نیّر	۲۴/۰
نیا سویرا	عشرت رحمانی	۲/۰
نقشِ اول	صالحہ عابد حسین	۶/۰
نظامِ سقہ	ممتاز مفتی	۳/۰
نشاط	عادل رشید	۴/۰
نئی لت	پنجاب بک ڈپو لاہور	۶/۵۰
نگار (مومن نمبر)	نگار کراچی	۵/۰
نقدِ ادب	پروفیسر [illegible]	۴/۵
نئی نظم پورا آدمی	سلیم احمد	۴/۵۰
وکرم اروشی	کالی داس	۲/۵
ورقِ ناخواندہ	عبد العزیز خالد	۳/۰
ویرانے	حنیف چودھری	۳/۰
ورکشاپ انجینئر	محمد سعید	۵/۰
وہ مجرم تھی مگر	اسٹینلے گارڈنر	۲/۵۰
وحشور	خلیل جبران	۴/۰
واہیات باتیں	ابراہیم جلیس	۴/۵
واسوخت	آغا حسن امانت	۳/۵
ہزار داستان	سرشار	۲۳/۰
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ	۱۳/۰
ہر شاخِ گل صلیب	حسن بخت	۵/۰
ہماری الجھنیں	سیّد محمد اختر	۴/۰
ہجرتِ رسول	سید نور الحسن بخاری	۴/۰
ہماری غذا	خان رشید طرزی	۲/۵۰
ہمارے جانور	رشید احمد طاہر	۴/۵۰
ہمارے بچے	ظہور الحق	۵/۵۰
ہندوستان کی تمدنی تاریخ	عبد اللہ یوسف علی	۹/۰
یادگارِ غالب	مولانا حالی	۱۲/۰
یادوں کے چراغ	نور الصبح بیگم	۱۳/۰
یہودی کی لڑکی	آغا حشر کاشمیری	۲/۵۰
ادب اور تعصب	اکرام امامی	۲/۶۲
الزبیر (کتب خانہ نمبر)	مسعود حسن شہاب	۹/۷۵
افکار (جوش نمبر)	صہبا لکھنوی	۳۰/۰
اقبال کے آخری دو سال	ڈاکٹر عاشق حسین	۱۳/۵۰
اقبال ایرانیوں کی نظر میں	خواجہ عبد الحمید	۱۵/۷۵
اقبال اور سیاستِ ملّی	رئیس احمد جعفری	۸/۲۵
بچے اور ان کی تعلیم و تربیت	صوفی گلزار احمد	۲/۶۲
جہانِ غالب	کوثر چاند پوری	۸/۲۵
جمالیات کے تین نظریے	میاں محمد شریف	۱۰/۵
حاصلِ مطالعہ	سید الطاف حسن بریلوی	۱۲/۰
حلال و حرام	عطاء اللہ پالوی	۴/۵
حریفِ آدم	نصیر احمد ناصر	۳/۷۵
خوشبو کے گھاؤ	نوید انجم	۸/۷۵
دیوانِ مصحفی	مرتبہ فراق گورکھپوری	۳/۷۵
دولت نامہ	محمد اکرم طاہر	۳/۷۵
دیوانِ جرأت	مرتبہ حسرت موہانی	۳/۷۵
دیوانِ آتش	مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی	۴/۶۲
دیوانِ ولی	مرتبہ خان اشرف	۳/۰
دیوانِ غالب (نقش چغتائی)	غالب	۳۰/۰

کتاب	مصنف	قیمت
ڈوب ڈوب کر ابھری ناؤ	سلمیٰ عنایت	۳/۷۵
روح المطالب فی شرح دیوان غالب		۱۸/۰
زندگی کے موڑ پر		۳/۷۵
سی۔ آئی۔ اے کے کارنامے	ترجمہ جاوید شاہین	۶/۷۵
شاعر اور تخیل	محمد ہادی حسین	۹/۰
قصۂ آدم و ابلیس	کوثر نیازی	۴/۵۰
کلیات شیفتہ	شیفتہ	۶/۷۵
کرن کرن اندھیرا	آغا اشرف	۸/۲۵
گوشوارہ	عشرت رحمانی	۷/۵۰
لمحوں کے بھنور	آغا اشرف	۴/۵
متاعِ ادب	اظہر زیدی	۳/۳۷
مرزا ہادی مرزا رسوا	ڈاکٹر میمونہ بیگم	۹/۰
نتائج المعانی	محمود بیگ احت	۵/۲۵
ہماری عادتیں ہمارے جذبات	دیانند ورما	۱/۸۷

معیاری ادب، ارزاں کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
ایک شمع دو پروانے	عادل رشید	۲/۵۰
امریکی انتخابات	مترجم ڈاکٹر احمد عبدالقادر	۱/۵
امراؤ جان ادا	مرزا رسوا	۳/۰
اختری بیگم	〃	۲/۵۰
اردو کی عشقیہ شاعری	فراق گورکھپوری	۲/۲۵
بڈھا گوریو	مترجمہ سید نسیم ہمدانی	۳/۵۰
بل ایمی	مترجم ڈاکٹر محمد احسن فاروقی	۲/۰
تیسری عورت	اکمل علیمی	۳/۰
توبۃ النصوح	شمس العلماء مولوی نذیر احمد	۲/۰
چراغ بولتے ہیں	عادل رشید	۲/۵۰
حضرت ابوذر غفاریؓ	عبدالحمید جودۃ السحار	۲/۰
خوشبو کے گھاؤ	نوید انجم	۴/۵۰
دیوانِ غالب	غالب	۱/۲۵
رودر پریاگ کا آدم خور	مترجم جاوید شاہین	۲/۰
سہرے کے پھول	عادل رشید	۳/۰
سرخ و سیاہ	مترجم محمد حسن عسکری	۷/۰
سلطان محمد فاتح	محمد مصطفیٰ صفوت	۱/۵۰
سویرا ہے	مسعود مفتی	۲/۰
سنگِ محبت	کنھیا لال کپور	۱/۵۰
سیر دستکار	حکیم محمد اقبال حسین	۳/۰
شاہد رعنا	قاری سرفراز حسین دہلوی	۲/۰
ضدی	عصمت چغتائی	۱/۲۵
ضرب	قیسی رام پوری	۳/۰
کچھ جلوے کچھ طور	حسن احمد حسرت	۲/۰
گونگی لڑکی	عادل رشید	۲/۰
لذتِ آوارگی	اے، ڈی، اظہر	۳/۰
میرے بھی صنم خانے	قرۃ العین حیدر	۳/۰
مقدمۂ شعر و شاعری	خواجہ الطاف حسین حالی	۱/۷۵
موازنۂ انیس و دبیر	علامہ شبلی نعمانی	۳/۰
مریم مجدلانی	وحشی محمود آبادی	۱/۲۵
نکاتِ مجنوں	مجنوں گورکھپوری	۲/۰
نقوش و افکار	〃 〃	۵/۰

تعلیمی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
آپ کے بچے کی وراثت	برس ایل نیوگارٹن	۲/۸۵
آپ کے بچے کی صحت	جے روز ڈیل گیلاگر، ایم ڈی	۳/۷۵

کتاب	مصنف	قیمت
اپنے دوست بن جائیں	ولیم سی مینجر	۲/۷۵
انتخاب معاش	جے انتھنی ہمفریز	۲/۷۵
بچوں کی جنسی تعلیم	لیسٹرایے کرکنڈال	۲/۸۵
بچوں کی دلچسپیاں	جے فریڈرک کیوڈر	۲/۷۵
بچوں کے جذباتی مسائل	او۔اسپرجن انگلش ایم ڈی	۲/۸۵
بچوں کے سیکھنے کی قابلیت بڑھانا	ہیری این ریولس	۲/۷۵
بچوں کی اخلاقی قدریں	ایشلے مونٹیگو	۲/۷۵
بچوں کے کھیل	جین شک گروس مین	۲/۷۵
بچوں کے خوف	ہیلن راس	۲/۷۵
بچوں کی بدتمیزیاں	چارلز ڈبلیو ہارڈ	۲/۸۷
بچوں میں جذبۂ عداوت	سبل اسکلونا	۲/۷۵
بیماری کے جذباتی اور نفسیاتی پہلو	آٹوین ایم جوسیلس	۲/۷۵
بچے کی جماعتی زندگی	رالف ایچ اوجیمان	۲/۷۵
بچوں کے سمجھنے میں نفسیاتی امتحانوں کی اہمیت	جے والس رائٹ اسٹول	۲/۷۵
تم اور تمہارے مسائل	ایچ ایچ ریمرر	۲/۷۵
تمہارا رویہ اور متعلقہ مسائل	او اسپرجن انگلش	۲/۷۵
خودشناسی	ولیم سی مینجر ایم ڈی	۲/۸۷
دوست بنانا اور دوستی سمجھانا	ولیم سی مینجر ایم۔ڈی	۲/۸۷
فرصت کے مشغلے	"	۲/۵۰
کامیاب باپ	او۔اسپرجن انگلش	۲/۵۰
معاشرتی زندگی میں بچوں کی رہنمائی	پال ایچ لینڈس، وجون ہیر	۲/۷۵
منطقی فکر کی طرف رہنمائی	ولیم تھینر	۲/۸۷
ہم نے جو کچھ سیکھا بچوں سے سیکھا	کیرولین پریٹ	۲/۵۰
مدرسے کی زندگی میں بچے کی رہنمائی	مس گلاڈی کونٹر	۲/۷۵
والدین اور معلمین	ایلو ایچ گراسٹ	۲/۷۵
بھائی بہنوں کا مل جل کر رہنا	ہیلن ڈبلیو پیوسر	۳/۰
بچوں کو بہتر بولنا سکھانا ہے	سی۔ وین راٹیر	۳/۰
بچوں کے ساتھ گزر بسر	ایڈتھ مانسر	۳/۰
بچوں کی نشوونما	ولارڈ اولسن اور جون لیوس	۳/۰
ذہین بچہ	پال وٹی	۳/۰
دیانتداری کیا ہے	تھیوڈسن بی کلارک	۳/۰

نفسیات اور تعلیمی نفسیات پر کچھ پاکستانی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت
ابتدائی مدارس میں سائنس	ڈبلیو ایم وکی	۲/۵۰
اجتماعی تعلقات	ملکہ رضوی	۲/۵۰
ابتدائی اور ثانوی مدارس میں گروہی کارروائیاں	محمد ظہور الحق فاروقی	۲/۵۰
بچے کی شخصیت اور ماحول سے مطابقت	سید نذر محمد بخاری	۲/۵۰
پڑھنا کیسے سکھایا جائے	"	۲/۵۰
تدریس کے لئے جماعتی تنظیم	"	۲/۵۰
تعلیم حاصل کرنے کا عمل	گل محمد سبحانی	۲/۵۰
حساب کی تدریس	"	۲/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
خوش خطی کی تدریس	محمد ظہور الحق فاروقی	۲/۵۰
خداداد ذہانت رکھنے والے بچے اور ان کی تعلیم	؍؍ ؍؍ ؍؍	۲/۵
زیر نگرانی مطالعہ اور گھر کا کام	سجاد ناظم	۲/۵۰
سائنس کی تدریس	انعام علی قریشی	۲/۵۰
سمعی بصری آموزش	ملکہ رضوی	۲/۵۰
طلبہ کی ترقی اس کا جائزہ لینا اور رپورٹ لکھنا	فضل احمد	۲/۵۰
فوقانی مدرسے میں خواندگی	سید نذر محمد بخاری	۲/۵
کنڈرگارٹن کی تعلیم	ملکہ رضوی	۲/۵۰
مضمون نویسی کی تدریس	محمد ظہور الحق فاروقی	۲/۵۰
معاشرتی علوم کی تدریس	انعام علی قریشی	۲/۵۰
نوعمروں کی حب رم سبزی	ملکہ رضوی	۲/۵۰
والدین اور استاد میں رابطہ	مقبول بیگ بدخشانی	۲/۵۰
ہائی اسکول میں تدریس ریاضی	مختار علی جعفری	۲/۵۰
بچوں کی تدریس	سید ناظم زیدی	۲/۵۰

چار نئی ہندوستانی کتابیں

ایک تنہا شاعر
شاد عارفی
فن اور شخصیت
مرتب مظفر حنفی - قیمت: ۱۲/۰

مبادیات تحقیق
از
عبد الرزاق قریشی
قیمت: ۴/۵۰

پہلا اور آخری خط
از
قاضی عبد الستار
قیمت: ۳/۷۵

یاس یگانہ چنگیزی
از
راہی معصوم رضا
قیمت ۶/۰

ملنے کا پتہ:-
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنس بلڈنگ - ابراہیم رحمت اللہ روڈ - بمبئی ۳ (بی آر)

ادبی خبریں

ممتاز اور مشہور غزل گو شاعر سراج لکھنوی کا انتقال

دبستان لکھنؤ کے آخری نمائندے اور ممتاز شاعر حضرت سراج الحسن سراج لکھنوی کا ۲۳ جنوری کو صبح ۸ بجے انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۷۵ برس کی تھی۔

سراج صاحب نے ۱۹۱۰ء سے شعر کہنا شروع کردیا تھا اور اس وقت کے مشہور استاد جناب پیارے صاحب رشید لکھنوی کے شاگردوں میں شامل ہوگئے تھے لیکن جلد ہی استاد نے ان کو اصلاح سے مستغنی قرار دے دیا تھا۔

سراج صاحب نے لکھنؤ کی تاریخی ادبی انجمنوں کی تشکیل اور قیام میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مرحوم نے اپنے شاگردوں کی خاصی بڑی تعداد چھوڑی ہے۔

ادارہ "کتاب نما" اور مکتبہ جامعہ، سراج مرحوم کی وفات پر دلی رنج وغم اور پس ماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

دہلی یونیورسٹی، شعبۂ فارسی کے انعامات

سفارت خانۂ ایران کے ثقافتی شعبہ نے فیصلہ کیا ہے کہ دہلی یونیورسٹی کے فارسی کے ایم۔اے اور بی۔اے۔ آنرز میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالبعلموں کو "جائزۂ فردوسی" اور "جائزۂ سعدی" کے نام سے دو انعامات طلائی تمغوں کی شکل میں دیے جائیں گے۔

اس سال کے کنووکیشن میں یہ انعام فیض العمر صاحب اور پریم ساگر گھ صاحب نے حاصل کیے۔

پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری

دہلی یونیورسٹی نے مندرجہ ذیل تین امیدواروں کو ڈاکٹر آف فلاسفی (پی۔ ایچ۔ ڈی) کی ڈگری عطا کی ہے:

جناب سید نورالحسن صاحب کو مصحفی پر۔ جناب مجیب الرحمٰن صاحب کو قلندر پر۔ ذکیہ انجم صاحبہ کو

سنہ ۱۹۴۷-۴۹ء کے دوران اُردو پر سماجی اور اقتصادی اثرات پر۔
ڈاکٹر اوم پرکاش صاحب ایم۔ اے ۔ اردو، انچارج گورنمنٹ ڈسپنسری، سکندرپور ضلع حصار اس سال پنجاب یونیورسٹی کے ایم ۔ اے (فارسی) کے امتحان میں اوّل آئے ہیں ۔
ڈاکٹر صاحب کو اردو زبان وادب سے بڑا لگاؤ ہے اور "کتاب نما" کو تو ان کی سرپرستی ایک عرصے سے حاصل رہی ہے ۔ ان کی اس شاندار کامیابی پر ادارہ "کتاب نما" ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہے ۔

کرناٹک کے اردو شعرا متوجہ ہوں

راج ماتا پرکاشن ہبلی کی جانب سے کرناٹک کے ابھرتے ہوئے طنز ومزاح نگار پروفیسر محبوب بڑائی ہبلوی صاحب "نولائے کرناٹک" کے عنوان سے نئی کرناٹک (یعنی دھارواڑ، بیلگام کارواڑ اور بیجاپور اضلاع) کے تمام اردو شعراء وادباء کی ایک تعارفی دستاویز مرتب کر رہے ہیں، جس میں ہر شاعر کا مختصر تعارف، کلام اور فوٹو شائع ہوگا۔ محبوب بڑائی صاحب کا مقصد ہے کرناٹک کے نامور اور گمنام شاعروں اور ادیبوں کی ترتیب و تدوین اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی۔

لہٰذا کرناٹک کے تمام اردو شاعروں اور ادیبوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اور اپنے شاعر وادیب دوستوں کے پتے ارسال فرمائیں ۔ جو حضرات کرناٹک سے تعلق رکھتے ہوں اور فی الحال کرناٹک کے باہر مقیم ہوں، وہ بھی اپنے پتے روانہ فرمائیں۔
پتا مکمل وخوش خط اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھا جائے۔
پتا: پروفیسر ایم۔ اے۔ بڑائی ۔ بھاڑ باڑا گلی، اولڈ ہبلی
ہبلی (ریاست میسور)

سنہ ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی منائی جائے گی جس کی تیاریاں بڑے زور شور سے جاری ہیں ۔ اسی سلسلے میں نئی دہلی میں غالب میموریل ہال تعمیر کیا جارہا ہے جس کا سنگ بنیاد ۲۴ فروری کو صدر جمہوریہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا ۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سنگِ بنیاد پر "غالب میموریل ہال" کی جگہ "غالب سمارک بھون" لکھا گیا ہے ۔ اوپر ہندی میں اور نیچے اردو میں۔

فارم IV حسب قاعدہ ۸ بابت کتاب نما نئی دہلی

۱- مقام اشاعت : جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

۲- وقفہ اشاعت : ماہنامہ

۳- پرنٹر کا نام : سید احمد ولی، قومیت : ہندوستانی، پتہ : جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

۴- پبلشر کا نام : سید احمد ولی، قومیت : ہندوستانی، پتہ : جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

۵- اڈیٹر کا نام : مجیب احمد خاں، قومیت : ہندوستانی، پتہ : جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

۶- مالکان کے نام و پتے : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی

چیرمین : پروفیسر محمد مجیب، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ڈائرکٹر ۱- سید مجتبیٰ حسین زیدی، جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

۲- ڈاکٹر عبد العلیم، ۳ یونیورسٹی روڈ۔ علی گڑھ

۳- مسٹر ایم، آر جیائے۔ مہر بلڈنگ، چوپاٹی، بمبئی ۷

۴- ہز ہائی نس نواب اقبال محمد خاں آف پالن پور، کف پریڈ، کولابہ بمبئی ۵

۵- کرنل بشیر حسین زیدی ایم پی۔ راجندر پرساد روڈ، نئی دہلی ۱

۶- ضیاء الحسن فاروقی، پرنسپل جامعہ کالج، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

۷- کمپنی کے سرمایہ کے ایک فی صدی سے زیادہ کے حصہ دار

جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

اسلام جیم خانہ، کینیڈی سی فیس، بمبئی ۷

میں سید احمد ولی تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا اطلاعات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

۲۹ فروری ۱۹۶۸ء (دستخط احمد ولی پبلشر)

سالانہ چندہ دو روپے	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵	فی پرچہ بیس پیسے

(پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا)

ان ناولوں کو اپنی لائبریری کی زینت بنائیے

گئودان	منشی پریم چند	۸/-
میدانِ عمل	〃 〃	۶/۵۰
بیوہ	〃 〃	۲/۷۵
سات سال	ملک راج آنند	۵/۲۵
ایک تھی انیتا	امریتا پریتم - ترجمہ، ظفر ادیب	۳/۲۵
راہِ عمل	صالحہ عابد حسین	۷/۵۰
عروس نیل	سلطانہ آصف فیضی	۳/۲۵
دلدل	بھبھانی بھٹا چاریہ - ترجمہ - رضیہ سجاد ظہیر	۴/۵۰
باپ بیٹے	ترگنیف - ترجمہ - انور عظیم	۹/-
ماں کی کھیتی	چنگیز اعتماد وف - ترجمہ: قرۃ العین حیدر	۲/-
یودوکیہ	ویرا پانووا - ترجمہ: 〃 〃 〃	۱/۷۵
آدمی کا مقدر	میخائیل شولوخوف - ترجمہ: 〃 〃 〃	۱/-
شکستِ ناتمام	جان اسٹین بیک - ترجمہ: زہرہ سعید بن	۲/-
ڈنگو	آرفر یہ مین - ترجمہ: قرۃ العین حیدر	۲/۲۵
یادوں کے چراغ	صالحہ عابد حسین	۸/-
رنگ محل	حمیدہ سلطان	۶/-
صفیہ	سلمیٰ محبوب	۴/-
کانڈید	والتیر - ترجمہ: سجاد ظہیر	۴/-
سانچ کو آنچ	شوکت تھانوی	۴/۵۰

Regd. No. D. 58 March 1968.

KITAB NUMA

JAMIANAGAR NEW DELHI-25

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ماہنامہ

کتاب

اپریل ۱۹۶۸ء

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

ماہنامہ

کتاب نما

نئی دہلی ۲۵

مینجنگ ایڈیٹر:۔
غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول:۔
مجیب احمد خاں

اپریل ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۴
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ - بیس پیسے

اشاریہ:

مکتبہ کی شاخ علی گڈھ کے قیام کے سلسلے میں ابتدائی مراحل جس تیزی سے طے ہو رہے ہیں اس کے پیش نظر یقین ہے کہ جس وقت یہ شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا، اس دکان کا افتتاح ہو چکا ہوگا اور مکتبہ نے یونیورسٹی کے طالب علموں اور باشندگانِ علی گڈھ کی خدمت شروع کر دی ہوگی۔ ہمیں توقع ہے کہ خلوص کے جس جذبے کے ساتھ مکتبہ جامعہ نے یہ بار اٹھایا ہے، اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی اور اہل شہر کا تعاون ہمیں حاصل رہے گا۔ ہم ہر وقت ایسے مشوروں کو خوش آمدید کہیں گے جن پر عمل کر کے ہمیں اور انھیں دونوں کو سہولت ہو۔

پچھلے مہینے جامعہ کے پرانے طالب علم محترم عبدالباقی صاحب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باقی صاحب نے جامعہ سے بی۔اے کرنے کے بعد صحافت یا جرنلزم کے پیشے کو اپنایا تھا اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ شروع شروع میں لاہور کے زمیندار، مساوات وغیرہ اردو روزناموں میں کام کیا پھر ایک بہت اچھے ساتھی صدیق طیب مرحوم کے ساتھ مل کر روزنامہ "آزاد" کے نام سے اپنا اخبار نکالا۔ یہ بہت شان دار کھاری بھرکم اخبار تھا۔ زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکا مگر باقی صاحب کی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی۔

۳۵-۱۹۳۶ء میں جب صوبوں میں قومی یا کانگریسی حکومتیں بنیں تو باقی صاحب نے سرکاری ملازمت کا مزہ بھی چکھا۔ ۱۹۴۷ء میں مرحوم دلی آ گئے۔ یہاں سے کئی اخبار نکالے۔ آخر میں "کاروانِ وطن" کے نام سے ایک شاندار ہفتہ وار نکالا۔ اس کا جمہوریہ نمبر مرحوم کا آخری کارنامہ ہے اور اس قابل ہے کہ حفاظت سے رکھا جائے۔ یہ مرحوم کے انتقال سے کچھ ہی دنوں پہلے شائع ہوا ہے۔

باقی صاحب اردو ہی کے نہیں انگریزی کے بھی بہت اچھے جرنلسٹ تھے۔ باہر کے اخبارات سے بھی تعلق تھا۔ معلومات کا یہ حال تھا کہ قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ ہر موضوع پر لکھتے تھے سیر حاصل لکھتے تھے۔ جمہوریت نمبر میں زیادہ تر مضمون انھی کے ہیں۔ حافظ علی بہادر مرحوم کے بعد ہم ایک اور بڑے صحافی سے محروم ہو گئے ہیں۔ مرحوم کی ایک اہم امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ نیشلسٹ مسلمان تھے اور آخری دم تک نیشلسٹ رہے۔ ذرا نہ ڈگمگائے۔

پچھلے مہینے اخباروں میں اچانک یہ خبر پڑھی کہ لالہ شیام ناتھ اپنے وطن سے دور بمبئی کے ایک اسپتال میں آن جہانی ہو گئے۔ انھیں یرقان ہو گیا تھا۔ یہی جان لیوا ثابت ہوا۔

لالہ شیام ناتھ خاص دلی کے رہنے والے تھے ان کے والد بزرگوار نے حکیم اجمل خاں کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ اُن کی صحبتوں میں رہے تھے۔ لالہ شیام ناتھ بھی دلی کی تہذیب کا نمونہ تھے، نظر میں بلندی، خیالات میں وسعت، مزاج میں نرمی، وقت بے وقت ہر مصیبت زدہ کے کام آنا چاہے ہندو ہو یا مسلمان سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنا۔ بچپن سے کانگریسی تھے مرتے دم تک کانگریسی رہے مدتوں دلی کارپوریشن کے میر رہے پھر پارلمنٹ کے ممبر اور نائب وزیر بنے۔ ابھی اور ترقی کرتے۔ کل ۵۲ برس عمر پائی۔ ماں باپ دونوں زندہ ہیں۔ خدا انھیں اور دوسرے عزیزوں کو صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

---

۲۸ مارچ کو مشہور روسی ادیب میکسم گورکی کی صد سالہ سال گرہ منائی جارہی ہے۔ روس کے علاوہ یہ ہندوستان اور کئی دوسرے ملکوں میں منائی جارہی ہے۔ حکومت ہند اس موقع پر خصوصی ڈاک ٹکٹ بھی جاری کر رہی ہے اور ہند سوویت کلچرل سوسائٹی نے یہ سو سالہ جشن ملک بھر میں منانے کا فیصلہ کیا ہے۔

مظہر امام

غزل

آپ ہی کے گیسوؤں کا سلسلہ سمجھا تھا میں
زندگی کو ایک زنجیرِ وفا سمجھا تھا میں

مجھ کو زہرِ طعنۂ احباب بھی پینا پڑا
اُس نگاہِ مہر کو آبِ بقا سمجھا تھا میں

حُسن کی مجبوریاں بھی آخرش کھُل ہی گئیں
بے رخی حُسن کو حُسنِ ادا سمجھا تھا میں

رہ نماؤں نے اسی پر منزلیں تعمیر کیں
جس کو اپنی گمرہی کا نقشِ پا سمجھا تھا میں

وہ بھی اخلاق و شرافت ہی کی نکلی ایک شکل
جس کو اپنی بدمذاقی سے ریا سمجھا تھا میں

شیخ کی غیبت نہ کیجے حضرتِ مظہر امام
نام سے تو آپ کو بھی پارسا سمجھا تھا میں ؏

انتخاب از "زخمِ تمنا"۔ مجموعہ کلام جناب مظہر امام۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد صفحات ۱۷۶
قیمت ۳/- "مکتبہ جامعہ لمٹیڈ"۔ جامعہ نگر دہلی سے مل سکتا ہے۔

کتب موصولہ برائے تبصرہ

			سائز	صفحات	قیمت
اردو شاعری میں تاج محل	شجاع خاور	اردو پبلشرز دہلی	۲۰×۳۰/۱۶	۱۶۰	۱/۷۵
شاد عظیم آبادی	نقی احمد ارشاد	نسیم بکڈپو، لکھنؤ	″	۵۵۶	۸/-
حدیثِ معرفت	عزیز وارثی	مکتبہ ندائے اتحاد، دہلی	″	۲۵۶	۵/-
مکاتیب احمد سعید	سید ضمیر حسن	دینی بکڈپو، دہلی	″	۱۵۲	۲/۵۰
ادب اور جدید ذہن	دیوندر اسر	مکتبہ شاہراہ، دہلی	″	۲۱۰	۴/۵۰
نقشِ اول	قسیم اللہ گیاوی	—	″	۷۲	۱/-
اردو نثر میں ادبِ لطیف	ڈاکٹر عبدالودود خاں	نسیم بکڈپو لکھنؤ	″	۵۰۱	۸/-
مجبوری کا دوسرا نام کیا ہے؟	مانک جی شہبانی	سنسار پبلشنگ ہاؤس بمبئی	″	۱۱۲	۲/-
مثالی خواتین	یونس نگرامی ندوی	مکتبہ طیبہ، لکھنؤ	″	۴۰	-/۵۰
دخترِ شب	مظہر الحق علوی	نسیم بکڈپو، لکھنؤ	″	۵۲۰	۹/-

ایک گذارش

گذشتہ ۲۰ برسوں کے اندر ہند و پاک میں متعدد فسادوں میں حد درجہ گھناؤنے اور انسانیت سوز واقعات ہوئے۔ ان واقعات کی تقریروں اور تحریروں میں تشہیر ہوئی اور انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔ لیکن ان انسانیت سوز واقعات کے ساتھ ہی انسانی اخوت و محبت کی کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں انسانوں نے اپنی جان پر کھیل کر انسانیت کی لاج بچائی ہے۔ مگر ایسے واقعات پبلک کے علم میں بہت کم یا بالکل نہیں آئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان کے ان تمام جیالوں کے روشن کارنامے محفوظ کیے جائیں، جنھوں نے انسانیت کی آبرو بچانے یا درندگی اور دیوانگی کا مقابلہ کرنے میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ اس لیے ان تمام ہندوستانی اور پاکستانی بھائیوں سے جنھیں اس طرح کے صحیح واقعات کا علم ہے، ہماری درخواست ہے کہ وہ اسے ہندوستان و پاکستان کی کسی بھی زبان میں لکھ کر ہمارے پاس بھیجنے کی زحمت گوارہ کریں۔

احمد فاطمی: اڈیٹر بھودان تحریک، راج گھاٹ، وارانسی (یو۔پی)

قرآن مجید کے اہم تراجم

لاطینی مغربی زبانوں میں سب سے پہلے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا خیال کلونی (فرانس) کے پطرس نرابلس کے دل میں آیا۔ اس نے لاطینی زبان میں ترجمہ شروع کر رکھا تھا کہ ۱۱۵۷ء میں موت نے آ لیا۔ جس کی وجہ سے کام مکمل نہ ہو سکا۔ بعد میں اسی ترجمے کو ایک انگریز مسٹر رابرٹ اور ٹینیا اور ایک جرمن ہرمن آور نے ۱۱۴۳ء میں مکمل کر لیا۔ اس کے بعد بھی یہ ترجمہ تقریباً چار سو سال تک خانقاہ میں بند پڑا رہا۔ حتیٰ کہ ۱۵۴۳ء میں تھیوڈ دور بیلی انڈو نے اسے "باسل" (سوئزرلینڈ) سے پہلی بار شائع کیا۔ یہی ترجمہ بعد میں مختلف زبانوں میں مثلاً اطالوی، جرمن، ڈچ میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۵۵۰ء میں نکلا۔ اور تیسرا ایڈیشن ۱۷۲۱ء میں۔ اسی زبان میں دوسرا ترجمہ فادر لیوس مراکشی کا ہے۔ جو مقام پدو (اٹلی) سے ۱۶۹۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ فادر لیوس مراکشی پوپ انوسنٹ یازدہم کا دوست اور رفیق کار تھا۔ تیسرا ترجمہ جسٹس فریڈ ریکس فرد ریپ نے ۱۷۹۸ء میں کیا۔

فرانسیسی اس زبان میں سب سے پہلا ترجمہ ایم انڈر لو ڈائر نے ۱۶۴۷ء میں مکمل کر کے پیرس میں چھپوایا۔ جس کے بعد ۱۶۷۲ء، ۱۶۵۱ء، ۱۶۷۹ء کا مطبوعہ لاہائی میں ۱۷۸۳ء کا مطبوعہ برلن ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئے۔

یونانی یونانی زبان میں قرآن مجید کے صرف ایک ترجمے کا پتا چلتا ہے جو نیٹیا کی نے ۱۸۸۰ء میں کیا اور ایتھنز سے نکلا۔ بعد میں اس کی ۱۸۸۶ء اور ۱۹۲۹ء میں دو اشاعتیں اور بھی ہوئیں۔

عبرانی عبرانی زبان میں قرآن مجید کے صرف تین ترجموں کا پتا چلتا ہے۔ پہلا یعقوب بن اسرائیل کا، دوسرا ہرمن رکنڈ روف کا جو ۱۹۲۷ء میں لیپ سے طبع ہوا۔ تیسرا فلین جو ۱۹۳۲ء میں بیت المقدس میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا۔

پولینڈ یہاں ۱۸۵۸ء میں بز تسکینو نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو وارسا سے شائع ہوا۔

اطالوی اس زبان میں سب سے پہلا ترجمہ بینن کا ہے۔ یہ سنہ ۱۵۴۷ء میں طبع ہوا۔ کلزوکاالطاکو ترجمہ سنہ ۱۸۴۳ء میں چھپا۔ تیسرا اہم ترجمہ فیرزی جو یہ اوّل بار سنہ ۱۸۸۲ء میں طبع ہوا۔ بعد میں اس کی دو اشاعتیں سنہ ۱۹۱۲ء میں اور ہو میں نسیو لاشی مطبوعہ روم سنہ ۱۹۱۲ء کا ہے۔ براسیسی نے فرانسیسی زبان سے سنہ ۱۹۱۳ء میں ایک ترجمہ کیا۔ فراقاسی کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۶ء میں مکمل ہوا۔ فردجکا ترجمہ سنہ ۱۹۲۸ء میں مقام بارسی سے عالمِ وجود میں آیا۔ اطالوی میں آٹھواں ترجمہ بوٹلی نے سنہ ۱۹۲۹ء میں میلان سے چھپوایا۔

پرتگالی پرتگال میں پہلا ترجمہ فرانسیسی سے سنہ ۱۸۸۲ء میں طبع ہوا۔

ہسپانوی سورۃ المعراج کا ترجمہ حکیم ابراہیم نے کیا۔ اس زبان میں پہلا باقاعدہ ترجمہ ڈی روس مطبوعہ میڈرڈ کا قرار پایا۔ جو سنہ ۱۸۴۴ء میں پہلی بار طبع ہوا۔ آرٹرز نے دوسرا ترجمہ سنہ ۱۸۷۶ء میں مکمل کر کے بارسلونا سے چھپوایا۔ برجینڈو کا ترجمہ بھی میڈرڈ سے سنہ ۱۸۷۵ء میں منظرِ عام پہ آیا۔ برانو مطبوعہ بارسلونا سنہ ۱۹۰۷ء کا ہے۔ پانچواں ترجمہ کاٹو نے اوّل بار سنہ ۱۹۱۳ء میں طبع کرایا۔ بعد میں اس کے اور دو ایڈیشن سنہ ۱۹۱۳ء میں اور سنہ ۱۹۳۶ء میں میڈرڈ سے طبع ہوئے۔

سرویائی سرویائی میں صرف ایک ترجمے کا پتہ چلتا ہے جسے میکولو بیرائش نے سنہ ۱۸۹۵ء میں لکھ کر بلگریڈ سے طبع کرایا۔

ڈچ اس زبان میں پہلا ترجمہ شوینگر نے سنہ ۱۶۴۱ء میں کیا اور ہیمبرگ سے طبع کرایا۔ اس کا نام "عشریش القرآن" رکھا گیا۔ گلاشمارا نے اپنا ترجمہ سنہ ۱۶۵۸ء میں لیڈن سے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۷۹۹ء میں طبع ہوا۔ تیسرا ترجمہ لغن کا مجموعہ باقیات سنہ ۱۸۵۹ء کا ہے۔ چوتھا ڈاکٹر کرزنے سنہ ۱۸۶۰ء میں ہارم میں چھپوایا۔ بعد میں اس کے تین ایڈیشن سنہ ۱۸۷۸ء، سنہ ۱۹۰۵ء، سنہ ۱۹۱۶ء میں نکلے۔

البانوی البانوی زبان میں ایک ترجمہ الف میم تاف کا ہے۔ جس کا سنہ اشاعت معلوم نہیں ہو سکا۔

ڈنمارک یہاں پہلا ترجمہ پیڈرسن مطبوعہ کوپن ہیگن سنہ ۱۹۱۹ء اور دوسرا بھی مطبوعہ کوپن ہیگن سنہ ۱۹۲۱ء کا بہل کا ہے۔

ارمنی ارمنی زبان میں پہلا ترجمہ امیر خانیانے کیا جو پہلی بار سنہ ۱۹۰۰ء میں ادرنہ سے شائع ہوا اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۰۵ء میں نکلا۔ لازر کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۱ء میں طبع ہوا تیسرا ترجمہ کورنیان کا ہے جو ادرنہ سے سنہ ۱۹۱۲ء میں طبع ہوا۔

بلغاری اس زبان میں ٹوموف اور سکولف کا مشترکہ ترجمہ صوفیا سے سنہ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔

بوہیمیہ بوہیمیہ زبان میں پہلا ترجمہ نلی کا ہے۔ یہ پراگ سے سنہ ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا۔ دوسرا نیکل کا ہے یہ بھی پراگ سے سنہ ۱۹۳۲ء میں طبع ہوا۔

رومانی ایونکل نے رومانی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۲ء میں چھپوایا۔

ہنگری اس زبان میں روڈ مایرن کڈیوں نے ایک ترجمہ سنہ ۱۸۵۴ء میں شائع کروایا۔

جاوی جاوی زبان میں پہلا ترجمہ نیادیا کا ہے جو سنہ ۱۹۰۳ء میں سماترا سے نکلا۔ دوسرا ترجمہ سانگ کا ہے یہ سنہ ۱۹۱۳ء میں عالم وجود میں آیا۔

روسی روسی زبان میں سنہ ۱۷۷۶ء میں ایک ترجمہ سینٹ پیٹرز نے کیا۔

ارگونی ارگونی زبان میں ایک مترجم جان انڈریزہ کا نام ملتا ہے۔

انگریزی اس زبان میں سب سے پہلا ترجمہ سنہ ۱۶۴۹ء میں فرانسیسی سے لندن میں طبع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۶۸۸ء میں اور تیسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۰۶ء میں امریکہ سے نکلا۔

جارج سیل کا اوّل ترجمہ سنہ ۱۷۳۴ء میں لندن سے طبع ہوا۔ جو نہایت مقبول ہوا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے ۲۶ ایڈیشن شائع ہوئے آخر بار سر ڈالغون روسی کے مقدمے کے ساتھ سنہ ۱۹۱۳ء میں طبع ہوا۔ یہ امریکہ میں آٹھ بار طبع ہوا۔ آخری ایڈیشن سنہ ۱۹۲۹ء میں نکلا۔ روڈویل کا ترجمہ پہلی مرتبہ لندن میں سنہ ۱۸۶۱ء میں نکلا۔ بعد میں اس کے ایڈیشن سنہ ۱۸۷۶ء سنہ ۱۹۱۱ء سنہ ۱۹۱۵ء سنہ ۱۹۱۶ء سنہ ۱۹۲۱ء میں طبع ہوئے۔ امریکہ میں یہ سنہ ۱۹۰۹ء میں طبع ہوا۔ پامر کا ترجمہ پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۸۰ء میں طبع ہوا۔ امریکہ میں اس کا ایڈیشن سنہ ۱۹۰۹ء میں نکلا۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں ڈاکٹر محمد عبدالحکیم نے اپنا انگریزی ترجمہ کروایا مرزا ابوالفضل کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۱ء میں الہ آباد سے مع عربی متن کے ساتھ نکلا اور مقبول ہوا یہاں تک کہ اس کی تعریف متعصب لوگوں نے بھی۔ مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ کا ترجمہ مع حواشی اور تفسیر کے ساتھ سنہ ۱۹۱۹ء میں سلیس انگریزی میں شائع ہوا۔ غلام سرور کا ترجمہ

آکسفورڈ سے سنہ ۱۹۳۰ء میں نکلا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں علامہ یوسف علی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے قرآن کریم کا مفہوم ترجمہ مع عربی متن اور مبسوط مقدمہ جس میں تاریخی اور جغرافیائی مواد بہم پہنچانے میں انتہائی کوشش کی ہے لاہور سے طبع کرایا۔

فارسی فارسی میں قرآن مجید کے بہترین متعدد ترجمے موجود ہیں۔ ان میں غالباً سب سے پہلا ترجمہ شیخ سعدی کا ہے اور ہندوستان میں فارسی کا پہلا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا "فتح الرحمٰن" کے نام سے ہے۔

اُردو اُردو زبان میں بے شمار قرآن مجید کے ترجمے موجود ہیں۔ ان میں سے غالباً سب سے پہلا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر ابن حضرت شاہ ولی اللہ سنہ ۱۷۹۰ء کا ہے باقی تراجم میں سے مولانا رفیع الدین، مولانا نذیر احمد دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، سیّد حکیم یٰسین شاہ۔ کے ترجموں کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

رومن اُردو رومن اُردو میں ڈاکٹر امام الدین نے سب سے پہلے ترجمہ کیا جسے کرسچن پریس الہ آباد نے شائع کیا۔

بنگالی بنگالی زبان میں شاہ رفیع الدین کے ترجمے سے پہلا بنگالی ترجمہ سنہ ۱۳۴۹ء میں ہوا۔ ابن محمد عبدالحق نے سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک اور بنگالی ترجمہ کیا۔ اس سے پہلے دو بنگالی ترجمے مسلمانوں کی مجلس نے سنہ ۱۸۸۲ء میں کلکتہ سے اور نعیم الدین کا ترجمہ سنہ ۱۸۹۹ء میں طبع ہوا اس کے علاوہ نمولد ساک کا ترجمہ جو پہلی بار سنہ ۱۹۰۸ء میں جس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا، قابلِ ذکر ہے

جاپانی جاپانی زبان میں سکاموٹو کے ترجمے کا نام ملتا ہے۔

چینی چینی زبان میں سنہ ۱۹۱۳ء میں ایک ترجمہ باوین جودھوا جرجز نے چھپوایا۔ دوسرا ترجمہ چن چاک کا سنہ ۱۹۲۱ء میں شنگھائی میں طبع ہوا۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں ایک اور ترجمہ یادمن چن چنگ نے شائع کیا۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں ٹی چنگ نے چھپوایا۔

بالطومی اس زبان میں قرآن مجید کے صرف ایک ترجمے کا ذکر ملتا ہے۔

پشتو پشتو میں غالباً پہلا ترجمہ ۱۹۱۳ء میں طبع ہوا۔

پنجابی پنجابی میں پہلا ترجمہ حافظ محمد لکھنوی (مطبوعہ لاہور) ہے۔ فیروز الدین شمس الدین (امرتسر) اور حیات اللہ مطبوعہ لاہور کے ترجمے قابلِ ذکر ہیں۔

سندھی اس زبان کے اہم ترجمے عزیز اللہ مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۳ھ اور محمد صدیق وعبد الرحمٰن مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۷ھ ہیں۔

عواجدانیہ حافظ عبد الرشید کا مطبوعہ دہلی ۱۳۰۶ھ اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۱۱ھ میں نکلا۔ دوسرا ترجمہ عبد القادر بن لقمان کا ہے جو ۱۸۷۳ء میں بمبئی سے طبع ہوا۔ محمد اصفہانی کا ترجمہ بھی بمبئی سے ۱۹۰۰ء میں طبع ہوا۔ غلام علی کا ترجمہ ۱۹۰۳ء میں چھپا۔

ترکی اس میں سب سے مکمل ترجمہ "ترجمۃ القرآن" ہے جو ابراہیم علی نے چھپوایا۔

تلنگو تلنگو میں مسٹر نرائن نے مولوی محمد علی کے ترجمے سے مدد لے کر ترجمہ کیا۔

مرہٹی اس میں حکیم صوفی محمد یعقوب نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔

ہندی ہندی میں ریورنڈ ڈاکٹر احمد شاہ نے اصل عربی سے ہندی میں بامحاورہ ترجمہ کیا۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم کی کوشش بھی اس سلسلے میں ناقابلِ فراموش ہے۔ نیز ہندی میں تازہ ترین ترجمہ مولانا عبد الحی صاحب نے ادارۂ الحسنات رام پور سے شائع کیا ہے۔

گورمکھی نومسلم محمد یوسف نے عربی سے اس زبان میں ترجمہ چھپوایا۔

سویڈش اس زبان میں پہلا ترجمہ نسٹو کا ہے جو ۱۸۴۳ء میں اسٹاک ہالم سے شائع ہوا۔ دوسرا ٹوریزرک کا ہے جو ۱۸۴۶ء میں لندن سے طبع ہوا۔ تیسرا ترجمہ زیٹرمیٹن کا ہے یہ ۱۹۱۷ء میں اسٹاک ہالم سے منظرِ عام پر آیا۔

(بشکریہ صبح امید بمبئی)

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف	ناشر	قیمت
شرابِ کہنہ	رشید نعمانی	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	۳/۲۵
دوشیزۂ کابل	صادق سردھنوی	ایلوالیہ بکڈپو، دہلی	-/۱۲
خالی ہاتھ	عمر عادل بادہروی	" "	-/۴
ایک تھی آشا	ضیا عظیم آبادی	" "	-/۴
درد و درماں	عفت موہانی	نسیم بکڈپو، لکھنؤ	۵/۵۰
فریدہ بیگم	بدر انجم	" " "	۴/۵۰
گھر کا بھیدی	مظہر الحق علوی	" " "	۲/۵۰
شاد عارفی فن اور شخصیت	مظفر حنفی	" " "	-/۱۲
سوادِ منزل	نشور واحدی	سنگم کتاب گھر، دہلی	-/۳
غزل اور متغزلین	ابواللیث صدیقی	بھارتی پبلشرز دہلی	۶/۵۰
عبداللہ بن مسعود اور انکی فقہ	ڈاکٹر حنیف رضی	مکتبہ برہان دہلی	-/۸
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	قاضی اطہر مبارکپوری	" " "	-/۹
تفسیر مظہری اردو ششم	سید عبدالدائم جلالی	" " "	-/۱۵
ترجمان السنۃ اردو	مولانا بدر عالم	" " "	-/۱۶
شجرِ طیبہ	قاضی زین العابدین	" " "	۵/۵۰
عصمتی دسترخوان	آمنہ نازلی	مٹیا محل دہلی	-/۳
غزل انسائیکلوپیڈیا	ذکی کاکوروی	مرکز ادب اردو لکھنؤ	-/۵

زیرِ طبع کتابیں

کتاب	قیمت
تحصیل الاملا — منشی عبدالقدیر — کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی	-/۲
کہانی میری زبانی میری (غالب آپ بیتی) مرتبہ حنیف عباسی - مجلس اشاعت ادب دہلی	—
سوادِ منزل (شعری مجموعہ) — نشور واحدی — سنگم کتاب گھر، دہلی	-/۳
ارمغانِ حجاز (اردو منظوم ترجمہ) — عبدالرحمن طارق — کتب خانہ نذیریہ، دہلی	-/۳
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی — سعید احمد صدیقی — مکتبہ شاہراہ، دہلی	۱/۵۰

تعارف

شراب کہنہ

یوں تو قارئین کتاب نما، کے لیے جناب رشید نعمانی صاحب کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اکثر و بیشتر اُن کے "جائزے" وہ پڑھتے رہتے ہیں لیکن اب اِس افشائے راز میں بھی کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ "جامِ نو" کی ساقی گری بھی آپ ہی کا دستِ کرم کرتا ہے۔ اسی جامِ نو کی پیش رو یہ شراب کہنہ ہے۔ عرضِ مرتب میں جو کچھ مختصراً اُنھوں نے فرمایا ہے اُس سے اس کام کی نوعیت پر کچھ بھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"پانچ سال ہوئے رسالہ کتاب نما کی ماہانہ اشاعتوں میں" شراب کہنہ" کے عنوان سے شاعروں کا تذکرہ شروع کیا گیا تھا۔ اس کے لکھنے میں جن باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا وہ یہ ہیں

۱۔ حالات مختصر ہوں اور مستند۔

۲۔ اشعار عام فہم ہوں اور عام پسند۔

۳۔ کلام سے شاعر کے رنگ و رجحان کا بھی اندازہ ہو سکے۔

۴۔ ولادت اور وفات دونوں لازمی طور پر سنہ عیسوی میں ہوں۔

بہت سے تذکرے اور تاریخی کتابیں موجود ہیں، کلیات، دواوین اور سوانح عمریوں کی بھی کمی نہیں۔ پھر بھی ایک اوسط درجے کے پڑھے لکھے آدمی کے لیے موجودہ حالات میں اُن سے مستفید ہونے کے امکانات محدود ہیں۔ اس کتاب کو نہ کوئی مکمل تذکرہ سمجھنا چاہیے اور نہ تحقیقی کارنامہ۔ ان اوراق میں اردو کے نمائندہ اور کچھ ممتاز شاعروں سے تعارف کرا دینے کی

کوشش کی گئی ہے۔ اگر پڑھنے والوں کو اس میں دو چار باتیں بھی کام کی نظر آجاتی ہیں تو میں سمجھوں گا کہ میری حقیر کوششیں بے سود نہیں رہیں۔

نظم ونثر کی بہت سی کتابوں، متعدد رسالوں اور متفرق مضامین سے میں نے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ اس کا مجھے اعتراف ہے۔ اور ان کا حوالہ نہ دے سکا۔ اس کوتاہی کا اقرار۔ اسی طرح یہ بھی مانتا ہوں کہ جدید ترین تحقیق اور حساب دانی کی رُو سے بعض واقعات اور سنہ، ممکن ہے درست نہ ہوں۔ پیدائش اور انتقال کی قابلِ اعتبار تاریخیں قمری مہینوں اور ہجری سن میں لکھی ہوئی ملتی ہیں، سنہ عیسوی سے ان کی مطابقت میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔"

اس بیان میں جس سادگی اور کسر نفسی کی فضا پائی جاتی ہے، اس سے نعمانی صاحب کی طبیعت کے رنگ کی غمازی تو کسی حد تک ضرور ہوتی ہے لیکن "شراب کہنہ" کی حیثیت اور اہمیت کا واجب اظہار کسی طور نہیں ہو پاتا۔ اس طرف جناب مالک رام صاحب نے اپنے پیش لفظ میں خاطر خواہ توجہ مبذول کرائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"کسی زبان کے مطالعے کے لیے اس کے شاعروں اور ادیبوں کے حالات جاننا بہت ضروری ہے۔ دراصل یہ بنیاد ہوتے ہیں اس عمارت کی جو تکمیل کے بعد تاریخ ادب کہلاتی ہے۔ اردو بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ اگر ہم ادب اردو کی تاریخ لکھنا چاہیں، تو لابدّ ہے کہ ہم اپنے شعرا و ادبا کے حالات معلوم کریں۔

اس وقت تک جو مواد دستیاب ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۵۲ء میں اردو شعرا کے حالات میں پہلا تذکرہ میر نے "نکات الشعرا" کے نام سے لکھا۔ اسی زمانے میں دو اور تذکرے لکھے گئے، قائم نے "مخزن نکات" مرتب کیا اور حمید نے "گلشن گفتار"۔ اس کے بعد بیسیوں تذکرے لکھے گئے۔ اچھے بھی۔ بُرے بھی۔ لیکن قطع نظر ان کے معیار سے، یہ سب تاریخ ادب اردو کے بنیادی ماخذ ہیں۔ اگر یہ نہیں ہوتے تو انسان تصور نہ کر سکتا کہ وہ معلومات جو ان میں ملتی ہیں، اور کہاں سے اور کس طرح دستیاب ہو سکتی تھیں۔

ان سب تذکروں میں بعض باتیں مشترک تھیں - حالات بہت کم دو ایک سطروں میں نام، باپ کا نام، تلمذ کی طرف اشارہ یا خاندان کا کچھ ذکر اور اس کے بعد انتخابِ اشعار - اگر شاعر صاحب دیوان ہے، تو انتخاب نسبتۃً طویل، ورنہ جتنے شعر مل سکے - شاعر کے حالات میں سنین پر زیادہ توجہ نہیں کی گئی - نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ مختلف تذکروں کو یکجا کرنے سے بہت سا خام مواد جمع ہو گیا لیکن کچھ کمی کا احساس ہمیشہ رہا -

ادھر بہت دنوں سے اردو میں کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا اور جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بھی بڑوں اور اہلِ علم کے حلقوں کے لیے ہے، جس میں تفصیلات اور جزئیات پر زور دیا گیا ہے - ظاہر ہے کہ اس سے عام پڑھنے والا مستفید اور لطف اندوز نہیں ہو سکتا - ضرورت ہے کہ ہمارے لکھنے والے اس طبقے کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھ کر، طوالت اور غیر ضروری تفصیل سے اجتناب کرتے ہوئے عام فہم زبان میں پیش کریں - اس سے نہ صرف ہمارے متوسط پڑھے لکھے طبقے کا رشتہ ادب سے قائم رہے گا، بلکہ کلاسیکی روایت کا رشتہ بھی نہیں ٹوٹے گا، جس کی حالت ہماری بے توجہی کے باعث بہت نازک ہو رہی ہے -

رشید نعمانی صاحب نے اس تذکرے میں پچاس شاعروں کے مختصر حالات اور کلام کا انتخاب پیش کیا ہے - وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ انھوں نے کوئی نئی بات دریافت کی ہے - لیکن یہ بھی کیا کم ہے کہ اتنے سارے اساتذہ کے صحیح حالات اور اچھے کلام ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں، جس سے انسان کتنی بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی سے مستغنی ہو جاتا ہے - خدا کرے ان کی یہ کوشش اہلِ علم کے نزدیک مقبول ثابت ہو"

مالک رام جیسے ذی علم اور خوش نظر محقق و مصنف کی اس وضاحت اور تصدیق کے بعد، "شراب کہنہ" کی افادیت کے بارے میں مزید کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے - رشید صاحب کے اندازِ تحریر سے آپ سب واقف ہیں - کتاب نما کی ماہانہ اشاعتوں میں "جامِ نو" کے زیرِ عنوان، کسی شاعر کا مختصر تذکرہ موجود ہی ہوتا ہے - "شراب کہنہ" کے

تذکروں کا انداز بالکل وہی ہے۔ اشعار کے انتخاب میں وہ نہ صرف شاعر کے رنگ کی کماحقہٗ نمایندگی کرنے کی سعی کرتے ہیں بلکہ صحت متن کا بھی بے حد لحاظ رہتا ہے۔ واقعات کی چھان بین میں بھی کسی طور کسر نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور زبان کے معاملے میں اپنا معیار رکھتے ہیں۔ اُن کی نثر، آج کل کی چلتی پھرتی زبان سے قطع نظر، اردو والوں کی زبان ہوتی ہے جس میں الفاظ کی صیقل گری کے علاوہ لہجے کی متانت اور تہذیب نفس کی نمود بھی ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ وہ اودھ کی فضا میں پلے بڑھے اور تقریباً پچیس سال سے جامعہ میں استاد ہیں۔ لڑکپن میں بھی متعدد ادیبوں اور شاعروں سے سابقہ رہا اور جامعہ کی زندگی میں بھی۔

ایسے ادبی کام، رشید صاحب خدمت اور شوق کے جذبے سے سرشار ہوکر کیا کرتے ہیں۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا! اُن کی پذیرائی تو یہی ہوگی کہ اس کتاب کا پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ البتہ قارئینؔ کتاب نما" یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں جن کی بدولت یہ نوبت آئی۔ "کتاب نما" اور اس کے عنوانات سب اُن ہی کے ذوق و شوق سے عبارت ہیں۔

یہ کتاب ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت تین روپے پچیس پیسے ہے اور مکتبہ جامعہ کے صدر دفتر اور شاخوں سے مل سکتی ہے۔

چند اہم مذہبی کتابیں

نکات قرآن	مولانا اسلم جیراجپوری	-/۲
خواتین	" " "	۴/۵۰
تعلیمات اسلام (دو جلدوں میں)	مولانا عبدالسلام قدوائی	۴/۲۵
عورت اور اسلامی تعلیم	مالک رام	-/۳
غریب القرآن فی لغات قرآن	میرزا ابوالفضل	-/۱۸
فتاویٰ فرنگی محل	محمد رضا انصاری	۴/۲۵
درس تبلیغ	مولانا مقبول احمد سیوہاروی	۲/۵۰

جامِ نو

۱۸۸۴ء — ۱۹۵۶ء

مرزا واجد حسین، نام، پہلا تخلص یاس دوسرا یگانہ، عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے چنگیز خاں کو اپنا مورث اعلیٰ سمجھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم حسرت عظیم آبادی کے مدرسے میں حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ایک سال بعد کلکتے میں دو شہزادوں کو انگریزی پڑھانے پر مقرر ہوئے، صحت خراب رہنے لگی، وطن واپس آئے اور پھر علاج کی غرض سے لکھنؤ گئے۔ یہ سرزمین ان کو ایسی بھائی کہ وہیں رہنے کا قصد کر لیا۔ شعروسخن کی بسم اللہ خوانی سید علی بتیاب عظیم آبادی نے کرائی، پھر شاد عظیم آبادی سے اصلاح لینے لگے، لکھنؤ کے قیام میں پیارے صاحب رشید سے بھی مشورہ کیا۔

ابتدا میں اتنی فارسی پڑھ لی تھی کہ اس زبان کے مشہور اور مستند اساتذہ کے دیوان اور کلیات کا براہ راست مطالعہ کرتے اور حسب ضرورت ان سے استفادہ بھی۔ اردو میں میر تقی میر اور خواجہ حیدر علی آتش کے علاوہ کسی اور کو خاطر میں نہ لاتے۔

کچھ روز تاجور نجیب آبادی کے ساتھ لاہور میں رہے پھر حیدر آباد میں سب رجسٹرار ہوگئے وہاں سے پچپن سال کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔

مرزا یگانہ اک نرالی فطرت اور عجیب و غریب مزاج لے کر آئے تھے۔ لکھنؤ جسے انھوں نے اپنا دوسرا وطن بنایا تھا اس سے پہلے وہیں کے سربرآوردہ شاعروں کے کلام پر اعتراضات شروع کیے۔ وہ لوگ بھلا کیوں بخشتے، صفی، محشر، عزیز اور ان کے سیکڑوں شاگرد اور ہمنوا ایک طرف اور یہ اکیلے۔ نہ اِن کی مخالفت میں فرق آیا اور نہ اُن لوگوں کی جوابی کارروائیوں میں۔ لکھنوی شعرا کے ساتھ یہ ادبی مناقشے چل ہی رہے تھے کہ یگانہ نے "غالب شکنی" کا بھی ایک نیا محاذ قائم کر دیا اور ہندوستان بھر کے غالب پسندوں سے لڑائی مول لے لی۔

اختلاف کو انھوں نے اپنا شیوہ اور انحراف کو اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔ شعروادب کے

سلسلے میں وہ تو تنہا زمانے بھر سے نبرد آزما رہے۔ اُن کی سرشت سے واقف ہو جانے کے بعد بھر
سنجیدہ قسم کے ادیب اور شعراء ان کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے۔ مگر بعض مذہبی مسائل
پر کچھ لوگوں نے نہ اُن کو معاف کیا اور نہ ان کی تحریک کو برداشت کیا۔ عمر کا آخری دور تھا، ضعیفی
بیماری، ناداری اور تنہائی کا احساس انتہا کو پہنچ چکا تھا اس عالم میں بھی مذہب کے نام پر چند لوگوں
کے انتقام کا جذبہ اتنا شدید اور تعصب کا جوش اتنا بڑھ گیا کہ ایک بہتّر سال کے بوڑھے اور بیمار کو جبر
ذلت کے ساتھ گھر سے نکال کر کوچہ و بازار میں رسوا کیا۔ یہ سارے دکھ یگانہ نے خاموشی کے ساتھ
جھیل لیے مگر نہ اپنے کیے پر پچھتاوے کا اظہار کیا اور نہ کسی سے مدد اور ہمدردی کے طالب ہوئے۔
مصلحت سے اتنا بے نیاز اور مفاہمت سے اس قدر دور رہنے والا آدمی ذرا مشکل ہی سے دیکھا
گیا ہوگا۔

معتقدات اور مزاجی کیفیت جیسی بھی رہی ہو لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ ایک شاعر کی حیثیت
سے یگانہ، کوئی معمولی یا ناقابل التفات فردِ ہرگز نہ تھے۔ ان کا شاعرانہ بانکپن، فن پر دسترس،
طرز میں پختگی، خیالات میں ندرت اور طرفگی —— ان باتوں کے قائل اور معترف ان کی زندگی میں بھی
تھے۔ آج بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے —— نجی خطوط اور متفرق مضامین کے علاوہ
"غالب شکن" "شہرت کاذبہ" اور "چراغِ سخن" نثر میں اور "نشترِ یاس"، "آیاتِ وجدانی"، "گنجینہ"
اور "ترانہ" نظم میں ان کی یادگار ہیں۔

انتخاب

چُپ لگی مجھ کو، گناہِ عشق ثابت ہو گیا — رنگ چہرے کا اُڑا، رازِ دلِ مضطر کھلا

میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا — کش مکش میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا

وہ وحشتِ ہولناک، وہ حبِّ وطن کا جوش — پھر پھر کے دیکھنا، وہ کسی بے دیار کا

ساحل کے پاس، یاسؔ نے ہمّت بھی ہار دی
کچھ ہاتھ پاؤں مارتا ظالم تو پار تھا

ہوں ریگ کی مانند شب و روز سفر میں　　　آوارگیِ وحشت کوئی منزل نہیں رکھتا

کسی کے ہو رہو، اچھی نہیں یہ آزادی　　　کسی کی زلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا

دیکھتے رہ گئے یاسؔ آپ نے اچھا نہ کیا　　　ڈوبتے وقت کسی کو تو پکارا ہوتا!

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا　　　خدا بنے تھے یگانہؔ مگر بنا نہ گیا

جیت بھی اپنی ہے، پٹ بھی اپنی ہے　　　میں کہاں ہار ماننے والا ہوں

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے　　　وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا

پروانے اپنی آگ میں جل کر ہوئے تمام　　　اب کوئی بارِ خاطرِ محفل نہیں رہا

داورِ حشر کچھ نہ پوچھ، دورِ شباب کا مزا　　　شہدِ بہشت تھا مگر، دستِ بخیل کا دیا

آپ اب شمعِ سحر، بڑھ کے گلے ملتی ہے　　　بخت جاگا ہے، بڑی دیر میں پروانے کا

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا　　　پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

کون دیتا ہے دادِ ناکامی　　　خونِ فرہاد برسرِ فرہاد

غیرت سے رنگِ نامۂ اعمال اُڑ نہ جائے　　　کیفیتِ نگاہِ گنہگار دیکھ کر

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں　　　یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

بڑ چشمِ ہوشیار! دونوں میں امتیاز رکھ　　بندۂ نا امید اور بندۂ بے نیاز میں

ت مانگی تھی، خدائی تو نہیں مانگی تھی　　لے دعا کر چکے، اب ترکِ دعا کرتے ہیں

پہلا پہرہ ہے کاتبِ اعمال ہوشیار　　آمادۂ گناہ کوئی جاگتا نہ ہو

یزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں　　کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو

چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا　　چال سے تو ظالم کے سادگی ٹپکتی ہے

وہ دن گئے کہ دل کو ہوس تھی گناہ کی　　یادش بخیر، ذکر اب اُس کا نہ کیجیے

ننگِ محفل مرا زندہ، مرا مردہ بھاری　　کون اُٹھاتا ہے مجھے، کون بٹھاتا ہے مجھے

جب تک خلشِ دردِ خداداد رہے گی　　دنیا دلِ ناشاد کی آباد رہے گی
شیطاں کا شیطان، فرشتے کا فرشتہ　　انساں کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی
ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش
دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

زہے سہوِ کاتب کہ سارا زمانہ　　مجھی کو سراپا خطا جانتا ہے

شبِ امید کٹ گئی لیکن　　زندگی میری مختصر نہ ہوئی
ہٹ گئے بالیں سے لوگ روتے ہیں　　جیسے بیمار کو خبر نہ ہوئی

نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیے یا ہنر　　وہی بات آئی زباں پر، جو نظر پہ چڑھ کے ہری رہی

رباعیات

ہاں اے دلِ ایذا طلب آرام نہ لے
بدنام نہ ہو مُفت کا الزام نہ لے
ہاتھ آ نہ سکے پھول تو کانٹے ہی سہی
ناکام پلٹنے کا کبھی نام نہ لے

رونا ہے بدا جنھیں وہ جم جم روئیں
جب عیش مہیّا ہو، تو ہم کیوں روئیں
فردا معلوم و رازِ فردا معلوم
رات اپنی ہے پھر کیوں نہ مزے سے سوئیں

دیکھے ہیں بہت چمن اُجڑتے بستے
کیا کیا گُل پیرہن لُٹے ہیں سستے
اے زندہ دلانِ باغ! اتنا نہ ہنسو
آنسو بھی نکل آتے ہیں ہنستے ہنستے

ممبر یہ جناب جب کبھی ریر کریں
جو بات کریں مضحکہ انگیز کریں
انگور حلال اور مئے انگور حرام
گڑ کھائیں، گلگلوں سے پرہیز کریں

تازہ ہندوستانی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت
ادب اور جدید ذہن	دیویندر اسّر	۴/۵۰
باغی شاعر شاد عارفی فن اور شخصیت	مظفر حنفی	۱۲/۰
بزمِ حیات کی مفصل ڈائرکٹری	محمد صدیق شبلی	۲۰/۰
۲۲ نظمیں ایک حکایت ایک تجاوز	ڈاکٹر سید محمد عقیل الدین	۳/۰
ببلوگرافیا اردو رسائل I	ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	۷/۰
ببلوگرافیا اردو رسائل II	،،	۷/۰
تصویرِ بتاں	عصمت جمیل	۳/۰
چندر بھان برہمن	ڈاکٹر عبدالحمید فاروقی	۶/۵۰
نغمہائے گفتنی	کلیم الدین احمد	۸/۰
۱۹۶۷ء کی منتخب شاعری	(مرتب) برج نرائن [illegible]	۲/۰
شوکت تھانوی کی مزاحیہ صحافت	احمد جمال پاشا	۳/۰
شرارِ سنگ	عرش ملسیانی	۸/۰
شیخ عبداللہ کشمیر اور ہم	عتیق صدیقی	۹/۰
علامہ اقبال بھوپال میں	عبدالقوی دسنوی	۲/۲۵
فنِ لطیفہ گوئی	احمد جمال پاشا	۳/۰
قدیم اردو اوّل	(مرتبہ) مسعود حسین خاں	۱۳/۰
قدیم اردو دوم	،، ،، ،،	۱۳/۰
کلیم الدین احمد کی شاعری پر ایک نظر	ڈاکٹر ممتاز احمد	۳/۵۰
گفت و شنید	ظفر ادیب	۶/۰
مبادیاتِ تحقیق	عبدالرزاق قریشی	۴/۵۰
ہجویاتِ میر	احمد جمال پاشا	۳/۵۰
یاس یگانہ چنگیزی	راہی معصوم رضا	۶/۰

پاکستانی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت
انوارِ اقبال	مرتبہ بشیر احمد ڈار	۱۵/۰
اسلام کا نظریۂ جنگ	مولانا ابوالکلام آزاد	۲/۲۵
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد عرف معتمد خاں	۶/۷۵
البرامکہ	مولانا عبدالرزاق کانپوری	۱۵/۰
اردو بحیثیت ذریعۂ تعلیم سائنس	ڈاکٹر عبدالحق	۲/۰
[illegible] اصطلاحات کا مسئلہ	،،	۱/۰
اطفال مرثیہ	تمنا عمادی	۳/۰
ابتدائی فن تدریس	مصلح الدین ظفر	۶/۰
آبِ حیات کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ	سید سجاد	۵/۰
بہترین نظمیں	مرتبہ قیوم نظر	۳/۰
بہارستانِ ناز	مظہر علی خاں	۵/۵۰
بیتال پچیسی		۵/۰
باغِ اردو	میر شیر علی افسوس	۶/۰
باقیاتِ فانی	فانی بدایونی	۲/۵۰
بیاض	سلیم احمد	۴/۵۰
پیش رو	خلیل جبران	۲/۵۰
[illegible]	،،	۲/۵۰
تفسیرِ حقانی کامل ۸ جلدیں	مولانا حقانی	۵۵/۰
تحقیق و تنقید	فرمان فتحپوری	۴/۵۰
تین شاعر	ڈاکٹر زور	۴/۵۰
تنقیداتِ طٰہٰ حسین	عبدالصمد صارم	۵/۵۰
تلخیص الاردو	سید ہاشمی فرید آبادی	۶/۵۰
تاریخِ ادبِ اردو (معہ)	رام بابو سکسینہ	۱۸/۰
تاریخِ فقہ اردو	شیخ محمد خضری بک	۹/۱
توتا کہانی	حیدر بخش حیدری	۴/۵۰
تاریخِ ابنِ خلدون کامل	حکیم احمد حسین عثمانی	۹۳/۹۰
تاریخِ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲/۰
ثانوی مدارس میں سائنس کی تعلیم	یونیسکو	۳/۵۰
جگر اور ان کی شاعری	مرتبہ انور عارف	۱۸/۰
جدید نظمیں	خاطر غزنوی	۳/۵۰
حضرت اکبر کے شب و روز	محمد رحیم دہلوی	۶/۵۰
دیوانِ روشن	روشن	۵/۰

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

اردو میں قصیدہ نگاری

مصنف: ڈاکٹر ابو محمد سحر
صفحات: ۲۷۸
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: -/۴
سنۂ اشاعت: ۱۹۵۵ء
ناشر: نسیم بکڈپو لکھنؤ

قصیدہ ہماری شاعری کی وہ قدیم اور مستحکم صنف سخن ہے، جس پر ایک زمانے تک ہر بڑے اور قابلِ لحاظ شاعر نے طبع آزمائی کی ہے اور فخر بھی۔ بعضوں کے بڑے اور مستند شاعر ہونے کا ایک بڑا سبب یہی قصیدہ گوئی رہی ہے زمانہ بدل گیا ہے، اب نہ اس کی ضرورت باقی رہی نہ قدر۔ مگر اس کی جو اہمیت اور شہرت رہ چکی ہے اس سے آج کے شاعر، ادیب اور نقاد کو واقف ضرور ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر کی اس ادبی کاوش، تاریخی چھان بین اور نقد و نظر کی داد دینا چاہیے کہ انھوں نے ایک مشہور صنف سخن کی ابتدا اور ارتقا کے بارے میں مختصر اور جامع طور پر وہ تمام ضروری باتیں مرتب اور یکجا کر دی ہیں جن کو معلوم کرنے کے لیے نہ جانے کتنی کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑتی، کتنا وقت صرف کرنا پڑتا اور پھر بھی خاطر خواہ معلومات کا فراہم ہو جانا مشکل تھا۔

کتاب کی اہمیت اور افادیت میں اُس وقت بھی کوئی کلام نہ تھا جب یہ ۱۹۵۵ء میں پہلی بار چھپی تھی پھر ۱۹۶۷ء میں ترمیم و اضافے کے ساتھ جب اس کا دوسرا اڈیشن نکلا، تو یہ بات اور بھی ثابت ہو گئی کہ یہ کتاب واقعی بہت ہی مفید ہے اور نہایت کار آمد۔

کتاب میں کل دس باب ہیں اور شروع سے آخر تک موضوع کو ہر مناسب رخ سے دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے، تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھ کر متعدد اور مختلف ادوار قائم

کیے گئے ہیں۔ فارسی قصیدوں کے تحت مولانا شبلیؒ اور اردو قصیدہ نگاری کے ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی عبدالسلام ندوی (صاحب شعرالہند) کی رائے سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔

دکن کے نامور شعرا قلی قطب شاہ غواصی اور نصرتی، پھر سودا اور ذوق تو اردو کے اولین اور مشہور ترین قصیدہ نگار تھے ہی، ان کے علاوہ میر، غالب، مومن، نسیم، قلق، سحر، شہیدی، امیر، منیر، جلال، تسلیم، محسن، قدر اور ظہیر وغیرہ کی قصیدہ گوئی کا ذکر اور اس پر جس انداز سے تبصرہ کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا مطالعہ کتنا عمیق اور نظر کتنی وسیع ہے۔

کتاب کے آخری دو باب، "اردو کا ایک طویل قصیدہ" اور قصیدے کی تاریخی و ادبی حیثیت اس لحاظ سے قابل مطالعہ ہیں کہ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ۱۳۹۶ اشعار کا قصیدہ لکھ سکتے ہیں۔ اس قسم کی کوششیں خواہ سراہی نہ جائیں مگر ان کو معمولی اور آسان بھی نہیں کہا جاسکتا۔ رہ گئی قصیدے کی تاریخی اور ادبی حیثیت، وہ کم تو ہو سکتی ہے مگر مٹ نہیں سکتی۔

قدر افزائیوں کا مستحق ہے وہ ادارہ بھی جہاں سے ایسی کام کی کتابیں نکلیں۔

رشید نعمانی

بیسوی صدی کے چند اکابر غزل گو

مصنف :	ڈاکٹر محمد اسلام
صفحات .	۳۳۶
سائز :	$\frac{20 \times 30}{16}$
سنہ اشاعت .	۱۹۷۷ء
ناشر .	نسیم بکڈپو لکھنؤ

ڈاکٹر محمد اسلام نے جگر مرادآبادی پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کے چند ضمنی نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ "بیسوی صدی کے چند اکابر غزل گو" کتابچے کی بھی یہی حیثیت ہے۔ اس میں اصغر، فانی، حسرت، جگر، اثر، فراق کو شامل کیا گیا ہے۔ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہوا ہے۔ پہلے مختصر حالات، پھر کلام پر ان کا ذاتی خیال اور دیگر نقادان سخن کی رائیں شامل

ہیں۔ اس کے بعد مختلف عنوات کے تحت انتخابِ کلام پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتابچہ، چھے شعرا کے مختصر تعارف کی حیثیت رکھتا ہے اور طلبہ کے لیے کسی قدر مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ کاغذ، کتابت، طباعت سب بالکل معمولی ہے۔ اس اعتبار سے قیمت زائد معلوم ہوتی ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

مشاعرہ عالمِ ارواح

مصنف : سید مرتضیٰ حسن موسوی
صفحات : ۳۳۶
سائز : ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت : ۴/-
سنہ اشاعت : ۱۹۵۵ء
ناشر : نسیم بکڈپو لکھنؤ

یہ بارہ سال پرانی کتاب ہے جس کی طرف ناشر نے توجہ دلانی چاہی ہے۔ اس دوران میں مختلف شعرا کی زندگی پر پورے پورے ڈرامے بھی تصنیف ہوئے ہیں اور اُن سے عالمِ ارواح میں، ادیبوں اور انشاپردازوں نے 'انٹرویو' بھی لیے ہیں۔ پھر بھی سید مرتضیٰ حسین موسوی کی تالیف، اپنی افادیت رکھتی ہے۔

اس تمثیلی مشاعرے میں بیالیس ۴۲ شعرا کو پیش کیا گیا ہے جن کا سلسلہ ولی دکنی سے شروع ہو کر آرزو لکھنوی پر ختم ہوتا ہے۔ اس طور تین سو برس کے مستند شعرا کو اُن کی تاریخ وفات کے اعتبار سے سرگرم سخن دکھایا گیا ہے۔ ہر ایک کی گفتگو اپنے عہد کی نمائندگی کرتی ہے اور اسی تہذیب و شائستگی کی غماز ہے۔ آزاد اور شبلی کے ذریعے، ان شعرائے کرام کے محاسنِ کلام کی نشاندہی کرائی گئی ہے اور مرزا فرحت اللہ بیگ کو دہلی کی آخری شمع، پیش کرنے کی بنا پر مشیر کار کا اعزاز دیا گیا ہے۔ غزل کے علاوہ دیگر محاسنِ سخن کی نمائندگی بھی ہوتی رہی ہے اور بعد میں نعت، قصیدہ، اور مرثیے کے لیے علٰحدہ علٰحدہ گنجایش نکالی گئی ہے۔ آخر میں چند ضمیمے بھی شامل ہیں جن میں مختلف اصنافِ سخن کی وضاحت، شعرا کی خصوصیاتِ کلام، ان کے تعارف کے لیے اُن ہی کا ایک ایک مقطع موجود ہے۔ اِس کے علاوہ مشاعرے میں شعرا کی نشست اور اُن کی پیدائش و وفات کے خاکے بھی شامل

کیے گئے ہیں۔

اس طرح بہت کچھ مفید مواد، دلچسپ پیرائے میں ایک جگہ فراہم کر دیا گیا ہے جس سے مولف کی سخن سنجی، اور کاوش کا پتا چلتا ہے۔ اس کتاب کی مدد سے طلبہ، مختلف چھوٹے چھوٹے تمثیلی مشاعروں کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ اور اسی انداز پہ انھیں دیگر شعرا کا اضافہ کرنے کی ترغیب بھی دلائی جا سکتی ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

آسان مولود شریف

مصنف : نواب محمد صابر قلی خاں
صفحات : ۶۴
سائز : ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت : ۷۵ پیسے
سنہ اشاعت : ۱۹۶۷ء
ناشر : سیدلیمان پبلشنگ ہاؤس بھوپال

اس دور میں جب کہ دین سے رغبت کم ہوتی جا رہی ہے، کسی والیٔ ریاست کا کوئی مذہبی کتاب تصنیف کرنا واقعی قابلِ ستائش ہے۔ پیش نظر کتاب ریاست محمد گڈھ (بھوپال) کے فرماں روا نواب صفدر جنگ و دلیر جنگ بہادر محمد صابر قلی خاں صاحب کی عقیدت مندانہ اور مستحسن کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس سے قبل موصوف کی چند اور کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

بقولِ مصنف "عام مروجہ میلاد ناموں میں زیادہ تر ضعیف روایتیں اس طرح سے بیان کی گئی ہیں جن سے ہادیٔ اعظم رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ترین زندگی اور قابلِ تقلید کارناموں سے سننے والوں کو آگاہی نہیں ہوتی۔ اس ذکر پاک سے عام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو عام طور پر اور دیہاتی مسلمانوں کو خاص طور پر اپنی زندگیوں کو سنوارنے کے لیے جو بہترین ہدایات اور رہنمائی حاصل ہونا چاہیے وہ ان مروجہ میلاد ناموں سے حاصل نہیں ہوتی یہی احساس تھا جس کے تحت میں نے ...... دیہاتی مسلمانوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے اس کو آسان ترین زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے"۔

آسان مولود شریف جس نیک اور پاک جذبہ کے تحت تصنیف کی گئی ہے وہ

قابلِ داد ہے ۔ فاضل مصنف نے کافی تحقیق و جستجو کے بعد صحیح اور مستند روایات کو دلچسپ اور عام فہم انداز میں بیان کیا ہے اور درمیان میں حسبِ موقع منتخب نعت شریف شامل کی ہیں ۔ اس طرح شگفتہ نثر و دلآویز نظم کے مجموعے نے کتاب کو خاصا دلچسپ اور مفید بنادیا ہے ، اور سیرت نبویؐ کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ۔ میلاد شریف کا اصل مقصد یہی ہونا چاہیے کہ سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں کو بہتر اور مؤثر انداز میں پیش کیا جائے ۔ نیز غیر متعلق اور غیر مستند روایات سے اجتناب کیا جائے تاکہ رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ سے خاص و عام حسب توفیق مستفیض ہوسکیں ۔ فاضل مصنف اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہیں ۔ کتابت طباعت صاف ستھری ہے اور بچوں اور بڑوں کے لیے یکساں مفید ہے ۔

شبنم قادری

سالنامہ پیام تعلیم

"دیر و حرم" سہارنپور کی نظر میں

اڈیٹر: جناب محمد حسین حسان ندوی ۔ ناشر: مکتبہ جامعہ لمٹیڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۔ قیمت: سالانہ چھ روپے ۔ ایک کاپی ۶۰ پیسے ۔ قیمت سالنامہ دو روپے ۔

"ماہنامہ پیام تعلیم" کا سالنامہ ہمیں تبصرہ کے لیے ملا ۔ اس جریدہ کا ٹائیٹل ہی اتنا خوبصورت ہے کہ نظر ہٹائے نہیں ہٹتی ۔ ٹائیٹل پر سلک اسکرین پرنٹنگ سے پھولوں پر دو چڑیاں بیٹھی دکھائی گئی ہیں اور بچوں کی نفسیات جاننے والا بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ چڑیاں بچوں کو کس قدر عزیز ہوتی ہیں اور پھر رنگ برنگ کی چڑیاں بھلا کیسے بچوں کی نگاہوں کا مرکز نہ ہوں گی ۔

یوں تو بچوں کے لیے بہت سے سادہ و پرکار جریدے مختلف جگہوں سے شائع ہو رہے ہیں اور بلاشبہ وہ بھی اپنا اپنا جداگانہ مقام رکھتے ہیں مگر "پیام تعلیم" کا اپنا ایک منفرد مقام ہے ، پیام تعلیم ہی ایسا واحد جریدہ ہے جس کو بچوں کی نفسیات کے ماہر فنکاروں کا تعاون حاصل ہے اس وجہ سے اس جریدہ میں شائع ہونے والا مواد بچوں کے لیے افادیت سے پُر ہوتا ہے جس کو بچے بڑی دلچسپی سے

پڑھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہی ملک میں ایسا واحد ادارہ ہے جس میں بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا بھی عمدہ انتظام ہے اور "پیام تعلیم" جامعہ ملیہ کا آرگن ہے جو اس کے ماحول کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ اس کی ترتیب میں اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی اس جریدہ میں شائع ہو وہ بچوں کی تربیت میں معاون و مددگار ہو۔ اس اعتبار سے "پیام تعلیم" جہاں بچوں کے لیے دلچسپ معلومات فراہم کرتا ہے وہاں ان کے لیے ایک شفیق اور ماہر استاد کا کام بھی دیتا ہے۔

"پیام تعلیم" کا ذاکر نمبر ماضی قریب میں شائع ہوچکا ہے اب زیر نظر سالنامہ اپنی معنوی اور صوری خوبصورتی کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے جس میں بچوں کے لیے ادبی، علمی، تاریخی، سائنسی، اور معلومات سے بھرپور تخلیقات نہایت سلیس زبان اور اچھوتے انداز میں فراہم کی گئی ہیں۔ جو گوناگوں دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ اصلاحی قدروں کی بھی حامل ہیں۔

مجموعی طور پر "پیام تعلیم" کا سالنامہ ایک نہایت سنجیدہ اور خوشنما جریدہ ہے جس کو دلچسپ کہانیوں، ڈراموں، نظموں، مزاحیہ مضامین اور تاریخی جغرافیائی و عام معلوماتی مضامین اور ملکی و غیر ملکی لوک کہانیوں نے حسین سے حسین تر بنا دیا ہے۔

ہم ان تمام والدین سے جن کے بچے زیر تعلیم ہیں پُرزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے نام "پیام تعلیم" ضرور جاری کرا دیں یہ ان کے بچوں کے لیے یقیناً ایک حسین تحفہ ہوگا۔

سید افتخار حسین زیدی

◯ اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ . . . سے آپ کی مدت خریداری ختم ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ کتاب نما کی سرپرستی جاری رکھیں گے اور مبلغ دو روپے زر چندہ بذریعہ منی آرڈر ۱۵ اپریل تک بھیج دیں گے تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔

آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو ہم سمجھیں گے کہ کتاب نما آپ کی سرپرستی سے محروم ہوگیا مجبوراً پرچہ بند کر دیا جائے گا۔

منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے گا۔ آپ کا خریداری نمبر

ع ــــــ ہے

(منیجر)

ادبی خبریں

جشن غالب کے سلسلے میں بین اقوامی سیمنار

بنارس: اتر پردیش میں جشن غالب کے پروگراموں کے سلسلے میں جن کا سلسلہ سال بھر تک جاری رہے گا سب سے اہم پروگرام غالب پر ایک بین اقوامی سیمنار ہوگا جس میں عراق، ایران، پاکستان، برطانیہ، روس اور امریکہ کی ممتاز ادبی شخصیتوں کی شرکت بھی متوقع ہے۔ (قومی آواز لکھنؤ)

امریکی یونیورسٹیوں میں مرزا غالب کی صد سالہ برسی منائی جائے گی

امریکی یونیورسٹیاں برعظیم پاک و ہند کے مشہور اردو اور فارسی کے شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب کی سویں برسی کے موقع پر ایک وسیع پروگرام تیار کر رہی ہیں جس کے مطابق نہ صرف امریکی دانشور اس عظیم شاعر کو خراج عقیدت پیش کریں گے بلکہ برصغیر کے نامور نقاد اور دانشور بھی امریکی یونیورسٹیوں میں مرزا غالب کے افکار پر روشنی ڈالیں گے۔ (قائد)

بچوں کے ادب سے متعلق مقابلہ میں انعامات

نئی دہلی: مرکزی وزارت تعلیم نے بچوں کے ادب سے متعلق تیرھویں انعامی مقابلہ میں شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے استاد اطہر پرویز کے تصنیف کردہ قلمی نسخے بعنوان "ہمارا ہندوستان" کو ایک ہزار روپے بطور انعام دینے کے لیے منتخب کیا ہے۔ ابراہیم فکری کی کتاب "مور۔ قومی پرندہ" پر ان کو ایک ہزار روپیہ کا انعام دیا گیا ہے۔

نئے پڑھنے والوں کے لیے مسودے

نئی دہلی: مرکزی وزارت تعلیم نے نئے پڑھنے والوں کے لیے مسودوں کی فراہمی کے لیے ایک قومی مقابلے کا اہتمام کیا ہے اور اس سلسلے میں ۱۵ اپریل ۱۹۶۸ء تک مسودے طلب کیے ہیں۔

یہ مقابلہ یونیسکو کے زیر اہتمام منعقد کیا جا رہا ہے اور مختلف ہندوستانی زبانوں کے ہر بہترین مصنف کو ۱۶۵۰ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ ہر زبان کے لیے اتنی ہی رقم کے کل ۱۶

انعامات مقرر کیے گئے ہیں تین انعامات ہندی اور ایک ایک انعام آسامی، بنگالی، گجراتی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مراٹھی، اڑیہ، پنجابی کے بہترین مسودوں کے مصنف کو دیا جائے گا۔

یہ مسودے ۴۰ ہزار الفاظ پر مشتمل ہونا چاہئیں۔ کسی ایسے مسودے کو مقابلے میں شامل نہیں کیا جائے گا جسے پہلے کسی مقابلے میں انعام حاصل ہو چکا ہے۔ سندھی، تامل، تلگو اور اردو زبانوں کے مسودے پانچ روپے کی فیس کے ساتھ وزارت تعلیم کے اسسٹنٹ تعلیمی مشیر کو (۲-ای-ایس) نئی دہلی کے پتہ پر بھیجا جا سکتا ہے۔ (سیاست)

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری

علی گڈھ۔ امسال جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر مسلم یونیورسٹی سے اردو میں چار طلبہ کو پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملی ان کے نام اور موضوعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ جمال شریف : دلی سے پہلے اردو شاعری کی دکن میں نشو و نما۔

۲۔ اسمار سعیدی : حسرت عظیم آبادی۔ زندگی اور شاعری۔

۳۔ نیرّ اقبال : اردو قواعد نویسی

۴۔ اسلم رضوی : PHONETICS AND PHONOLOGICAL STRUCTURE OF URDU.

اردو صحافی مولانا عبدالباقی کی وفات

یہ خبر انتہائی رنج و افسوس سے سنی جائے گی کہ مولانا عبدالباقی مالک و مدیر ہفت روزہ کاروان وطن" دلی۔ ۲۳ فروری کو دلی میں انتقال کر گئے۔ مرحوم کم و بیش ۴۵ سال سے میدان صحافت میں تھے انھوں نے اپنی صحافتی زندگی کی ابتدا مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار سے لاہور میں کی تھی۔ مرحوم اردو ہی کے نہیں بلکہ انگریزی کے بھی اچھے صحافی تھے ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ایک اردو دوست کا انتقال

سابق نائب وزیر مرکزی محکمۂ نشریات و اطلاعات لالہ شیام ناتھ کا ۲ مارچ کو بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ لالہ صاحب ہندو مسلم اتحاد کے لیے برابر کوشاں رہتے تھے اور اردو کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے مرحوم ۱۹۵۸ء میں انجمن ترقی اردو کی سالانہ کانفرنس کے خازن بھی رہ چکے تھے۔ ادارہ اس سانحہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

ان کتابوں کو اپنی لائبریری کی زینت بنائیے

واردات	منشی پریم چند	۲/۵۰
آخری تحفہ	" " "	۳/۷۵
سپنوں کا قیدی	کرشن چندر	۳/-
دو ہاتھ	عصمت چغتائی	۳/۵۰
خیالستان	سجاد حیدر یلدرم	۳/۷۵
پت جھڑ کی آواز	قرۃ العین حیدر	۵/۲۵
اپنے دکھ مجھے دے دو	راجندر سنگھ بیدی	۴/-
دانہ و دام	" " "	۳/۷۵
کیمیاگر	پروفیسر محمد مجیب	۳/-
نئی بہاریں	مہندر ناتھ	[illegible]/۵۰
چراغوں کا سفر	رام لعل	۴/-
کالے صاحب	اُپندر ناتھ اشک	۲/۵۰
پرندا اور دوسرے افسانے	آصف مجیب	۱/۵۰
نروان	جیلانی بانو	۴/۷۵
مٹی کی مورتیں	شری رام ورکش بینی پوری	۱/۵۰
سرکنڈوں کے پیچھے	سعادت حسن منٹو	۳/-
ہندوستان ہمارا	بلونت سنگھ	۳/۵۰
غفور میاں	تخلص بھوپالی	۲/۷۵
نمک پارے	سیّد نجی حسن	۲/۲۵
زندگی کے کھیل	صالحہ عابد حسین	۳/-

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

اردو بازار - دہلی ۶ - شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ - پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳

egd. No. D. 58 April 1968.

KITAB NUMA

JAMIANAGAR NEW DELHI-25

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ماہنامہ

کتاب

مئی ۱۹۶۸ء

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

میمورنڈم

جو اطہر پرویز لکچرر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو اپنی تصانیف کے ساتھ پیش کیا۔

بڑے فخر اور مسرت کے ساتھ اطہر پرویز اپنی کتابیں (۳۰ کی تعداد میں) وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ ان میں سے بیشتر کتابوں پر مصنف کو تعلیمات کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارتوں اور حکومت اتر پردیش سے انعامات مل چکے ہیں۔

پچھلے بیس سال سے مصنف بچوں اور بالغوں کے لیے اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کر رہا ہے اور بڑے دکھ درد سے وزیر اعظم کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر رہا ہے کہ اتر پردیش بہار اور دہلی (یہ وہ ریاستیں ہیں جہاں اردو کی ابتدا اور نشو و نما ہوئی) میں اردو زبان کے لیے ایک الم ناک صورت حال درپیش ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ریاستوں کے زیادہ تر اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے اور اردو زبان اور رسم خط خود ہمارے بچوں کے لیے اجنبی ہوتا جا رہا ہے۔ آج اردو میں ایک اشاعتی ادارہ بھی ایسا نہیں ہے جو بچوں کے لیے کتابیں چھاپ سکے۔ کیونکہ بچوں میں اردو پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔

مصنف کے پاس اس وقت بھی تقریباً دو درجن مسودے ایسے ہیں جو اسی سبب سے نہیں چھپ سکے۔

یہ بات کہ اردو جیسی گراں بہا اور مہذب زبان آہستہ آہستہ مرجھا رہی ہے ان تمام لوگوں کے لیے باعث تشویش و فکر ہونا چاہئے جو تہذیب و روایت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

آزادی کے بیس سال کے اندر اندر تعلیمی اداروں میں اردو کی اہمیت ختم ہوتی چلی جا رہی ہے اور بچوں کے لیے لکھنے والوں کے سامنے ایک اہم مسئلہ آتا ہے ــــ "وہ کس کے لیے لکھیں"۔

اردو میں بچوں کا کوئی پروگرام آل انڈیا ریڈیو کے دہلی اسٹیشن سے نشر نہیں ہوتا اور اس کے نتیجے کے طور پر بچوں کے لیے لکھنے والے ادیبوں کو ریڈیو کے لیے لکھنے اور نشر کروانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

چلڈرن بک ٹرسٹ میں اردو ادیبوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس ٹرسٹ سے آج تک اردو کی کوئی کتاب نہیں چھپ سکی۔

ماہنامہ کتاب نما
نئی دہلی ۲۵
مینجنگ ایڈیٹر:- غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول: مجیب احمد خاں
مئی ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۵
سالانہ چندہ: دو روپے
فی پرچہ: بیس پیسے

اشاریہ :-

اردو کو کوئی علاقہ میسر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، بھارت کی راجدھانی میں اسے ایک گھر تو مل ہی گیا - افراتفری کے اس دور میں یہی بہت غنیمت ہے - اردو گھر کی موجودگی میں اب ہم یہ تو نہ کہہ سکیں گے کہ ع

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

دعا ہے کہ اردو گھر کی یہ عمارت جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے -

۲۳ مارچ ۱۹۶۸ء کو وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ہاتھوں جس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے، اس کے جلد ہی تعمیر ہو جانے سے بھی ہم مایوس نہیں ہیں یہ تقریب بڑی سادہ مگر پُر شکوہ طریقے پر منائی گئی، محترمہ اندرا گاندھی کی تقریر اتنی ہی دل خوش کن اور دلفریب تھی جیسی ان کے پیش رو وزرائے اعظم، وزرائے تعلیم، اور ملک کے ذمہ دار نیتا بیس برس سے کرتے آئے ہیں - اس لیے ان کے الفاظ میں کوئی دلکشی نہیں محسوس ہوئی -

پھر خیال آیا کہ ان رہنماؤں نے صرف تقریریں کی تھیں، کوئی ٹھوس چیز نہیں پیش کی تھی محترمہ اندرا گاندھی کے عہد حکومت میں چند گز زمین اردو گھر کے لیے ارزانی ہوئی اور خود محترمہ نے عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا -

یہ باتیں عملی اقدام کی پیشین خیمہ بھی جا سکتی ہیں - اور امید پیدا ہوتی ہے کہ "پدر اگر نتواند پسر تمام کند" کے مصداق شاید شریمتی اندرا گاندھی ان وعدوں کو عملی شکل بھی دے سکیں جو بادش بخیر اردو کے لیے ان کے محترم والد نے کیے تھے مگر پورے نہ ہو سکے - اور اس طرح اس مظلوم زبان کو اس کا وہ حق مل جائے جس کے لیے بہی خواہان اردو بیس برس سے جدوجہد کر رہے ہیں -

شریمتی گاندھی نے یہ بالکل بجا فرمایا کہ "بدقسمتی سے اسے سیاست اور فرقہ واریت میں

گھسیٹا گیا ہے۔" یقیناً یہ اقدام زبان سے زیادہ ملک اور قوم کے حق میں سخت ضرر رساں ثابت ہو رہا ہے۔ مگر ملک کے کچھ کوتاہ نظر افراد اور جماعتیں اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند رکھنا ہی ملک کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔ کاش وہ ذیل کی عبارت پڑھنے کی زحمت گوارا کریں جو انجمن ترقی اردو نے اپنے تعارفی کتابچہ میں درج کی ہے "یہ بات کچھ کم فخر کی نہیں ہے کہ ابتدا میں انجمن نے جب چند ہمدرد اور سرپرست ایسے بنائے جنھیں پانچ ہزار سے پانچ سو تک یکمشت چندہ دینا پڑتا تھا تو ایسے چھیاسی اصحاب میں سے ۱۷ انگریز اور ۲۳ ہندو تھے ان میں بھی سرفہرست جن بزرگ کا نام تھا وہ راجا امانت راؤ مہا ملونت جاگیردار دوم کنڈہ کا تھا۔ یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ انجمن نے سب سے پہلا انعام جس اردو مصنف کو دیا وہ مترجم منشی برائن پرشاد ورما تھے اور کتاب "پیغمبران ہند" تھی جس میں سری کرشن جی، گوتم بدھ اور ہندو مذہب کے اصول و عقائد کا تذکرہ تھا یہ آج سے تقریباً چالیس پچاس سال پہلے کی بات ہے درحقیقت انجمن کی یہ سیکولر روش آج کل کے حالات کا نتیجہ نہیں ہے آغاز ہی سے اس کا یہ مزاج رہا ہے" اور انصاف کریں کہ اردو پر فرقہ واریت یا صرف مسلمانوں کی زبان ہونے کا الزام کس حد تک دیانت داری پر مبنی ہے۔

فرقہ واریت کا ذکر آگیا تو دہلی کی "سامپرادائکتا ورودھی کمیٹی" کی یاد بھی آگئی۔ یہ کمیٹی فرقہ واریت کے خلاف بڑی بے جگری اور تن دہی کے ساتھ سرگرم رہی ہے۔ "سیکولر ڈیماکریسی" کے نام سے انگریزی میں ایک ماہوار رسالہ نکالتی ہے انگریزی کے علاوہ اردو اور ہندی میں بہت مفید اور سستے کتابچے بھی شائع کرتی ہے۔ ان کتابچوں کے مطالعے سے فرقہ واریت کی عریاں تصویر سامنے آجاتی ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ قلم کار کو آپریٹیو لمیٹڈ، کملا مارکیٹ، آصف علی روڈ نئی دہلی سے یہ لٹریچر منگا کر مطالعہ کریں تاکہ فرقہ واریت کے سدباب کے لیے آپ بھی اس کمیٹی کو اپنا تعاون پیش کرسکیں اور کمیٹی زیادہ مؤثر طریقے پر اپنا فرض انجام دے سکے۔

● جناب نقی احمد صاحب ارشاد، ڈپٹی مجسٹریٹ لہریا سرائے۔ دربھنگہ نے اپنے جد مرحوم حضرت شاد عظیم آبادی کی نو مثنویوں کا مجموعہ معہ شرح و حواشی مرتب فرمایا ہے، موصوف اس کی اشاعت کے متمنی ہیں۔

آئینہ خانہ بنے گا جلوۂ صدرنگ کا

پروفیسر آل احمد سرور

یہ نظم ۲۳ مارچ کو نئی دہلی میں اردو گھر کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں پڑھی گئی۔

ہم نے کتنے خواب دیکھے، خوابِ آزادی کے ساتھ
بستیاں کتنی بسائیں، دل کی آبادی کے ساتھ
خواب کتنے ہیں مگر شرمندۂ تعبیر ہیں
نقش کتنے ہیں جو حسرتِ خانۂ تعمیر ہیں
یوں تو ساقی مہرباں ہے اور دورِ جام ہے
اپنے میخانے میں پھر بھی تشنہ کامی عام ہے
"گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے"
یہ زباں اپنے چمن میں سبزۂ بیگانہ ہے
یہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والی زباں
وادیٔ گنگ و جمن کی گود کی پالی زباں
یہ محبت کی زباں، حرف و حکایت کی زباں
دین و دانش کی زباں، عرفان و حکمت کی زباں
آگہی کی ترجماں، آدابِ مستی کا نشاں
بلبلِ رنگیں نوائے گلشنِ ہندوستاں
اپنے کھیتوں اپنے کھلیانوں کی خوشبو اس میں ہے
اپنے شہروں اپنے بازاروں کا جادو اس میں ہے
کیسی کومل کیسی چنچل کس قدر پیاری زباں
کیسی گن والی زباں اور کیسی دکھیاری زباں
شوق کی وادی میں پھر خیمہ بپا ہونے کو ہے
یعنی اردو گھر کی دلّی میں بنا ہونے کو ہے
نقشِ نو تعمیر ہوگا دانش و فرہنگ کا
آئینہ خانہ بنے گا جلوۂ صدرنگ کا

تعارف

اکبر
لارنس بنین مترجمہ: رضیہ سجاد ظہیر

پنڈت وشنو دگمبر
ڈی۔ آر۔ اٹھاولے مترجمہ: س۔ ا۔ قدوائی

مرکزی حکومت نے ۱۹۵۷ء میں "نیشنل بک ٹرسٹ۔ انڈیا" قائم کیا۔ یہ خود مختار ادارہ، مرکزی وزارتِ تعلیم کے تحت کام کرتا ہے جس کا مقصد معقول قیمت پر معیاری ادب کی ترویج واشاعت ہے۔ پچھلے دس برس کے اندر اس ٹرسٹ نے انگریزی اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں تقریباً دو سو کتابیں شائع کی ہیں۔ کتابوں کی اشاعت کا کام، یہ ادارہ خود بھی کرتا ہے، مرکزی وزارتِ اطلاعات سے بھی کراتا ہے اور ناشرین کتب سے بھی۔

فی الحال کتابوں کے چھ مختلف سلسلے جاری کیے ہیں۔ ان میں سے ایک قومی سوانحات کا سلسلہ بھی ہے۔ انگریزی زبان میں اس سلسلے کی نو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اردو میں "اکبر" اور "پنڈت وشنو دگمبر" پہلی دو کتابیں ہیں۔

لارنس بنیں کی تصنیف "اکبر" بین الاقوامی شہرت کی مالک ہے۔ اس میں افسانے کی سی روانی پائی جاتی ہے اور شاعرانہ لذت۔ ساتھ ہی ساتھ تاریخی حقیقت اور غیر جانبداری بھی نمایاں ہے۔ رضیہ سجاد ظہیر کے ترجمے میں، اصل کی خوبیاں بدستور قائم ہیں۔ وہ خود ایک شگفتہ قلم افسانہ نگار خاتون ہیں۔ انھوں نے بنین کی اس شہرہ آفاق تصنیف کے ترجمے میں اس کا حق ادا کیا ہے۔ ذرا ابتدائی دو پیرے گراف ملاحظہ ہوں:

"انسان جب لوگوں کے متعلق سوچتا ہے جن پر شہرت مہربان ہوئی اور شہرت اکثر تقدیر کے مانند حق و ناحق نہیں دیکھتی۔ تو اس کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ خوش اعتقادی سے کام لے۔ وقت کی رفتار اور زمانہ کے فاصلے سے یہ مشہور ہستیاں اپنے چاروں طرف ایک افسانوی ہالہ بنا لیتی ہیں اور کبھی کبھی دنیا والوں کی خوش فہمیوں کے ساتھ مل کر ایسا فریب نظر تیار

کرتی ہیں کہ مخصوص انفرادی روایتیں تخلیق ہوجاتی ہیں۔ جب اس طرح کوئی ہستی دنیا بھر کے ذہن پر چھا جاتی ہے تو عقل پسندوں کی ساری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ کسی نپولین کے بارے میں پھیلے ہوئے مبالغوں کو چاہے جتنا غلط ثابت کیا جائے، اس کی عظمت کی داستانوں کی چاہے جتنی پول کھولی جائے پر وہ اس طرح زمانے پر چھایا رہتا ہے جیسے اس کا یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔

لیکن دنیا کے حکمرانوں اور فاتحوں میں اکبر کی ہستی ضرور ایسی ہے کہ جو خود ہی روایتوں کو رد کر دیتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے مورخوں نے نمک حلالی کے مارے کچھ حقیر کوششیں ضرور کی ہیں کہ اس کے چاروں طرف شان و شوکت کا ایک ایسا محیط بنائیں جو بشریت سے بالاتر ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ہونہار بروا کے جو آثار ہوتے ہیں وہ شروع سے تھے (مثلاً سات مہینے کی عمر میں اس نے پنگوڑے میں لیٹے لیٹے ہی ایک شاندار تقریر کر ڈالی تھی) لیکن یہ افسانوی تاج اس کے سر پر بیٹھتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ بیزار ہو کر زنجیروں کو جھٹک دینا چاہتا ہے۔ ویسے یہ نہیں کہ اکبر کو شان و شوکت کی کوئی پیاس نہ رہی ہو۔ دور دور بھی ایسا نہیں ہے۔ بات اتنی ہے کہ اکبر کے لیے صرف سچائی، صرف حقیقت کافی تھی۔ اور حقیقت بھی ایسی جسے وہ خود پسند کرے، خود قبول کرے۔"

بنین کی اس کتاب میں کل ۱۵ ابواب ہیں جنھیں کسی طور پر طویل نہیں کہا جا سکتا۔ ساتویں باب کا ایک ٹکڑا غالباً دلچسپی کا باعث ہو جس سے اکبر کے کردار پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔

"اکبر کا ذہن بھی اس کے جسم کی طرح کبھی نچلا نہ بیٹھتا تھا۔ مذہبی معاملات پر بحث و مناظرے کا اسے خاص طور پر شوق تھا۔ لیکن خیال کی وادیوں میں نکل کر وہ ہمیشہ عارضی فیصلے کرتا تھا، ہچکچاتا تھا۔ پس و پیش میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ میدان اس کے لیے صرف ذوق کی تسکین کا سامان تھا جسے اس کے شوق نے ہوا دی تھی۔ یہ اس کا فطری رجحان نہ تھا۔ لیکن، دوسری طرف عمل کے میدان میں اس کی فطرت، اس کی سرشت اور اس کا خون پھوٹا نکلتا تھا۔ جس طرح کوئی فطری مصور نقش کھینچنے میں کھو جاتا ہے، موسیقی داں سُر اور لَے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اکبر مسرت عمل سے مدہوش ہو جاتا تھا۔ وہ جہاں انگلی رکھ دیتا تھا وہ جگہ یقینی ہوتی تھی۔ دل اندھے فوراً پتے کی بات کہہ دیتا تھا۔

اور وہ لوگ جو عمل کے میدان میں زوردار اور قطعی قدم اٹھانے کے لیے فطرت کی طرف سے شوق اور صلاحیت لے کر پیدا ہوتے ہیں، ان کی صلاحیت اور یہ قوت جب کبھی جلوہ دکھاتی ہے تو ضرور ان کی ٹکر اپنے ہم جنس انسانوں سے ہوتی ہے، کسی نہ کسی طرح دوسروں کو محکوم بنانے اور فتح کر لینے کی خواہش ایسی زبردست ہوتی ہے، کہ وہ خود بھی اسے رد نہیں کر سکتے۔

اکبر کی شخصیت میں در اصل ہمارے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ فتوحات کی فطری خواہش پوری کر لینے کے بعد وہ پھر اپنی شخصیت کے دوسرے پہلو پر واپس آجاتا ہے، پھر فیاضی اور انسان دوستی اس کے دل ودماغ پر چھا جاتی ہے۔ جن لوگوں کو وہ فتح کرتا تھا، وہ اس کی حکومت کو مان لیتے تھے، اس کی اطاعت کو قبول کر لیتے تھے۔"

ان اقتباسات سے مصنف کے طرز تحریر اور ترجمے کی خوبی دونوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پنڈت وشنو دگمبر، کے دیباچے میں ڈاکٹر بال کرشن کیسکر (سابق وزیر حکومت ہند، چیرمین نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا) فرماتے ہیں کہ۔

"ہندوستان کی تاریخ میں انیسویں صدی کا نصف دور کافی اہم تصور کیا جا سکتا ہے۔ اسی صدی میں ۱۸۵۰ء سے ۱۹۰۰ء تک ہندوستان کے افق پر بہت سی ممتاز ہستیاں ابھریں جنھوں نے ہندوستانی قوم کے ہر شعبۂ حیات کو نئی زندگی بخشی۔ مثال کے طور پر مہاراشٹر میں لوکمانیہ تلک، بنگال میں سوامی ویویکانند و شری اروند گھوش، پنجاب میں لالہ لاجپت رائے اور رام تیرتھ، دکھنی ہندوستان میں ستری کستوری رنگ آئینگر کچھ ایسے لوگ تھے جنھوں نے ملک میں نئی بیداری کی راہیں روشن کیں۔

در اصل یہ ہندوستان کا تجدیدی دور ہے۔ انگریزی حکومت کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں اور ملک کا روشن خیال طبقہ نئے طریقۂ تعلیم کی وجہ سے مغربی خیالات سے آشنا ہو رہا تھا، نئے خیالات نئے نظریات اور سائنس پرستی، زاویۂ حیات تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن میں ایک نئی بیداری کو جنم دے رہے تھے۔ ملک کے لیڈر و مفکر ہندوستان کی قدیم عظمت کو بحال کرنے کے ساتھ ساتھ سماج کو نئے انقلابی رجحانات کے پروردہ خیالات سے بھی متعارف کر رہے تھے۔ جذبۂ قومیت، قدیم ہندوستان کے ورثہ کی نگہداشت کا

کا احساس اور جمہوری طرزِ فکر براہ راست اس نئے اندازِ خیال کی دین ہیں۔

مہاراشٹر میں، قوم کی بے لوث خدمت کرنے والے کارکنوں کا ایک طبقہ آگے بڑھ رہا تھا۔ مہادیو گووند راناڈے، وشنو شاستری چپلونکر کی تعلیمات نے نئی نسل میں قومی خدمت کا جذبہ پیدا کیا۔ ان رہنماؤں کی تعلیم سے متاثر ہو کر عوام میں علم کے پرچار کا کام اس پود نے اپنے ذمّہ لے لیا۔ لوگوں میں سماجی شعور اور سیاسی بیداری پیدا کرنا اور جمہوری بنیادوں پر سماج کی تشکیل کرنا اُن کے مقاصد تھے۔ اس نظریے کی تکمیل کے لیے تمام مذہبی ذرائع میں تعلیم، ادب، ڈراما اور دوسرے فن وغیرہ شامل ہیں، روبہ کار لانا ضروری تھا۔ اس آدرش نے ہمارے نظریۂ حیات کو مذہبی و اخلاقی پاکیزگی بخشی۔

موسیقی کو ہماری قومی تہذیب کا ایک اہم جز ماننے کی سعی جاری تھی۔ اس فن کی عظمت کو بحال کرنے کی کوششیں بھی کی جا رہی تھیں اُس وقت اس فن کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو جاہل تھے اور جن میں قوتِ اختراع نام کو بھی نہ تھی۔ صرف امراء اور رؤسا اس فن کے سرپرست تھے اور یہ فن ان کے لیے ہی مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ ماضی کو از سرِنو زندگی بخشنے کی تحریک اور اصلاح نے موسیقی پر اثر ڈالا۔ اس تحریک کے روحِ رواں دو نوجوان وشنو تھے۔ ایک کا نام وشنو نرائن بھاتکنڈے تھا اور جو پنڈت بھاتکنڈے کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ دوسرے وشنو دگمبر پلسکر تھے جو پنڈت وشنو دگمبر کہلائے۔ ان دونوں فنکاروں نے موسیقی کی بہتری کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔

ان دونوں فن کاروں کی زندگی کا مطالعہ اور موسیقی کی دنیا میں ان کے کارہائے نمایاں پر نظر کیے بغیر فنِ موسیقی کا طالب علم اپنی تعلیم کی ابتدا ہی نہیں کر سکتا۔ باوجودیکہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر تھے مگر ان کے کام کی نوعیت ایک دوسرے سے بہت مختلف تھی۔ بھاتکنڈے نے قدیم و جدید ہندوستانی موسیقی کا تحقیقی مطالعہ کیا اور ساری زندگی اس میں نظم و ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پلسکر نے عملی قدم اٹھایا اور موسیقی کو مقبول بنانے کی تدابیر کیں۔ انھوں نے اس فن کو سماج کی نظروں میں بلند و باوقار بنایا۔ اُس وقت موسیقار ایک نیچے طبقے کا فرد تصور کیا جاتا تھا۔ وہ لوگ جو اس فن کے مدّاح بھی تھے موسیقار کو گری ہوئی نظر سے دیکھتے تھے۔ موجودہ نسل کے لیے یہ تصور کرنا کافی

مشکل ہے کہ موسیقار کا درجہ کتنا گرا ہوا تھا اور فن موسیقی کا کیا حال تھا۔ ان دو دلیر ہستیوں نے فن موسیقی میں اصلاح کی اور فن کاروں کے مرتبہ کو بھی بلند کیا۔ وہ جس دلیری اور ثابت قدمی کے ساتھ ساری زندگی اپنے مقاصد کے لیے کام کرتے رہے وہ ضرب المثل ہے۔ یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ اپنی زندگی ہی میں ان کے مقصد کی کم و بیش تکمیل ہوگئی۔"

یہ سوانح شری وی۔ آر۔ اٹھاولے کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ ش۔ا۔ قدوائی صاحب نے فرمایا ہے۔ شری اٹھاولے آل انڈیا ریڈیو بمبئی میں میوزک پروڈیوسر ہیں۔ وہ ایک ماہر گلوکار اور مستند موسیقار ہیں۔ فن موسیقی پر آپ کے متعدد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر سوانح میں شری اٹھاولے نے ان نامساعد حالات کا ذکر دیا ہے جن میں پنڈت وشنو دگمبر نے فن موسیقی کی آبیاری میں اپنی زندگی صرف کی۔ ان کے بیان میں فن اور روح دونوں کے ساتھ ربط خاص کی نمود ملتی ہے۔ ترجمہ بھی رواں ہے۔

ایک ملک کی تاریخ اپنے اکابرین کی زندگی سے عبارت ہے۔ اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ ایک عام قاری کو عام فہم اور دلچسپ انداز میں دیس کی نامور ہستیوں کی زندگیوں سے روشناس کرایا جائے اور آہستہ آہستہ مختلف جلدوں کی صورت میں اس کے پاس نامورانِ وطن کا ایک "قاموسِ مشاہیر" یا انسائیکلوپیڈیا تیار ہو جائے۔

یہ دونوں کتابیں صاف ستھری چھپی ہیں۔ لیکن قیمت کچھ زائد معلوم ہوتی ہے۔

"نیشنل بک ٹرسٹ۔ انڈیا" نے ابھی تک اردو میں چند ہی کتابیں شائع کی ہیں لیکن اب توقع ہے کہ ٹرسٹ کے موجودہ سکریٹری جناب کرتار سنگھ دگل صاحب جیسے مقبول اردو افسانہ نگار کے عہد میں اردو کے شائقین کو اس آہستہ خرامی کا گلہ باقی نہ رہے گا۔ یہ کتابیں مکتبہ جامعہ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف	ناشر	قیمت
لاجونتی	رمیش جین	پنجابی پستک بھنڈار دہلی	۴/۵۰
امیر خسروؒ	علی عباس حسینی	” ” ”	۳/۷۵
ضرورت ہے ایک قاتل کی	ہنری ٹالٹ	” ” ”	۶/۵۰
ند سری سے پہلے	کرشن چندر	نفیس پبلشرز الہ آباد	۵/-
سایۂ شیطان	مظہر الحق علوی	نسیم بکڈپو، لکھنؤ	۱۰/-
ہمزاد	مسعود جاوید	” ” ”	۱۰/۵۰
صبا	سلمیٰ کنول	” ” ”	۸/-
خوفناک گھاٹی	مظہر الحق علوی	” ” ”	۲/۵۰
مرزا رسوا حیات اور ناول نگاری	ڈاکٹر آدم شیخ	” ” ”	۴/-
مضامین لسان الصدق	عبدالقوی دسنوی		۲/۵۰
ظلم کی شکست	جلیس سہسوانی خلیل احمد سہسوانی		۲/-
مخدوم ایک مطالعہ	داؤد اشرف	حیدرآباد	۲/۵۰
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی	سعید احمد صدیقی	مکتبہ شاہراہ، دہلی	۱/۵۰
نغمۂ شعور	عبدالمتین نیاز	مرکز ادب بھوپال	
تذکرہ عقد ثریا	غلام ہمدانی مصحفی۔ مترجم۔ عطا کاکوی	پٹنہ	۲/-
تذکرہ صبح گلشن	سید علی حسن خاں ”	” ” ”	۱/۵۰
تذکرہ نتائج الافکار	قدرت اللہ گوپاموی ”	” ”	۱/۵۰
نوائے سرور	ڈاکٹر حکم چند نیر	بنارس	۶/-
کلیات مصحفی (مجلد)	مرتبہ۔ ڈاکٹر نورالحسن	مجلس اشاعت ادب دہلی	۱۶/۲۰
جلتے کنول	شمس	لکھنؤ	۲/-
شادیانے	بشارت شکوہ	”	۴/-

ضیائے نور	مرتبہ سید محمد اللہی	حیدر آباد	-/۳
خاک کا پتلا	مریم زمانی	سیرت پبلشرز - امروہہ	-/۳۰
آگ کا چمن	〃 〃	〃 〃 〃	-/۳۰
بیٹے کی قربانی	〃 〃	〃 〃 〃	-/۳۰
بادشاہ کا خواب	〃 〃	〃 〃 〃	-/۳۰
مچھلی والے نبی	تسنیم قادری	〃 〃 〃	-/۳۰
آخری نبیؐ	〃 〃	〃 〃 〃	-/۵۵
طالوت جالوت	مریم زمانی	〃 〃 〃	-/۳۰
نبی کا بیٹا	〃 〃	〃 〃 〃	-/۳۰
خدا کی اونٹنی	〃 〃	〃 〃 〃	-/۳۰
سبا کی شہزادی	〃 〃	〃 〃 〃	-/۴۰
جیب کا روزہ	〃	〃 〃 〃	-/۳۰
لاٹھی کا سانپ	〃 〃	〃 〃 〃	-/۵۵

● میں ہندوستان بھر کے تمام موجودہ اردو شعراء کا مختصر تعارف کتابی شکل میں ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ اس تعارف میں اردو کے تمام ہندوستانی شعراء کے نام، مکمل پتے، عمر، مشاغل، استاد کا نام، خود استاد ہوں تو تلامذہ کی تعداد، مصنف بھی ہیں تو تصانیف کی تفصیل - وغیرہ چیزیں شامل ہوں گی - میری کوشش اور تمنا ہے کہ اس تعارف میں سبھی شعراء شامل ہو سکیں - لہٰذا تمام ہندوستانی شعراء سے درخواست گزار ہوں کہ وہ اپنے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ مجھے فراہم فرماکر ممنون فرمائیں - بزرگ اساتذہ کے تلامذہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے اساتذہ کے حالات سے بھی مجھے مطلع فرمائیں - امید ہے تمام شعراء اس اہم کام میں مجھ سے تعاون فرمائیں گے۔

شکریہ

پتہ : قمر سنبھلی ۱۵۳۸ بی/ سڑک دہلی ۶

عنایت حسین عیدن

ماریشس میں اردو

جزیرہ مڈگاسکر کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کا نام ماریشس ہے، انگریزوں کے قبضے میں تھا، ۱۲ مارچ ۱۹۶۸ء کو آزاد ہو گیا۔ اس جزیرے کے اپنے باشندے نہ تھے یہاں اب سے کئی سو سال پہلے دوسرے ملکوں سے لوگ یہاں آکر بس گئے تھے اسی لیے اس جزیرے کے تقریباً سات لاکھ باشندوں میں، یورپین، چینی، افریقی اور ہندوستانی نسل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی سرکاری زبان انگریزی ہے لیکن فرانسیسی زبان کا انگریزی کے مقابلے میں زیادہ اثر ہے۔ فرانسیسی زبان عام طور پر بولی جاتی ہے۔ اخبار بھی اسی زبان میں چھپتے ہیں۔ ریڈیو کا پروگرام بھی فرانسیسی میں ہوتا ہے البتہ تعلیم انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبان میں دی جاتی ہے۔ فرانسیسی کے ساتھ ایک علاقائی زبان بھی وجود میں آگئی ہے جسے کریول (CREOLE) کہتے ہیں۔ یہ زبان فرانسیسی کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے جس کو عام لوگ بولتے ہیں۔ دیہات میں بسنے والے ہندوستانی نسل کے باشندے ایک ہندوستانی بولی بولتے ہیں جو پوربی بولی سے کچھ ملتی جلتی ہے گو کہ اس میں فرانسیسی زبان کے بہت سے الفاظ آگئے ہیں۔ ان لوگوں میں کم لوگ ایسے ہیں جو اردو یا ہندی پڑھ یا لکھ سکتے ہیں۔ عام طور پر اردو یا ہندی پڑھنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو تبلیغی کام کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مذہبی رہنما سنسکرت کے ساتھ کچھ کچھ ہندی کی بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے مولوی ہوتے ہیں جو عربی پڑھ تو لیتے ہیں لیکن اُسے سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ عربی کے ساتھ اردو بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ماریشس میں اردو کی تاریخ بہت قدیم نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز سے اردو کی ترقی شروع ہوئی ہے۔ وہاں کی مسجدوں میں امامت کے لیے ہندوستان سے مولوی لوگ بلائے جاتے تھے اور یہاں اردو کا فروغ اُن ہی کا مرہون منت ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر چند مقامی لوگ بھی اردو سیکھ لیتے تھے اور وہ کسی دوسری جگہ جاکر امامت کرنے کے ساتھ کچھ بچّوں کو اردو بھی سکھاتے تھے۔ آج بھی مسجدوں میں بعض اوقات اردو پڑھائی

جاتی ہے حالانکہ یہ لوگ زیادہ زور عربی پڑھنے پر دیتے ہیں، ماریشس میں بھی پہلے پہل داستان گوئی ایک بڑا دلچسپ مشغلہ تھا - الف لیلیٰ، داستانِ امیر حمزہ، قصۂ حاتم طائی اور باغ و بہار یہاں اکثر گھروں میں پائی جاتی ہیں - رفتہ رفتہ اردو سیکھنا اور پڑھنا مقدس کام بن گیا اور دھیرے دھیرے اردو نے ایک اچھی پوزیشن حاصل کرلی - یہاں حقیقت یہ تھی کہ صحیح اردو پڑھانے والا کوئی نہ تھا - بچوں کو صرف اردو پڑھائی جاتی ہے لیکن وہ ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکتے تھے - اردو کے صرف و نحو سے بھی واقف نہیں ہوتے تھے - بس کسی طرح اردو پڑھ لیتے تھے - اردو کو اس حد تک مقدس مانا جاتا تھا کہ جب کسی مسلمان کو کاغذ مل جاتا تھا جس میں اردو لکھی ہوتی تھی تو وہ اسے جلا دیا کرتا تھا یا اُسے کسی کونے میں محفوظ کر دیتا تھا تاکہ یہ کاغذ کسی کے پیروں کے نیچے نہ آئے - اردو سیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ مجلس[1] یا مولود[2] پڑھی جا سکیں - اردو کتابیں مشکل سے ملتی تھیں اور جو کتابیں تھیں بھی وہ صرف مذہبی نوعیت کی تھیں - ماریشس میں مولانا حکیم عبد اللہ رشید نواب رشیدی کی آمد اردو کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی - جب انھوں نے دیکھا کہ ماریشس کے لوگ اردو سے بڑا لگاؤ رکھتے ہیں تو انھوں نے اردو پڑھانے کا بہتر طریقہ اختیار کیا - مولانا رشید ماریشس کی جامع مسجد کے امام تھے اور امامت چھوڑ کر انھیں نے مسلمانوں کی تعلیم کی طرف اپنی بقیہ زندگی گزاری - وہ عالم تھے اور شاعر بھی رشید تخلص فرماتے تھے - سیماب اکبرآبادی سے ان کی گہری دوستی تھی - سیماب کے موحد اعظم کے جواب میں مولانا رشید نے ایک نظم شہاب ثاقب لکھی جو اسطامی پریس حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے - اس نظم میں آدم کی تخلیق کے راز اور ابلیس کی حرکات کی حقیقت پر نہایت واضح روشنی ڈالی گئی ہے - اُن کی دوسری نظم فلسفۂ زندگی بھی شائع ہوئی - مولانا رشید چاہتے تھے کہ اردو مسلمانوں کی قومی زبان ہو - پہلے انھوں نے خود اردو پڑھانا شروع کیا اُن کی مدد سے چند نوجوانوں نے اردو اور عربی میں کافی مہارت حاصل کرلی - جن میں جناب شوکت علی امام دین بھی ہیں - جو اپنے استاد کے نقشِ قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرتے رہتے ہیں - آج بھی وہ مسلم ہائی اسکول میں پڑھاتے ہیں - یہ وہی اسکول ہے جسے عبد اللہ رشید نے قائم کیا تھا اور جو اب تک مسلم ہائی اسکول کے نام سے مشہور ہے - اس اسکول میں عربی کے ساتھ ساتھ اردو پر زیادہ

---

[1] مجلس - جن موقعوں پر پڑھی جاتی ہیں محرم کے مہینے میں ربیع الاول اور ربیع الآخر کے مہینے میں ان مجلسوں میں شہدائے کربلا، پیغمبر اسلام اور عبد القادر جیلانیؒ کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں -

[2] مولود میں حضرت محمدؐ کی شان میں نعت پڑھی جاتی ہیں -

زور دیا جاتا ہے - مولانا نے خود عربی کے لیے چند کتابیں لکھیں اور اردو کے لیے ان کتابوں کو استعمال کرنے لگے جو ان دنوں ہندوستان کے اسکولوں میں رائج تھیں - اردو شاعری پر بھی انھوں نے زور دیا - اُن کے ذریعے مارِیشس میں اقبال کی مقبولیت بڑھی - اُن کی یہ حسرت باقی رہ گئی کہ مارِیشس میں ایک پریس قائم ہو جائے - اِدھر مسلم ہائی اسکول روز بروز ترقی کرتا گیا - اُدھر مولانا کی وجہ سے مارِیشس میں جگہ جگہ اسکول کھولے جانے لگے جہاں عربی اردو یکساں طور پر پڑھائی جانے لگی - ہندوستان اور پاکستان کے رسالے اور کتابیں آنے لگے - عوام میں اردو سیکھنے کا ایک جذبہ پیدا ہو گیا جو روز بروز بڑھتا گیا - مولانا صاحب کی کوششوں اور محنت کا پھل تو صحیح معنوں میں اُس وقت ملا جب حکومت نے پرائمری اسکولوں میں اردو کی پڑھائی شروع کی - ۱۹۵۲ء سے اردو اور ہندی کی تعلیم پرائمری اسکولوں میں شروع ہوئی ہندوستان کے جناب رام سرکاش نے اردو اور ہندی دونوں کی ترقی کے لیے بہت محنت کی - ابتدائی دور میں انھوں نے ایسی درسی کتابیں نصاب میں شامل کیں جو ہندوستان کے اسکولوں کے نصاب میں ہوتی تھیں - کچھ دنوں کے بعد انھوں نے ہندی میں خود کتابیں تیار کیں لیکن اردو کے لیے پاکستانی کتابوں کو نصاب میں شامل کر دیا - اردو کی پڑھائی میں ترقی ہوتی گئی اور آج مارِیشس کے ہر اسکول میں اردو پڑھانے کے لیے ایک مدرس ہے -

ریڈیو اور ٹیلیویژن نے بھی اردو سیکھنے کی طرف رجحان پیدا کر دیا - ریڈیو میں ڈیڑھ گھنٹے کا ہندوستانی پروگرام ہوتا تھا جس میں مختلف چیزیں نشر کی جاتی تھیں - پروگرام ہندوستانی زبان میں ہوتا تھا یعنی بعض وقت اردو اور بعض وقت ہندی میں - ہندوستانی فلمی گانے اور ہندوستانی فلموں کے ذریعہ لوگ اردو زیادہ سمجھنے لگے - اب ریڈیو کا پروگرام چار گھنٹے کا ہو گیا ہے اور ٹیلی ویژن پر ہفتے میں دو مرتبہ ہندوستانی پروگرام ہوتا ہے -

۱۹۵۶ء میں جناب فنڈن بی اے کی مدد سے جامعہ اردو علی گڑھ کا ایک مرکز مارِیشس میں قائم کیا گیا - فنڈن صاحب جامعہ اردو کے سپرنٹنڈنٹ ہیں انھوں نے برنادیں دے سیں پیئر کے ناول پال اے ویرژنی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے - جامعہ اردو کے امتحانات کو حکومت مارِیشس نے تسلیم کیا چنانچہ جامعہ اردو کے ابتدائی پاس کرنے والوں کو سرکاری اسکولوں میں جگہ ملنے لگی - اسکول میں معلمی کے فرائض انجام دینے کی خواہش کے سبب لوگ جامعہ اردو کے امتحان کی طرف متوجہ ہوئے - ۱۹۵۶ء میں جامعہ اردو کے امتحان کے لیے تقریباً تیس امیدوار تھے لیکن ہر سال امیدواروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی - ابتدائی اور ادیب کے لیے کافی امیدوار ہو گئے ادھر چند برسوں سے ادیب ماہر کے لیے بھی کچھ امیدوار

امتحان دے رہے ہیں ۱۹۶۷ء میں ابتدائی کے لیے ۱۶۷، ادیب کے لیے ۱۰۷، ادیب ماہر کے لیے ۲۲ اور ادیب کامل کے لیے ۳ امیدوار تھے۔

کچھ طالب علم سینیر کیمبرج اور جنرل سرٹیفکیٹ آف ایجوکیشن، لندن کے امتحانات میں بھی اردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے لے رہے ہیں اور پچھلے آٹھ سال سے ان طلبا کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ سینیر کیمبرج کے پرچوں میں تین اردو عبارتیں دی جاتی ہیں جن کا ترجمہ اردو سے انگریزی میں کرنا ہوتا ہے ایک چھوٹا ترجمہ انگریزی سے اردو میں بھی ہوتا ہے اور ایک چھوٹا سا مضمون بھی لکھنا پڑتا ہے۔ مؤخرالذکر امتحاں میں بھی اس سال سے اردو داخل کی گئی ہے۔ اس امتحان میں اردو سے انگریزی میں ترجمے کرنے ہوں گے اور مضمون بھی لکھنا ہوگا۔ اس کے علاوہ نذیر احمد کی توبۃ النصوح اور غالب کے خطوط بھی کورس میں ہیں۔ ان پرچو سوال ہوں گے اسے انگریزی میں بھی حل کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں حکومت ہند کی طرف سے جناب عظیم الحق جنیدی ماریشس تشریف لے گئے جہاں آں کو اردو سکشن کا نگراں بنایا گیا۔ ماریشس کے باشندے اُن کی خدمات سے بہت متأثر ہوئے۔ انھوں نے جابجا اردو کی انجمنیں قائم کیں اور خود بھی اردو کے طلبہ کی مدد کرتے رہے۔ اردو سے لگاؤ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ وہاں کا ہر مسلمان اردو سیکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ اردو کو اب زیادہ تر مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، اردو ادب کی طرف توجہ دی جا رہی ہے ہندوستان اور پاکستان سے چند رسالے جاتے رہتے ہیں حالانکہ ان رسالوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور بعض اوقات پابندی سے بھی نہیں جاتے۔ شمع، بیسویں صدی، بانو، لیل و نہار، ماہ نو کی چند کاپیاں جاتی ہیں۔ وہاں ایک اردو لائبریری کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ انڈین ہائی کمیشن کی لائبریری میں چند اردو کتابیں ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ عوامی مانگ کو پورے طور پر پورا نہیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ سائنٹفک طریقے سے اردو پڑھانے والے بھی کم ہیں اور پڑھانے والوں کی معلومات بھی معیاری نہیں ہے۔ ماریشس میں پرائمری اسکول کے لیے ایک نصاب تیار کرنا ضروری ہے جس میں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ ان بچوں کا ماحول کیا ہے اُن کی مادری زبان اور اُن کی تہذیب کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے اردو کا فروغ ہو سکتا ہے لیکن اردو دانوں کی اب بھی کمی ہے اردو پریس کی ضرورت بڑھ رہی ہے یہ چیزیں ماریشس میں اردو کے ایک خوش آئند مستقبل کی نشاندہی کرتی ہیں۔

جامِ نو

اصغر

۱۸۸۴ — ۱۹۳۶ء

اصغر حسین نام، اصغر تخلص، آبائی وطن گورکھپور، ان کے والد منشی تفضل حسین صدر
نون گو کی حیثیت سے بہت دنوں تک گونڈے میں رہے اور یہیں سے پنشن یاب ہوئے۔
ربی اور فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔

اُس وقت کے دستور کے مطابق اصغر کی تعلیم کی ابتدا مکتب سے ہوئی، پہلے انھوں نے
بی، فارسی اور اردو پڑھی اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لیے گورنمنٹ اسکول گونڈہ میں
خل کرا دیے گئے۔ ۱۹۰۴ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ آگے بھی پڑھنا چاہتے تھے مگر
ے کی خواہش اور مشورے کی بنا پر تعلیمی سلسلہ ختم کر کے نوکری کر لی۔ فرصت کے اوقات مطالعے
بعض دوسری دلچسپیوں میں صرف کرنے لگے۔ ادبی ذوق کی تسکین اور معاش کی خاطر اصغر
، فیض آباد کے دو اخباروں (ہفت روزہ قیصر ہند اور پیغام) میں کام کیا۔ ریلوے
لمے میں ملازم رہے۔ جب اس کو چھوڑا تو چند روز کے لیے بساط خانے کی دوکان کھولی پھر
ک سازی کا کاروبار شروع کیا۔ تھوڑے دنوں تک اردو مرکز لاہور سے بھی وابستہ رہے۔
میں رسالہ "ہندستانی" الہ آباد کے اڈیٹر مقرر ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ جہاں بھی رہے اور
ام بھی کیا اس میں عزت نفس، خودداری، فرض شناسی اور خوش اخلاقی کے بلند معیار کو ضرور
رار رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تمام عمر احباب میں وقیع، ماتحتوں میں ہر دل عزیز اور افسروں
نگاہ میں قابل قدر اور قابل عزت رہے۔

ان کا مطالعہ بڑا عمیق تھا، نظر میں وسعت تھی، رکھ رکھاؤ میں تہذیب اور شرافت
، جاتی تھی، رہن سہن میں بڑے سلیقے اور نفاست کا خیال رکھتے تھے، غرض صورت اور
رت ہر لحاظ سے وہ مشرقی محاسن و اقدار کا ایک مکمل اور پرکشش نمونہ تھے۔ ۱۸۹۶-۷ء
شعر کہنے لگے تھے باقاعدہ طور پر نہ خود کسی کے شاگرد ہوئے اور نہ کسی کو اپنا شاگرد بنایا ابتدائی
میں منشی خلیل احمد وجد بلگرامی اور منشی امیر اللہ تسلیم کو اپنا کلام دکھایا تھا۔ قاضی عبدالغنی

منگلوری ایک صاحبِ طریقت بزرگ تھے اُن سے گہری عقیدت تھی اور اُن کے مخصوص مریدوں میں تھے۔

اصغر کی مدتِ حیات اور مدتِ شاعری دونوں ان کے اکثر ہم عصروں سے کم رہی، اقبال، حسرت، فانی، جگر اور فراق ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ و آہنگ میں ممتاز اور خیالات و افکار کے لحاظ سے منفرد۔ اصغر ان میں سے کسی کے حریف کہے جا سکتے ہیں اور نہ کسی پرانے اسلوب یا نئے طرزِ سخن کے مقلد و موجد۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں فلسفہ بھی ہے اور تصوف بھی، ان کے تغزل میں بڑی شائستگی اور تخیل میں ایک رفعت اور پاکیزگی محسوس ہوتی ہے۔

پورے کلام کے دو مختصر سے مجموعے ہیں پہلا مجموعہ "نشاطِ روح" مرزا احسان احمد، اور مولانا اقبال سہیل کے مقدمے اور تبصرے کے ساتھ پہلی بار ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا تھا۔ اور دوسرا مجموعہ "سرودِ زندگی" کے نام سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں سر تیج بہادر سپرو کا مقدمہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریظ بھی شامل ہے۔

سر سپرو کا یہ خیال کہ "حضرت اصغر کا کلام ہمارے دور کا ایک اعلیٰ ترین شاہکار ہے اور اس قابل ہے کہ آج کل کے بہترین دل و دماغ اس سے لطف اندوز ہوں" پھر مولانا آزاد کی رائے "اس کی شاعری کی وقعت، بحث و اثبات کی محتاج نہیں"۔ یہ دونوں باتیں نہ تو بالکل ہی بے بنیاد قرار دی جا سکتی ہیں اور نہ ان کے لکھنے والوں کے بارے میں یہ سوچنا چاہیے کہ انھوں نے بے جا توصیف اور جانب داری سے کام لیا ہوگا۔

انتخاب

"نشاطِ روح"

اگر خموش رہوں میں، تو تو ہی سب کچھ ہے		جو کچھ کہا، تو ترا حسن ہو گیا محدود

کچھ اس طرح ہوئیں عاجز نوازیاں اُس کی		کہ میری آہ کو ہے، اب تلاشِ بے اثری

نفس نفس ہے نہانیوں کی جو نہ کرے		مختصر یہ کہ آرزو نہ کرے

زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا		رخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

ہر حال میں بس پیشِ نظر ہے وہی صورت　　میں نے کبھی روئے شبِ ہجراں نہیں دیکھا
روداد قفس سنتا ہوں اس طرح قفس میں　　جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

اسیرانِ بلا کی حسرتوں کو آہ کیا کہئے
تڑپنے کے ساتھ اونچی ہو گئی دیوار زنداں کی

سنتا ہوں بڑے غور سے افسانۂ ہستی　　کچھ خواب ہے، کچھ اصل ہے، کچھ طرزِ ادا ہے

تقدیر کس کے خرمن ہستی کی کھل گئی　　طوفان بجلیوں کا تمھاری نظر میں ہے

ترے جلووں کے آگے ہمتِ شرح و بیاں رکھ دی　　زبانِ بے نگہ رکھ دی، نگاہِ بے زباں رکھ دی

جرعۂ مے تری مستی کی ادا ہو جائے　　موجِ صہبا تری ہر لغزشِ مستانہ بنے
رند جو ظرف اٹھا لیں وہی ساغر بن جائے　　جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی مے خانہ بنے

شعر میں رنگینیٔ جوشِ تخیل چاہیئے
مجھ کو اصغرؔ کم ہے عادت نالہ و فریاد کی

میں اک چراغِ کشتہ ہوں شامِ فراق کا　　تو نو بہارِ صبحِ گلستاں بنے ہوئے

کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد　　تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

جینا بھی آ گیا مجھے مرنا بھی آ گیا　　پہچاننے لگا ہوں تمھاری نظر کو میں

غزل کیا اک شرارِ معنوی گردش میں ہے اصغرؔ　　یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی

گزر گئی ترے مستوں پہ وہ بھی تیرہ شبی　　نہ کہکشاں نہ ثریا نہ خوشۂ عنبی

مدت ہوئی کہ چشمِ تحیر کو ہے سکوت　　اب جنبشِ نظر میں کوئی داستاں نہیں

حُسن کی موجیں ہیں یا جوشِ تبسم ہے　　اس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے

سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں
اتنا اُچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے

"سرودِ زندگی"

تیری ہزار برتری، تیری ہزار مصلحت　　میری ہر اک شکست میں، میرے ہر اک قصور میں

بس اتنے پر ہوا ہنگامۂ دار و رسن برپا　　کہ لے آغوش میں آئینہ کیوں مہرِ درخشاں کو
سنا ہے حشر میں شانِ کرم بیتاب نکلے گی　　لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ داغِ عصیاں کو

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا　　جو غم ہوا اُسے غمِ جاناں بنا دیا
وہ شورشیں، نظامِ جہاں جن کے دم سے ہے　　جب مختصر کیا انھیں انساں بنا دیا
ہم اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر
تم نے تو مسکرا کے رگِ جاں بنا دیا

ساقیا! جامِ مئے کف، پھر ہو زرِ اگرمِ نوا　　حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا دیکھیں

یہاں تو عمر گزری ہے اسی موج و تلاطم میں　　وہ کوئی اور ہوں گے سیرِ ساحل دیکھنے والے

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے غنچہ و گل کو　　مگر موجِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

یہاں کوتاہیٔ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری　　جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

یکایک توڑ ڈالا ساغرِ مے ہاتھ میں لے کر　　مگر ہم بھی مزاجِ نرگسِ رعنا سمجھتے ہیں

کم سے کم حسنِ تخیل کا تماشا دیکھئے　　جلوۂ یوسف تو کیا، خوابِ زلیخا دیکھئے

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

کیا کیا ہیں دردِ عشق کی فتنہ طرازیاں　　ہم التفاتِ خاص سے بھی بدگماں رہے
میرے سرشکِ خوں میں ہے رنگینیٔ حیات　　یارب فضائے حسن ابد تک جواں رہے

ردائے لالہ و گل، پردۂ مہ و انجم　　جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے
یہ ذوقِ سیر، یہ دیدار جلوۂ خورشید　　بلا سے قطرۂ شبنم کی زندگی کم ہے

نالۂ رنگیں میں ہم مستوں کے ہے کیفِ شراب
لڑکھڑائے پائے نازک دیکھئے ہاں دیکھئے
دیدۂ بے خواب انجم، سینۂ صد چاک گل
حسن بھی ہے مبتلائے دردِ پنہاں دیکھئے

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

اُردو نثر میں ادبِ لطیف

سنہ اشاعت ۱۹۶۷ء

مصنف۔ ڈاکٹر عبدالودود خاں
صفحات۔ ۵۰۱، سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت۔ -/۸
ناشر نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ لکھنؤ

پیش نظر کتاب اصل میں وہ مقالہ ہے جس پر عبدالودود خاں صاحب نے وکرم یونی ورسٹی (اجین) سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ تحقیق کے لیے ایک اچھوتا اور دل چسپ موضوع انتخاب کیا گیا ہے۔

انیسویں صدی کے آخر سے بیسویں صدی کے وسط تک "ادب لطیف" کا بڑا چرچا اور دور دورہ رہ چکا ہے۔ ہماری زبان کے بہت سے ادیب، افسانہ نگار، اور انشاپرداز اسی وجہ سے اور بھی مقبول و مشہور ہوئے کہ انھوں نے اس صنفِ خاص کی طرف خصوصی توجہ برتی اور اس کو فروغ دینے کی طرف مائل اور کوشاں رہے۔

فاضل مقالہ نگار نے "ادبِ لطیف" کی ابتدا، ارتقا، اس کی غرض و غائت، اہمیت و حیثیت، اس کا عروج اور پھر زوال ان تمام باتوں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ موضوع کے ہر رخ اور پہلو کو وسیع النظری کے ساتھ دیکھنے، ادبی دیانت داری سے جانچنے اور پرکھنے اور پھر انصاف پسندی کے ساتھ نتائج اخذ کرنے کی بڑی اچھی کوشش کی ہے۔

کتاب کے بیدرہ جامع ابواب میں پہلے تین باب وہ ہیں جن میں ادبِ لطیف کے آغاز، اس کے مختلف مقاصد، تحریکیں، ابتدا سے لے کر دورِ حاضر تک کے ادیبوں کے نظریات اور ماہیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اوّلین علم برداروں سے متعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد یلدرم سے آصف علی تک ۲۳، ۲۴ نثر نگاروں کی نگارشات کو سامنے رکھ کر وضاحت کے ساتھ "ادبِ لطیف" کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں پر مبصرانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔ افراد کے علاوہ جو رسالے اس تحریک کے نقیب یا مبلغ رہے ہیں ان کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے اس سلسلے میں نشتر، ناصر علی، یلدرم، مہدی، نیاز، محوی، سجاد انصاری، اور

قاضی عبدالغفار وغیرہ کی بعض مخصوص تحریروں، مضامین اور کتابوں کے حوالے اور مثالوں سے ادبِ لطیف کے معیاری نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ اس فہرست میں بعض ایسے ادیب اور شعرا بھی ہیں جن کی کوششوں سے ادب لطیف کی خوبیوں میں اضافہ ہوا اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے اس کا معیار اور اعتبار کم ہوا، غرض جب تک ادب، خواص تک مخصوص اور محدود رہا، ادبِ لطیف کی ضرورت اور اہمیت قائم رہی، جب جب اس کا تعلق عوام اور جمہور سے بڑھتا گیا اس کی خصوصیت اور اہمیت کم اور ختم ہوگئی۔ بہرحال ادب لطیف کے عروج و زوال کی داستان سلیقے، صحت اور ذمے دارانہ اصولوں پر مرتب کی گئی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ "ادبِ لطیف گزرے ہوئے دور کی یادگار ہے" اس میں کوئی شک نہیں کہ "اردو ادب پر ان کے بڑے احسانات ہیں"۔ اس "یادگار" کا احساس اور احترام اور اس کے "احسانات" کا اعتراف جس نوعیت کے ساتھ ڈاکٹر عبدالودود خاں صاحب نے کیا ہے اس کے لیے وہ توصیف و مبارک باد کے مستحق ہیں۔

تعریف کے قابل ہے وہ ادارہ بھی جس کی بدولت ایسی معقول اور مفید کتابیں سامنے آجاتی ہیں

رشید نعمانی

دُختِ شبر

سنہ اشاعت: اگست ۱۹۶۷ء

مترجم: مظہر الحق علوی
صفحات: ۵۱۸، سائز: $\frac{20\times30}{16}$
قیمت: -/۹
ناشر: نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنؤ

اس کتاب کے شروع میں لکھا ہے —— "ایک عجیب و غریب مہماتی ناول" —— سچ پوچھیے تو یہی چھوٹی سی عبارت پوری کتاب کا نچوڑ ہے۔ رائیڈر ہیگرڈ کے دوسرے مشہور مہماتی ناولوں کی طرح اس ناول کی کہانی بھی افریقہ کے پراسرار جنگلوں سے ہی متعلق ہے اور افریقہ کے ایک ایسے دور افتادہ علاقے کی داستان ہے، جہاں کے رہنے والے مہذب دنیا سے کوئی ناتا نہیں رکھتے۔ جو تعلیم یافتہ نہ ہوتے ہوئے بھی زبردست نجومی ہیں اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک۔ انھیں جانوروں اور موسموں پر اختیار ہے اور وہ اُن سے حسب چاہیں اپنی ضرورت کے مطابق کام لے لیتے ہیں ہزاروں خطرات سے پُر جنگل اور بیابانوں کے جان لیوا سفر، راستے کے حیرت انگیز حادثے، افریقی قبائل کے رہن سہن کے عجیب و غریب طور

طریقے، وِچ ڈاکٹروں اور مہنتوں کے ساحرانہ کارنامے، جنگ و جدل، تکرار حسن و عشق... غرض ہر قاری کی دلچسپی کا سامان اس میں موجود ہے۔ پوری کہانی اتنی جاندار اور دلچسپ ہے کہ ایک بار شروع کرنے پر بغیر ختم کیے نہیں رہا جاتا۔ مظہر الحق صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اتنے اچھے ناول کو اردو دنیا سے روشناس کرایا۔ صاف ستھری چھپائی اور خوبصورت رنگین ٹائٹل کے لیے نسیم بکڈپو بھی قابلِ ستائش ہے۔ البتہ کتابت کی غلطیاں اور ترک طبیعت پر گراں گزرتے ہیں۔

ریحان احمد عباسی

اُردو شاعری میں تاج محل

سنہ اشاعت ۱۹۶۸ء

مرتب: شجاع خاور
صفحات: ۱۶۰، سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$
قیمت: ۱٫۷۵
ناشر: اردو سلیکشنز، دہلی

تاج محل اپنے حسن و رعنائی کی بنا پر خوش مذاق اور صاحبِ نظر کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور رہے گا۔ شاعر ایسی چیزوں سے سب سے زیادہ محظوظ و متاثر ہوتا ہے چنانچہ نظیر اکبرآبادی سے لے کر آج تک اردو زبان کے بہت سے شاعر اس کو مختلف نقطۂ نظر سے دیکھتے اور اس پر طرح طرح سے اظہار خیال کرتے آئے ہیں۔ شاعروں کی نظر اور اُن کے اظہار کا طریقہ بہت سی حیثیتوں سے قابلِ قدر ہے اور باعثِ لطف بھی۔

شجاع خاور صاحب کی تلاش اور کوششوں کی داد دینا چاہیے کہ ایک اتنے حسین و جمیل موضوع پر اردو زبان کے قریب قریب ہر معروف اور غیر معروف شاعر کے یہاں سے (موضوع کے متعلق) جو کچھ انھیں ملا اپنے نزدیک اس کا بہترین حصہ انھوں نے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہ اردو شعر و ادب کی خدمت بھی ہے اور تاج محل سے یک گونہ عقیدت بھی۔

پوری کتاب میں اہم شاعروں کا کلام موجود ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے اور بات کہنے کا جداگانہ ڈھنگ۔ ضروری نہیں کہ ہر ایک کا انداز سب کے لیے مرغوب اور ہر نظریے سے سب کا اتفاق ہو۔ شاعر کو جو کچھ کہنا تھا کہا اور اپنے طور پر کہا، لیکن مرتب صاحب نے بھی ضروری سمجھا کہ وہ ہر نظم اور شاعر کے بارے میں خود بھی کچھ نہ کچھ ضرور کہیں۔ ایک جامع اور مرتب کی حیثیت سے انھوں نے جو کیا ہے اچھا کیا ہے، مگر نقد و نظر کے معاملے میں اُن کے ارشادات اور گلکاریاں بحث و اختلاف کا مرکز بن گئی ہیں مثلاً،

عرشی، اختر، آزاد اور بہت سے دوسرے شعرائے کرام پر تنقید اور گرفت میں توازن اور اعتدال کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

کتاب اس لحاظ سے دلچسپ اور کارآمد ہے کہ اس میں ایک لطیف موضوع کے بارے میں بہت سا قابل تعریف شعری سرمایہ فراہم اور یکجا ہو گیا ہے۔

رشید نعمانی

یاس یگانہ چنگیزی

مصنف : راہی معصوم رضا
صفحات : ۳۱۰
قیمت : ۶/-
ناشر : شاہین پبلشرز ۶۲۳۷ حسن منزل الہ آباد ۳

یاس یگانہ چنگیزی نے اپنی زندگی میں نیک نامی کے بجائے بدنامی اٹھائی۔ انھیں کچھ شہرت ضرور ملی مگر مقبولیت ہرگز نہیں۔ اُن کی ذات، مختلف وجوہات کی بنا پر نشانۂ ملامت بنی رہی اور ان کے نقدِ سخن کی پذیرائی نہ ہو سکی۔ وہ کج کلاہ بھی تھے اور خود نگر بھی۔ ان کی شخصیت میں کل پڑ گئے تھے۔ انھیں وسیع المشرب اور کشادہ دل، سخن فہم درکار تھے جن کی داد و ستائش سے اُن کے جوہر کھلتے اور انھیں آسودگی نصیب ہوتی لیکن بدقسمتی سے انھیں محدود مذہبی معتقدات اور روایتی مقامی تعصبات کی آگ میں جلنا نصیب ہوا۔ مرزا واجد حسین عظیم آبادی کی زندگی، ان کے تخلص یاس اور تخلص یگانہ دونوں کی حقیقی تفسیر ہے۔ وہ ایک المیہ ہے اور اس کی داستان عبرت آموز۔

یاس یگانہ چنگیزی کی خود ستائی نے اُن سے کہلوایا ہے کہ:

زمانہ لاکھ گم ہو جائے خود اپنے اندھیرے میں
کوئی صاحب نظر اپنی طرف سے بدگماں کیوں ہو

لیکن اُن کا حوصلہ یہ رہا ہے کہ:

زمانہ پر نہ سہی، دل پہ اختیار رہے
دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے

مگر حقیقت کا بیان یوں ہے کہ:

ٹھوکریں کھلوائیں، کیا کیا پائے بے زنجیر نے
گردشِ تقدیر نے، جولانیٔ تدبیر نے

ایسی پیچیدہ شخصیت پر راہی معصوم رضا نے قلم اٹھایا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ:

"یگانہ چنگیزی پر مقالہ لکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ یگانہ ایک بحث طلب شخصیت ہیں۔ اُن کے بارے میں نہ تو ان کی زندگی میں غیر جانب داری اور ناقدانہ ہمدردی سے سوچا گیا اور نہ اُن کے مرنے کے بعد...... میں نے غیر جانب دار رہنے کی کوشش کی ہے لیکن یگانہ سے اتنی ہمدردی ضرور کی ہے جتنی ہمدردی کا تقاضہ فریضۂ نقد کرتا ہے۔"

اس مقالے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ راہی صاحب اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب ہیں۔ "شخصیت"، اور "معاصرین سے معرکے" پہلے دو باب اپنے اندر بڑی صداقت اور شرافت رکھتے ہیں اور قاری کو یگانہ سے اتنی ہمدردی یقینا پیدا کرادیتے ہیں جتنی وہ چاہتے ہیں۔ دیگر ابواب میں یاس اور یگانہ کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں جدید اردو غزل میں یاس یگانہ کی اہمیت کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

راہی صاحب کے بیان میں شخصیت کی جانب داری اور مناسب یا مدارات بھی موجود ہے اور اس سے سخن سنجی کا مطالبہ بھی پورا ہوتا ہے۔ اگرچہ انھوں نے ایک پرانے اور ایک نئے ناقد و شاعر کو اپنے مقالے میں اُن کی ادبی حیثیت سے زیادہ نمایاں کردیا ہے تاہم انھوں نے اپنی بات مدلل اور مفصل طور پر کہی ہے۔ اُن کا انداز بیان رواں اور شستہ ہے۔ آخذ میں اسحاب کلام بھی قابل ہے اور "مصادر" بھی درست ہیں۔

راہی صاحب اس تصنیف کے لیے بطور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انھوں نے صرف فرض کفایہ ہی ادا نہیں کیا ہے بلکہ واقعی ایک ادبی خدمت انجام دی ہے۔ امید ہے کہ اربابِ ذوق، خاطر خواہ داد دیں گے

عبداللہ ولی بخش قادری

سالنامہ پیام تعلیم
ماہنامہ انیسِ ادب کی نظر میں

اڈیٹر: محمد حسین حسان ندوی، ضخامت ۱۸۴ صفحات، ٹائٹل بہت دیدہ زیب لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر قیمت دو روپے، ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

پیام تعلیم بچوں کا رسالہ ہے مکتبہ جامعہ سے لگ بھگ ۴۲ سال سے نکل رہا ہے۔ یہ ہر سال جنوری میں اپنا سالنامہ نکالتا ہے۔ ہمارے سامنے اس کا جنوری ۶۸ء کا سالنامہ ہے۔

اب کے یہ غیر معمولی شان و شوکت سے نکلا ہے۔ سب سے پہلے تو اس کے سرورق (ٹائٹل) پر نظر جاتی ہے۔ بے اختیار منہ سے واہ واہ نکل جاتا ہے۔ سلک اسکرین پر ابھری ہوئی چھپائی۔ بہترین رنگوں کے امتزاج نے عجیب بہار دکھائی ہے۔ اندر دیکھیے تو ایک سجا سجایا باغ نظر آتا ہے۔ اس میں مزے مزے کی کہانیاں بھی ہیں۔ تاریخی مضمون بھی ہیں، سائنسی اور معلوماتی مضمون بھی ہیں۔ بچوں کی دلچسپی کی پیاری پیاری نظمیں، لطیفے اور مزاحیہ مضمون بھی ہیں۔ ایک سے ایک اعلیٰ۔ زبان سب کی سادہ اور دلچسپ پورا رسالہ "عروسِ جمیل و لباسِ حریر" کا مصداق ہے۔

بچوں کے پرچے تو اور بھی نکلتے ہیں۔ مگر اس سالنامے کو اور پیامِ تعلیم کے عام پرچوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پرچہ ایک خاص مقصد سے نکلتا ہے۔ اور وہ مقصد ہے کہ بچوں میں اچھی اچھی چیزیں پڑھنے اور ترقی کی طرف قدم اٹھانے کا شوق اور ولولہ پیدا کرنا جغرافیہ، تاریخ سائنس کے مضامین کے ذریعے انھیں نئی پرانی باتوں سے باخبر رکھنا ایسی کہانیاں اور پچھلے بزرگوں کے ایسے سچے واقعات شائع کرنا جن سے بچے کے دل میں پرانی یا صحیح اخلاقی قدروں کی اہمیت ہو اور جو اس کی کیریکٹر سازی میں مدد و معاون ہوں۔ نظموں اور گیت کے ذریعے ان میں حبِ وطن کا اور باہمی میل محبت اور رواداری کا جذبہ پیدا کرنا کتنے نیک مقاصد ہیں یہ بچوں کے ایک ایسے رسالے سے جو جامعہ جیسے ادارے کی سرپرستی اور ماہرینِ تعلیم کی رہنمائی میں نکلتا ہو توقع بھی یہی کی جا سکتی تھی۔

پیامِ تعلیم نے اس طویل مدت میں بچوں کے لیے صالح اور مفید ادب ہی نہیں پیدا کیا بہت سے ادیب بھی پیدا کیے پیامِ تعلیم کا یہ کارنامہ قابلِ فخر ہے۔

ہماری خواہش ہے کہ بچوں کے اس رسالے کی زیادہ سے زیادہ سرپرستی کی جائے۔ اور دیس میں اُردو جاننے والے ہر گھر میں اس کی پذیرائی ہو۔

ادبی خبریں

● اردو دوستوں کو مبارک ہو کہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۸ء کو وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے انجمن ترقی اردو ہند کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد ... راؤز ایونیو، نئی دہلی میں رکھا۔ تلک برج کے قریب جو سڑک بین ... سنگ ہوم کی سامنے کی طرف جاتی ہے اس پر تقریباً دو سو قدم چلنے کے بعد داہنی طرف تقریباً بارہ سو گز مربع زمین حکومت نے اس عمارت کے لیے انجمن کو دی ہے۔ اسی جگہ پر ایک شامیانے کے نیچے سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب انجام دی گئی۔ حاضرین میں وزیر اعظم کے علاوہ انجمن کی مجلس عامہ کے اراکین، روسی سفیر، علمی اور ادبی اداروں کے نمائندے، ادیب اور شاعر، جامعہ ملیہ، مکتبہ جامعہ اور جمعیۃ علماء کے سربرآوردہ حضرات اور اخبارات کے نمائندے موجود تھے۔

جلسے کی کارروائی جامعہ کے طلبہ نے اقبال کی نظم "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" سے شروع کی۔ اس کے بعد صدر انجمن پنڈت کنزرو نے انجمن کی مختصر تاریخ بیان کی اور وزیر اعظم سے درخواست کی کہ وہ "اردو گھر" کا سنگِ بنیاد رکھیں۔ سنگ موسیٰ پر سنہرے نستعلیق حروف سے مزین سنگِ بنیاد کو اسی جگہ پر قائم کرنے کے بعد وزیر اعظم نے صاف ستھری اردو میں تقریر کی۔ وزیر اعظم کی تقریر کے بعد پروفیسر آل احمد سرور نے ایک نظم پڑھی (سرور صاحب کی یہ نظم اس شمارے میں ملاحظہ فرمائیے) اس کے بعد پنڈت آنند نرائن ملا اور ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین نے تقریریں کیں۔ آخر میں جن گن من پر یہ یادگار تقریب ختم ہوئی۔

● کیندری ڈیولپمنٹ و کوآپریشن ڈیپارٹمنٹ، حکومت ہند کی جانب سے ہندوستان کی مختلف زبانوں کی ... کتابوں کو کل ہند مقابلے کے لیے منتخب کیا گیا ہے ان میں سے ہر کتاب کے مصنف کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اردو انعام کے لیے مسٹر نند کشور بکرم کی تصنیف "کوآپریٹو ڈیری" منتخب کی گئی ہے۔　　　(الجمعیۃ دہلی)

● اردو ہندی سنسکرت مصنفین کو ... روپے کے انعامات طبع زاد تخلیقات ۳۱ مئی تک طلب، حکومت یوپی کا اعلان۔

حکومت اتر پردیش ۶۹-۱۹۶۸ء کے دوران ہندی ادب فنڈ سے ادب، سائنس، قانون اور اصول قانون، فلسفہ اور تاریخ وغیرہ سے متعلق کتابوں پر ۷۰،۵۰۰ روپیہ کے انعامات تقسیم کرے گی۔

اردو کتابوں پر انعامات حسب ذیل ہیں

۱۵۰۰ روپیہ کا غالب پرسکار ۱۲۰۰ روپے کا اکبر الہ آبادی پرسکار اور ۸۰۰ روپے کا رام پرشاد بسمل پرسکار۔ اس کے علاوہ پانچ پانچ سو روپے کے متفرق انعامات دیے جائیں گے۔

انعامات دینے کے لیے صرف یکم جنوری ۱۹۶۷ء اور ۳۱ دسمبر ۱۹۶۷ء کے درمیان شائع شدہ کتابوں پر ہی غور کیا جائے گا اگر کسی خاص موضوع پر کوئی معیاری کتاب موصول نہ ہوگی تو اس موضوع پر کوئی انعام نہیں دیا جائے گا۔

ہر کتاب کے ۸ نسخے سکریٹری یوجنا سمتی ایجوکیشن سی ڈیپارٹمنٹ کونسل ہاؤس لکھنؤ کو ۳۱ مئی ۱۹۶۸ء تک موصول ہونا چاہئیں۔ (الجمعیۃ)

● انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے صد سالہ جشن غالب کے سلسلے میں غالب کے کلام کو بنگلہ میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ بنگلا اور اردو کے ادیبوں پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا ہے جس نے انتخاب ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس ترجمہ میں اصل متن بھی دیا جائے گا اور غالب کے سوانح اور ان کے فکر وفن پر تفصیلی مقدمہ شامل ہوگا۔ ترقی اردو ۱۶ مارچ ۶۸ء

● ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی نئی کتاب "ریڈنگز ان لٹریری اردو پروز" وس کان سن یونیورسٹی، امریکہ سے شائع ہوگئی ہے۔ یہ کتاب اُن طلبہ کے لیے ہے، اردو جن کی مادری زبان نہیں۔ اردو کے کئی سو سال نثر کا انتخاب پیش کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے ثانوی سطح پر نہ صرف اردو زبان و ادب کی تمام تعلیم دی جا سکے بلکہ اردو کی پرغنت پر جو مخصوص تہذیبی تصور ہے اس کے بنیادی عناصر بھی سامنے آجائیں۔ امریکہ سے نستعلیق میں شائع ہونے والی پہلی باضابطہ کتاب ہے اور آفسٹ پر نہایت حسین و جمیل چھپی ہے۔ مغرب میں اردو کے ایک اچھے ثانوی انتخاب کی جو کمی مدت سے محسوس ہو رہی تھی، اس کتاب کی اشاعت سے وہ پوری ہو جائے گی۔

● ٹونک سے اطلاع ملی ہے کہ راجستھان کے مشہور نغز گو شاعر مولانا سید محمود الحسن صبا صولت نے طویل علالت کے بعد ۷۴ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ صولت صاحب مرحوم قدیم سلسلے کی ایک کڑی اور بڑے قادر الکلام اور نغز گو شاعر تھے۔ ان کی وفات سے راجستھان کے شعری اور ادبی حلقے میں ایک ناقابل بندست خلا پیدا ہو گیا ہے۔

پاکستانی مطبوعات

اسلامی قانون کی تدوین — مولانا امین احسن اصلاحی — ۲/۵۰
اولیائے لاہور — محمد لطیف ملک — ۷/۲۵
اردو میں سوانح نگاری — ڈاکٹر سید شاہ علی — ۸/۷۵
افضل المواعظ — مولوی محمد ابراہیم دہلوی — ۴/۲۵
تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ — حضرت شاہ ولی اللہ — ۵/۰
تعلیم کا عمل — سید عابد علی عابد — ۳/۷۵
ترکِ تیموری — سید ابوالہاشم ندوی — ۵/۰
خوابِ جوانی — ایم اسلم — ۵/۰
درِ توبہ — " — ۳/۵
رباعیاتِ انیس — عمر فیضی — ۲/۰
رقعاتِ عالمگیری — سید اولاد حسین شاداں بلگرامی — ۱/۰
علم النفس — جے ایف اسٹوٹ — ۵/۵۰
قندیل — سردار محمد عزیز — ۱/۷۵
کالا پانی — محمد جعفر تھانیسری — ۳/۵
میری کہانی — ایم اسلم — ۵/۵۰
مارکسی فلسفہ — ۱/۵
نسوانی امراض اور ان کا سدباب — حکیم محمد اقبال حسین — ۲/۵
واقعاتِ عالمگیری — عاقل خاں رازی — ۲/۰
پہلے شمالی افریقہ — خاں گنجنہ — ۳/۰
"اردو" شماہی جنوری — انجمن ترقی اردو کراچی — ۵/۰
اردو " اکتوبر " " " — ۵/۰
اردو " جولائی " " " — ۵/۰
احسن الکلام — احسن مارہروی — ۱۰/۰
اسوۂ علیؓ — سید رئیس احمد جعفری — ۱۰/۰
حیاتِ کامل شاہ — ولی محمد حقانی — ۶/۰
سیاستِ شرعیہ اردو — امام ابن تیمیہ — ۱۱/۵۰
شیخ عبدالرحمٰن بن عوفؓ — سید فضل الرحمٰن احمد — ۱۰/۰
احمق الذین — مفتی سجاد حسین — ۱/۵۰

اٹھارہ دن — ثمر ابوالنصر — ۳/۰
اختری بیگم — مرزا محمد ہادی رسوا — ۳/۲۵
انتخاب مقالاتِ شبلی — ۱/۵۰
توبۃ النصوح — مولوی نذیر احمد — ۲/۵۰
تذکرہ — ابوالکلام آزاد — ۴/۵۰
چھوئی موئی — عصمت چغتائی — ۳/۰
چوٹیں — " — ۲/۲۵
حضرت ابوایوب انصاریؓ — طالب ہاشمی — ۳/۰
خالد سیف اللہ — الورید — ۳/۵۰
خطباتِ اقبال — غلام احمد پرویز — ۱/۵۰
دیوانِ خواجہ میر درد — عبدالباری آسی — ۱/۷۵
رابعہ بصری — ودادا الکاکینی — ۲/۰
زادِ راہ — منشی پریم چند — ۳/۲۵
شاہدِ رعنا — قاری سرفراز حسین — ۲/۵۰
شیر شیرا شیر!!! — بشیر احمد چودھری — ۳/۷۵
ضدی — عصمت چغتائی — ۱/۵۰
عمر فاروقِ اعظمؓ — محمد حسین ہیکل — ۱۵/۰
عمر بن عبدالعزیزؒ — احمد زکی صفوت — ۱/۷۵
غبارِ خاطر — ابوالکلام آزاد — ۴/۵۰
فسانۂ مبتلا — مولوی نذیر احمد — ۳/۲۵
گفتگو اور تقریر کا فن — ڈیل کارنیگی — ۴/۵۰
مجھے بچپن میں جادو ہے — " — ۸/۰
مثنوی گلزارِ نسیم — دیا شنکر نسیم — ۱/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری — خواجہ الطاف حسین حالی — ۲/۲۵
مریم مجدلانی — ۱/۵۰
نیرنگِ خیال — محمد حسین آزاد — ۳/۵۰
یادگارِ غالب اول — خواجہ الطاف حسین حالی — ۲/۵۰
" " دوم " " " — ۳/۰

ہندوستانی مطبوعات

(ادب) کنز المطالب / شرح دیوان غالب } مولانا ابو الحسن طلق تلگا دھوی ۱۲/۰
〃 غزل اور متغزلین ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۶/۵۰
〃 غالب ڈاکٹر سید عبداللطیف ۳/۵۰
〃 مرزا رسوا حیات اور ناول نگاری } ڈاکٹر آدم شیخ ۶/۰
(شعری) دیوان غنی ملا محمد طاہر غنی کاشمیری ۸/
〃 کلیات میر اول مرتبہ ظل عباس حسینی ۲۰/۰
〃 کلیات مصحفی جلد دوم نثار احمد فاروقی ۶/۷۵
〃 غزل انسائیکلوپیڈیا مرتبہ ذکی کاکوروی (عام اڈیشن) ۵/۰
〃 غزل انسائیکلوپیڈیا 〃 〃 (خاص اڈیشن) ۶/۰
〃 ہیرو نامہ ساغر نظامی ۱۲/۰

(سوانح) حضرت غوث الاعظم گزونح میکش / و تعلیمات } اکبر آبادی ۳/۰
(ناول) ایک تھی آشا ضیا عظیم آبادی ۴/۰
〃 خالی ہاتھ عادل مارہروی ۴/۰
〃 تصویر بتاں عصمت جمیل ۳/۰
〃 طاہرہ رشید سلطانہ ۶/۲۵
〃 گنوار تنویر زہرہ بخاری ۸/۰
(ادب) مضامین لسان الصدق (ابوالکلام آزاد) } مرتبہ عبدالقوی دسنوی ۲/۵۰
(تعلیم) بچوں کی تربیت ڈاکٹر عبدالرؤف ۱/۵۰
〃 بچوں کی رہنمائی 〃 〃 ۱/۵۰
(ناول) سایۂ شیطان } مظہر الحق علوی ۱۰/۰
〃 بہزاد مسعود جاوید ۱۰/۵۰

رباعیات عمر خیام، مصور (ترجمہ اردو، انگریزی) مترجم محشر نقوی ۳/۰

معیاری ادب، ارزاں قیمت (پاکستانی مطبوعات)

اُردو کی عشقیہ شاعری	فراق گورکھپوری	۲/۲۵
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲/۰
شبلی نقادوں کی نظر میں	محمد واصل عثمانی	۲/۲۵
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۴/۵۰
نکاتِ مجنوں	مجنوں گورکھپوری	۳/۵۰

ملنے کا پتہ:۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ نزد جے جے ہسپتال بمبئی ۳ (ڈی آر)

Regd. No D. 58

May 1968

KITAB NUMA

JAMIANAGAR NEW DELHI-25

پرنٹر پبلشر سید احمد دلی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے

ماہنامہ

کتاب نما

جون ۱۹۶۸ء

مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی

اشاریہ

خیر سے ہندوستان میں سنہ کئی ایک ہیں۔ عیسوی، ہجری، فصلی، مالی سالی وغیرہ عیسوی سنہ کے آغاز میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینا اور نیک خواہشات کا اظہار کرنا ایک رسم بن گئی ہے۔ اس کے خاتمے پر بھی عام طور سے ہم نئے سال کے خوش آیند تصور میں سال بھر کی کلفتوں کو بھول جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بھول بھی جاتے ہیں۔

مگر مالی سال ہے — خدا کی پناہ! اس کی آمد آمد ہی سے دل کانپنے لگتا ہے اور یہ دھڑکا لگنے لگتا ہے کہ دیکھیے ہماری قوتِ برداشت کا امتحان اب کس طرح لیا جاتا ہے! اور جب یہ آچکتا ہے تو کمر پر۔ جو پہلے ہی ٹیکسوں کے بوجھ سے دوہری ہوتی ہے، چند گٹھریاں ایسی لاد دیتا ہے جنھیں پورے سال اٹھائے رکھنے پر ہم مجبور ہوتے ہیں۔ گویا ہمارے مالی سال کا آغاز اور اختتام دونوں ہی ہمارے لیے ایک طرح کی مصیبت ہوتے ہیں، عذاب ہوتے ہیں۔

سالِ رواں کے تحفوں میں ایک خاص تحفہ ڈاک اور تار کے محکمہ نے عطا فرمایا ہے۔ پوسٹ کارڈ اور لفافے کی قیمتوں میں اور ڈاک کے دوسرے محصولوں میں غیر معمولی اضافے نے "سمندِ ناز" پہ ایک اور تازیانہ کا کام کیا ہے۔ ذاتی طور پر ہم سب اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ کاروباری سطح پر اس کا اثر علمی اور ادبی طبقے پر پڑ رہا ہے۔ حکومت کی متضاد پالیسی کا اس سے زیادہ واضح اظہار اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تعلیم کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی باتیں کی جاتی ہیں، دوسری طرف تعلیم یافتہ طبقہ کے پڑھنے

لکھنے کے شوق کا گلا گھونٹا جاتا ہے۔ کتابوں، اخباروں اور رسالوں کے محصول اتنے بڑھا دیے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک روپیہ بچا کر کتاب خریدنا چاہے تو محصول کی شرح کے ساتھ اس کی قیمت کے لیے ایک روپیہ اور بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ رقم کی فراہمی اس کے لیے ایک مسئلہ بن جاتی ہے اور اپنے شوق کا گلا خود ہی گھونٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس محصول کے اضافے پر کس کی ہمت ہے جو وزیر خزانہ سے کچھ کہہ سکے خصوصاً ان کی اس دھمکی کے بعد کہ وہ کرسیِ وزارت چھوڑنے کو تیار ہیں لیکن اس محصول میں کمی کرنے پر آمادہ نہیں۔

ایک طرف یہ سب کچھ ہے اور دوسری طرف ہماری جنتا کی سرکار نے کاغذی صنعت کاروں پر ترس کھا کر کاغذ پر سے کنٹرول اٹھا لیا۔ کاغذ والوں نے ۱۵ فیصدی قیمت کے اضافہ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح کتابوں کی قیمت میں اضافہ ناگزیر ہو گیا۔

ہم نہیں چاہتے کہ کتابوں کی قیمت میں اضافہ کریں۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب اردو پڑھنے والے کتابیں خرید کر پڑھنے کی عادت کو اپنائیں۔ زیادہ تعداد میں کتابیں شایع ہوں گی تو لاگت کم آئے گی اور قیمت میں اضافہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

یہی کیفیت کتاب نما اور پیام تعلیم کے ساتھ ہے۔ ان رسالوں کی قیمت میں بھی بار بار اضافہ کرتے ہوئے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی لیے ان کے لیے بھی یہی اپیل کر سکتے ہیں کہ ہر خریدار اگر زیادہ نہیں، صرف دو نئے خریدار بنانا اپنے ذمہ لے لے تو اس طرح بہت بڑی حد تک ہمارا بار ہلکا ہو جائے۔

افسوس ہے کہ کتاب نما کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا اظہار جس جوش و خروش کے ساتھ شروع ہوا تھا، ایسا لگتا ہے کہ وہ جوش اب دھیرے دھیرے دھیما پڑتا جا رہا ہے اور بے توجہی پھر عام ہونے لگی ہے۔

اردو زبان کے لیے یہ وقت بڑا نازک ہے، بڑی پریشانی کا ہے۔ لیکن اگر پورے خلوص اور لگن سے آپ ہماری مدد فرمائیں تو یہ گھڑی ٹل سکتی ہے، اچھے دن آسکتے ہیں۔ کاش آپ کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ مادّی غذا کے ساتھ ذہنی غذا بھی ضروری ہے

مظفرؔ شاہجہانپوری

غزل

ہزار جشنِ چراغاں ہو سر خوشی کے لیے
نگاہ و دل بھی ضروری ہیں روشنی کے لیے

خدا بُرا نہیں کرتا کبھی کسی کے لیے
خود آدمی ہی مصیبت ہے آدمی کے لیے

ہے یہ بھی سچ کہ چمن میں بہار ہے رقصاں
ہے یہ بھی سچ کہ ترستے ہیں گُل ہنسی کے لیے

بہار قید ہوئی گھر میں باغبانوں کے
چھٹے وہاں سے تو ہو عام ہر کسی کے لیے

چمن کو پھونک رہے ہیں چمن کے رکھوالے
خود اپنے اپنے نشیمن میں روشنی کے لیے

لبوں پہ رقصِ تبسّم تو غم سے چور ہے دل
کلیجہ چاہیے میری طرح ہنسی کے لیے

ہیں صُلح و امن مظفرؔ مجھے عزیز اتنے
کہ دشمنوں سے بھی لڑتا ہوں دوستی کے لیے

فراق گورکھپوری کا ایک انٹرویو

ہندوستان کے لسانی چوکھٹے میں اردو زبان کا مقام

اردو کے ممتاز شاعر رگھوپتی سہائے نے، جو عام طور پر فراق گورکھپوری کے نام سے متعارف ہیں اور جنھیں "یوم جمہوریہ" کے موقعہ پر پدم بھوشن کا خطاب عطا کیا گیا ہے، مسٹر ایس۔جی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اردو اختلافی قوت کے بجائے اتحاد کی موثر خدمت گزار رہے گی

یوم جمہوریہ کے اعزاز پر مبارک باد دینے کے لئے جب میں نے حال ہی میں ان سے ملاقات کی تو میں نے ان سے پوچھا۔ "ہندوستان کے موجودہ لسانی چوکھٹے میں اردو کا کیا رول ہے؟"

اس سوال کے تحریری جواب میں اس نامور اردو شاعر نے اردو کی ابتدا، اس کی مقبولیت اور ہندی کے علاوہ دیگر ہندوستانی علاقائی زبانوں کو اس کی دین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

"اردو زبان اور اردو شاعری جدید ہندوستانی قلب و ذہن کی نمائندگی کرتی ہے۔"

انھوں نے مزید کہا۔ "اردو کی جدیدیت، اس کی شہریت اور ہمہ گیری اور اس کی لچک کو نہ صرف ہندی علاقہ کے بلکہ ہندوستان کے ہر لسانی خطہ کے افراد نے شدت سے محسوس کیا ہے۔"

"اس کی ایک وجہ جس کی طرف آں جہانی پنڈت بال کرشنا بھٹ نے اشارہ کیا ہے، یہ کہ ہندی شبدوں کے ساتھ عربی اور فارسی الفاظ، سنسکرت الفاظ کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اور یہ ہم آہنگی فطری معلوم ہوتی ہے۔" فراق نے پُرزور انداز اختیار کرتے ہوئے کہا: "سنسکرت الفاظ کے مقابلے میں عربی، فارسی الفاظ کا تلفظ ہمارے جیسے کئی زبانیں بولنے والوں کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اس لئے اردو کا کام ہماری دیسی زبانوں کو زیادہ لچک دار بنانا اور انھیں ترقی پذیر موڑ دینا رہا ہے اور رہے گا۔"

پدم بھوشن فراق نے بتایا کہ جدید ہندی میں سنسکرت کے خلاف بغاوت شروع ہو چکی ہے اور ہندی علاقے کے لوگوں کی یہ مانگ ابھر رہی ہے کہ زبان اور تلفظ پر نظر ثانی

کی جائے۔ یہ مانگ دبائی نہیں جا سکی ہے۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں پر اس کے اثر کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔

کیا ہم اسے ہندوستانی زبانوں کے میدان میں روشن خیالی اور سیکولرازم کا نام دیں؟ میں نے پوچھا۔ فراؔق کے مکمل جواب کا متن حسب ذیل ہے:

"ایک صدی کے دو تہائی حصہ تک اردو ہی ملک کے دور دراز حصوں جیسے کمنڈو کلکتہ، میسور، بمبئی، حیدرآباد، وادئ کشمیر اور مدراس میں داخل نصاب رہی ہے۔ یہی ثبوت اس حقیقت پر حکم لگانے کے لئے کافی ہے کہ اردو ایک کل ہند زبان ہے۔

" اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو موثر ترین اور فطری زبان ہے جو نواح دہلی میں پیدا ہوئی، پلی، بڑھی اور ترقی یافتہ ہوئی۔ دلّی جو دنیا کے چند بڑے شہروں میں ایک تھی۔ جو پندرھویں صدی میں ہندوستان کے دارالسلطنت قرار دیے جانے کے بعد سے تین یا چار صدیوں سے ہندوستان کے سب سے بڑے شہر کی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔

" دلّی کی زبان کا ذخیرۂ الفاظ، قواعد، صرف و نحو، روزمرہ محاورہ اور مترادفات اردو زبان وادب کے ذریعہ اپنے عروج کو پہنچ گئے۔

" ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ سینکڑوں بلکہ ہزاروں عربی، فارسی الفاظ نہ صرف ہندی بلکہ مختلف ہندوستانی زبانوں جیسے بنگالی، پنجابی، راجستھانی، گجراتی، مرہٹی اور سندھی ذخیرۂ الفاظ کا جاندار جز بن گیے۔ اس طرح عربی، فارسی کے یہ الفاظ متذکرہ بالا ہندوستانی زبانوں کے مابین ربط کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

" جہاں تک ہندی علاقہ کا تعلق ہے اُن پرکسان سے لے کر آبادی کے اشراف طبقوں تک سو فی صدی عوام کا ذخیرۂ الفاظ ہندی سے عبارت ہے اور اس کے بعد عربی فارسی الفاظ اور محاوروں سے آج کی ہندی جو ہیں ۱۸ کروڑ افراد کی زبان میں ملتی ہے۔ دیسی ہندی اور عربی، فارسی الفاظ سے مل کر بنی ہے۔ ان ۱۸ کروڑ افراد کی زبان میں عادی اعتبار سے سنسکرت الفاظ سب سے کم ہیں۔

" ہندی علاقہ کی بولی اور محاورہ سے قطع نظر اردو شاعری نے اس علاقہ میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ جدید نام نہاد ہندی شاعری کی کتابوں کی فروخت کے مقابل ناگری رسم الخط میں اردو شاعری کے انتخاب کی بکری سوگنا زیادہ رہی۔

" یہی نہیں بلکہ اردو شاعری کی اصناف سخن جیسے غزل، رباعی وغیرہ کو بنگالی گجراتی راجستھانی اور کشمیری شعرا نے بڑی حد تک قبول کیا ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ اردو زبان اور شاعری جدید دور کے قلب و ذہن کی نمائندہ ہے۔

" اردو کی جدیدیت، اس کی شہریت، اس کی ہمہ گیری، اور اس کی لچک کو نہ صرف ہندی علاقہ کے عوام نے بلکہ ہندوستان کے ہر لسانی خطہ کے افراد نے شدت سے محسوس کیا ہے۔

" اس کی ایک وجہ، جس کی طرف آنجہانی پنڈت بال کرشنا بھٹ نے اشارہ کیا ہے، یہ ہے کہ ہندی شبدوں کے ساتھ عربی اور فارسی الفاظ، سنسکرت الفاظ کی نسبت زیادہ آسانی سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور یہ ہم آہنگی فطری معلوم ہوتی ہے۔ سنسکرت الفاظ کے مقابلے میں عربی، فارسی کے ان الفاظ کا تلفظ ہمارے جیسے کئی زبانیں بولنے والوں کے لیے زیادہ آسان ہے۔

" اس لئے اردو کا کام ہماری دیسی زبانوں کو زیادہ لچک دار بنانا اور انھیں ترقی پذیر موڑ دینا رہا ہے اور رہے گا۔ ہر زبان کے پیچھے ایک ذہن ہوتا ہے۔ اردو کے اثر سے یہ ذہن یا ذہنیت بوجھل پن، ابہام اور صوبائیت کی لعنتوں سے بچ نکلتا ہے۔ اردو کی بنیاد عوام کی بنیاد پر ہے۔

" جدید ہندی میں جو کہ نام نہاد ہندی کہلانے کی مستحق ہے سنسکرت کے خلاف بغاوت شروع ہو چکی ہے۔ اور ہندی علاقے کے لوگوں کی نہ دبائی جانے والی یہ مانگ ابھر رہی ہے کہ زبان اور تلفظ پر نظر ثانی کی جائے۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں پر اس کے اثر کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ کیا ہم اسے ہندوستانی زبانوں کے میدان میں روشن خیالی اور سیکولرزم کا نام نہ دیں۔

" ہندوستان کے لسانی جھگڑے ہیں اور ہندوستانی زبانوں میں اردو کا حصہ اختلافی اور مایل بہ انتشار قوت کا نہیں بلکہ متحد کرنے اور جوڑنے والی خدمت گزار قوت کا ہے۔"

(سنڈے اسٹینڈرڈ۔ مترجمہ: منیر احمد خاں)
بشکریہ ترقی اردو۔ حیدرآباد

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف	ناشر	قیمت
نیا طبقہ	مترجم جلیس عابدی	نیشنل اکاڈمی دہلی	۱/-
حسرتیں	غلش دہلوی		۵/-
امجد علی	عذرا جمال		۱۰/-
اسلام اور اشتراکیت	غلام محمد	امرکالونی مارکیٹ	۱/۵۰
آخری حصار	نسیم حجازی	یوولا۔ بی پبلشرز	۱۰/-
شیر دمشق	"	لبرٹی پرنٹرز حیدرآباد	۱۱/۷۵
گلابی موت	اظہار اثر	مکتبہ انوکھا جاسوس	۵/-
قندیل	عزت آرا	"	۵/-
رنگین کانٹے	انور نزہت	"	۳/۵۰
تخلیق و تحقیق مضامین	نریش کمار شاد	کتب خانہ انجمن	۳/۲۵
خلاصہ انار کلی	موہن لال گپتا	"	-/۷۵
شمیم بلاغت (طبع ثانی)	علامہ اخلاقی	"	-/۷۵
تسہیل الاملاء	منشی عبدالقدیر	"	۱/۵۰
تلاش و توازن	ڈاکٹر قمر رئیس		۶/۵
ستم کے سہارے	عفت موہانی	نسیم بک ڈپو لکھنؤ	۵/۵۰
آبرو	عارف مارہروی	پنجابی پستک بھنڈار	۲/-
سیپیں	اے۔ آر۔ خاتون	نسیم بک ڈپو	-/۷۵
عطیہ	زبیدہ سلطانہ	تاج پبلشنگ ہاؤس	۷/۵۰
ناہید	حمیدہ جبین	"	۶/۵۰
شاد عظیم آبادی کلام اور شرح	نقی احمد ارشاد	نسیم بک ڈپو	۸/-
اصناف ادب کا ارتقا	صفی مرتضیٰ	"	۱/۵۰
جنگ اسرائیل	نسیم حجازی	خاتون مشرق	۴/-
کٹھ پتلی	عارف مارہروی	پنجابی پستک بھنڈار دہلی	۶/-
بمبئی رات کی باہوں میں	خواجہ احمد عباس	"	۴/-

دنیا میں جشنِ غالب کی تیاریاں

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی
(سکریٹری انٹرنیشنل آرگنائزنگ کمیٹی جشن صد سالہ غالب ۱۹۶۹ء)

عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین نے مجھے جشن غالب کی بین الاقوامی تنظیمی کمیٹی کا معتمد مقرر کیا تھا۔ ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں نے یہ اعزاز بخوشی قبول کیا۔ اور جشن غالب کی کمیٹیوں کی تنظیم کی غرض سے مندرجہ ذیل ممالک کا سفر کیا۔

۱۔ انگلستان ۲۔ امریکہ ۳۔ کناڈا ۴۔ فرانس ۵۔ اٹلی ۶ نیدرلینڈ، چیکوسلواکیہ ۸۔ سوویٹ یونین ۹۔ ایران۔

انگلستان۔ انگلستان میں جن عالموں سے میں نے رابطہ قایم کیا اور جنھوں نے میرے ساتھ مکمل تعاون کا وعدہ فرمایا۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) ۱ پروفیسر سی۔ فلپس ڈائرکٹر اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز لندن۔ ۲۔ پروفیسر اے۔ جے۔ آربری۔ کیمبرج یونیورسٹی ۳۔ سو رد ئے میسکلین۔ ممبر پارلیمنٹ ۴۔ پروفیسر پسیول اسپیر۔ کیمبرج یونیورسٹی ۵۔ مسٹر رالف رسل۔ اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز لندن ۶۔ مسٹر کیمبر ان۔ ایڈنبرا یونیورسٹی ۷۔ مسٹر ایس سی سٹن لائبریرین انڈیا آفس لائبریری ۹۔ مسٹر سائمن ڈگبی۔ لندن یونیورسٹی۔

(ب) ان حضرات سے صلاح ومشورے سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

۱۔ انگلستان میں ایک قومی کمیٹی کی تشکیل ہوئی، جن کے صدر پروفیسر سی فلپس اور سکریٹری رالف رسل صاحب ہیں ۲۔ غالب پر ایک سمینار منعقد کیا جائے گا۔ ۳۔ غالب سے متعلق ایک نمائش ہوگی ۴۔ غالب کی زندگی اور ان کے کارناموں سے متعلق ایک آپرا پیش کیا جائے گا ۵۔ غالب کی اردو تخلیقات کا انگریزی ترجمہ رالف رسل صاحب اور ڈاکٹر خورشید الاسلام نے مشترکہ طور پر کرلیا ہے جس کی اشاعت کا اہتمام یونسکو

کر رہی ہے ۶۔ میں نے برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری ونڈسر پیلیس لائبریری اور انگلستان کے نیشنل آرکائوز میں غالب کے ان تمام غیر مطبوعہ خطوط کو تلاش کرنے کی کوشش کی جو لندن میں مقیم حکام کے نام لکھے گئے تھے یہ تحقیق ابھی جاری ہے۔

امریکہ: میں دہلی یونیورسٹی کے نمائندے کی حیثیت سے مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے اگست ۱۹۶۷ء میں این آربر (مشی گن امریکہ) گیا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے دنیا کے ممتاز مستشرقین اور علمائے اردو سے جشن صد سالہ غالب کے سلسلے میں تبادلہ خیالات کیا۔

یہاں بھی ایک قومی کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ جس کے صدر پروفیسر نارمن براؤن سکریٹری چودھری محمد نعیم اور اراکین میں پروفیسر کینٹ ول اسمتھ، پروفیسر عبدالرحمان بارکر پروفیسر رابن سن اور پروفیسر داؤد رہبر شامل ہیں

امریکہ میں جشن غالب کے سلسلے میں مندرجہ ذیل پروگرام بنایا گیا ہے۔

۱۔ غالب کی ایک ببلوگرافی مرتب کی جائے ۲۔ غالب سے متعلق تنقیدی نگارشات کا ایک انتخاب مرتب کیا جائے ۳۔ ۱۹۶۹ء (سالِ جشن) میں ہندوستان یا پاکستان کے کسی عالم کو اردو ادب پر کام کرنے کے لئے مدعو کیا جائے۔

کناڈا: میں مونٹریل کے ادارہ علوم اسلامیہ میں گیا اور جشنِ غالب کے سلسلے میں ان حضرات کا تعاون حاصل کیا۔

۱۔ پروفیسر عبدالرحمان بارکر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ میکگل یونیورسٹی ۲۔ پروفیسر عزیز احمد، یونیورسٹی آف ٹورنٹو۔

فرانس: (الف) پیرس میں میں نے جن حضرات سے رابطہ قایم کیا ان کے نام یہ ہیں

۱۔ پروفیسر آندرے گم بے تیر پروفیسر اردو نیشنل اسکول آف اورینٹل لینگوئجز، پیرس ۲۔ کاونٹ ہنری ڈی لاباستید ڈھسٹ، پروفیسر آف مغربی سولیزیشن اسکول آف اورینٹل لینگوئجز ۳۔ ڈاکٹر ایم لاکومب، ڈائرکٹر آف دی انسٹی ٹیوٹ آف انڈین سولیزیشن۔ ۴۔ موسیو ایم پے لاڈ ائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز۔

(ب) پروفیسر اندرے گم بے تیر غالب کی دس غزلوں کا ترجمہ فرانسیسی میں کر رہے ہیں۔ ان کا کام یونسکو نے منظور کر لیا ہے۔

(ج) پروفیسر گم برے تیر جشنِ غالب کی فرانسیسی قومی کمیٹی کے سکریٹری ہوں گے۔ ڈاکٹر لاکومب پروفیسر جے فلیوزا اس کمیٹی کے صدر رہوں گے۔

۳۔ یونسکو: یونسکو پیرس میں مندرجہ ذیل حضرات سے بہت اہم گفتگو ہوئی۔

۱۔ ڈاکٹر طٰہ حسین پارٹی سی پیشن پروگرام ۲۔ مسٹر ایس رودزنتھال پبلسٹی پروگرام ڈائرکٹر۔ ڈاکٹر آر کے لوائے ۳۔ ڈاکٹر مودشی نوف سنٹرل ایشین پروگرام ۴۔ مسٹر طماں اوشیانا ڈویژن ۵۔ جناب معظم حسین ایجوکیشن۔

۴۔ یونسکو کے ارباب حل وعقد سے گفتگو کے دوران مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔ اگر یہ ہمارے نیشنل کمیشن کی جانب سے پیش کی جائیں تو یونسکو ان پر ہمدردانہ غور کرے گی

۱۔ یونسکو سے درخواست کی جائے کہ جشنِ غالب کی تقریبات کو اپنی منظور شدہ تقریبات کی فہرست میں شامل کرے ۲۔ یونسکو ایک قرارداد کے ذریعہ صد سالہ جشن غالب کو مع اس کے مالی پہلوؤں کے تسلیم کرے ۳۔ یونسکو مندرجہ ذیل امور کے لیے رقم فراہم کرے

(الف) غالب پر ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کیا جائے جو یونسکو کے پارٹی سی پیشن پروگرام کے تحت ہو۔

(ب) اس جشن میں حصہ لینے کے لیے، امریکہ، انگلستان، سوویت یونین، فرانس ہالینڈ، ایران، افغانستان، چیکوسلواکیہ، پاکستان وغیرہ سے آنے والے عالموں کو یونسکو سفر خرچ فراہم کرے۔

(ج) یونسکو ان مقالات کو غالب پر ایک یادگار جلد کی شکل میں شائع کرے۔

۵۔ اس قسم کے کام کو ایک مستقل حیثیت دینے کے لیے یونسکو سے درخواست کی جائے کہ وہ کسی ممتاز ہندوستانی محقق کو اردو سے متعلق ماخذ کا تمام تر ذخیرہ جو ساری دنیا میں بکھرا پڑا ہے اس کا جائزہ لے کر اسے تمام ضروری معلومات کے ساتھ شایع کرے۔ اردو کے ان تمام مخطوطات، نایاب کتابوں، اور قدیم اخبارات و رسایل کی مائکروفلمیں بنائی جائیں جو ہندوستان، پاکستان، مغربی جرمنی، فرانس، دے ٹی کن، انگلستان اور آئرلینڈ کے ذاتی اور پبلک کتب خانوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان ماخذ و مصادر سے ان تمام عالموں کی مدد ہوگی جو ہندوستان کی تاریخ یا ارتقا کے کسی شعبہ پر بھی تحقیق کر رہے ہوں گے۔ ایشیا کے اس تہذیبی سرمائے کو جو آہستہ آہستہ ضایع ہوتا جارہا ہے محفوظ کرنے کے سلسلے میں

یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

اس یونسکو سمینار نے بھی جو کابل میں ۳۱ر جولائی تا ۴ر اگست ۱۹۶۷ء منعقد ہوا تھا ان نوادر کے تحفظ کی فوری اہمیت پر زور دیا تھا۔

۶۔ یونسکو کے ماہرین کے ایک جلسہ نے جو کہ پیرس میں ۲۴ تا ۲۸ر اپریل ۱۹۶۷ء کو وسطِ ایشیائی تہذیبوں کے مطالعے کی غرض سے ہوا تھا یہ تجویز کیا تھا کہ ۱۷ ویں اور ۱۹ ویں صدی کے درمیان وسطِ ایشیائی ادبیات کے مطالعے کا کام جس کی طرف ابھی تک توجہ نہیں کی گئی ہے جلد شروع ہونا چاہیے۔ یہ بات متفقہ طور پر مان لی گئی تھی کہ اس عہد کا مطالعہ ۷۰۔ ۱۹۶۹ء میں ہونے والے پروجیکٹ کے لئے تجویز کیا جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ غالب (جن کا انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا تھا) وسطِ ایشیائی جمہوریتوں ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ایران کے درمیان تعاون اور باہمی ربط و تعلق کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں کیوں کہ غالب نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا تھا اور ان کے آبا و اجداد سمرقند سے ہندوستان آئے تھے۔

ان باتوں کے پیشِ نظر یونسکو سے درخواست کی جائے کہ وہ دو فیلوشپ منظور کرے جو دُنیا کے دو ممتاز عالموں کو دیے جائیں تاکہ وہ یورپ کی اہم زبانوں میں غالب کی تخلیقات کا ترجمہ کرسکیں۔

۷۔ یونسکو ایک "غالب البم" کی اشاعت میں، جو ان کی تحریروں اور تصویروں کے عکس پر مشتمل ہوگا، امداد کرے۔

۸۔ یونسکو ایک ایسی کتاب کی تیاری کے لیے امداد دے جس میں دو سو صفحات کے اندر غالب کی زندگی اور ان کے کلام کا جائزہ ہو۔ یہ کتاب عام پڑھنے والوں کے لیے ہوگی اور دنیا کی تمام اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوگا۔

۹۔ یونسکو غالب اور ان کے عہد سے متعلق ایک ادبی میوزیم کے قیام کے لیے مدد کرے جس میں کتابوں کے عکس، مائکروفلم، مخطوطات، لباس، قلمی تصویریں، اصلی خطوط اور غالب اور ان کے معاصرین کی تخلیقات کے پہلے ایڈیشن رکھے جائیں۔

۴۔ بی آن: میں مندرجہ ذیل حضرات سے ملاقات ہوئی۔ جنھیں میرے اعزاز میں ایک لنچ پر خاص طور سے مدعو کیا گیا تھا۔

۱۔ پروفیسر جین ٹے بر ڈاٹ۔ ریکٹر آف ہائر ایجوکیشن و ڈین فیکلٹی آف لیٹرز یونیورسٹی لی آن ۲۔ پروفیسر دیریاس۔۔۔ پروفیسر انگریزی ۳۔ ڈاکٹر مانڈری۔۔۔۔ پروفیسر سنسکرت ۴۔ ڈاکٹر دار یر۔۔۔ پروفیسر چینی زبان ۵۔ ڈاکٹر اجین ۔۔ پروفیسر فارسی ۶۔ ڈاکٹر ای سیف۔۔۔ پروفیسر مسلم تہذیب و تمدن ۷۔ ڈاکٹر اسے لیر۔۔۔۔ پروفیسر جاپانی زبان ۸۔ مسٹر سولار یکیڑ کی ۔ کابینہ کے صدر۔

یہ طے پایا کہ یونیورسٹی آف لی آن میں صد سالہ جشن غالب کمیٹی زیر صدارت ڈاکٹر ٹیلر ڈاٹ تشکیل کی جائے۔

بشکریہ ترقی اردو حیدر آباد

جامِ نو

اقبال سُہیلؔ

۱۸۸۴ ۱۹۵۵

اقبال احمد خاں نام۔ سُہیلؔ تخلص، ان کے مورث اعلیٰ حسین خاں ریاست سوات چترال سے ہندوستان آئے تھے، اپنی غیر معمولی بہادری اور "شیر افگنی" کی بنا پر حاکم جون پور کی طرف سے اُن کو بڑی عزّت اور جاگیر حاصل ہوئی تھی، اسی خاندان کے بعض جرأت مند اور غیور افراد نے ۱۸۵۷ء میں اپنی فوجی خدمات اور شاہانہ مراعات سے الگ ہو کر جنگ آزادی میں کئی حیثیتوں سے حصہ لیا۔

سہیلؔ برہرہ ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے تھے، مولانا شفیع (بانیٔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر) جیسے ذی علم اور دین دار بزرگ سے تعلیم کی ابتدا کی۔ والدہ سے گلستاں بوستاں پڑھی۔ والد کی خواہش اور کوشش کے مطابق بارہ ہی سال کی عمر سے وہ اچھی خاصی فارسی لکھنے اور بولنے لگے تھے۔ مولانا شبلیؔ سے عربی پڑھی اور انھیں کے فیض صحبت سے شعر و ادب کا ذوق پروان چڑھا، سیاسی شعور بیدار ہوا اور اس میں استقلال اور پختگی پیدا ہوئی۔ مشرقی علوم کی تحصیل و تکمیل میں مولانا شفیع اور مولانا شبلی کے علاوہ مولانا حمید الدین فراہی بھی سہیلؔ کے قابل ذکر استادوں میں سے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں جب مولانا فراہی علی گڑھ بلائے گئے تو یہ بھی ان کے ساتھ رہے، تفسیر و حدیث، سبعۂ معلقہ اور دیوان متنبیؔ وغیرہ اُن سے پڑھتے رہے۔ ۱۹۰۹ء میں عربی کا سلسلہ ختم کر کے انگریزی کی طرف متوجہ ہوئے، ۱۹۱۳ء میں انٹرنس پاس کر کے ۱۹۱۴ء میں پھر علی گڑھ آئے اور وہاں سے ۱۹۱۸ء میں ایم اے ایل ایل بی کی ڈگری لے کر اعظم گڑھ واپس آگئے اور وکالت کرنے لگے۔

مولانا اقبال سہیلؔ کی لیاقت، ذہانت اور سیاسی بصیرت کے جوہر علی گڑھ میں طالب علمی ہی کے زمانے سے کھلنا شروع ہو گئے تھے۔ جن دنوں وہ مولانا فراہی کے ساتھ مقیم تھے مولانا حسرت موہانی کے مشہور رسالہ اردوئے معلّیٰ، مصطفیٰ کامل نمبر میں انگریزوں کے خلاف جو

مضمون شائع ہوا تھا اور جس کی پاداش میں حسرت کو قید فرنگ برداشت کرنا پڑی تھی اُس کے لکھنے بلکہ عربی سے ترجمہ کرنے والے یہی اقبال سہیل تھے۔

اُس کے بعد جب یہ باقاعدہ ایم اے او کالج علی گڑھ کے طالب علم ہوئے اُس وقت ان کی عربی فارسی کی قابلیت، وہاں کے بعض استادوں سے بھی بہتر اور زیادہ تھی۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کے خیر مقدم کے سلسلے میں اتنے برجستہ معیاری اور فی البدیہہ قصیدے لکھ دیا کرتے تھے کہ خود اہل زبان ان پر بے ساختہ آفرین و مرحبا کہہ اٹھتے تھے۔ کیسا ہی علمی ادبی یا سیاسی مسئلہ ہو اس پر بحث اور ہر موضوع پر بلا تکلف تقریر کر سکتے تھے۔ یونین کے الکشن میں یہ جس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں اس کی کامیابی یقینی اور جس کے مخالف ہوں اس کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔ حافظے کا یہ عالم کہ جو چیز ایک بار نظر سے گزر گئی پھر وہ بھولتے نہ تھے۔ لباس، رہن سہن اور ظاہری باتوں میں کسی اہتمام یا تکلف سے ہمیشہ بے بہار اور لا پروا رہے۔ شعر و ادب کے سلسلے میں زبان سے بہت کچھ کہا مگر قلم سے بہت کم لکھا۔ ہم عصر شعرا میں اصغر کے بڑے مدّاح تھے۔ آزادیٔ وطن کے شروع ہی سے خواہاں اور کانگریس کے رندگی بھر حامی رہے، ملک جب آزاد ہوا تو پھر کونسل کی ممبری کے نہ کسی عہدے کی خواہش کی اور نہ کسی صلے کے طالب ہوئے۔

خلاف توقع حالات، عوارض، انکار اور بعض سانحات کی بنا پر عمر کے آخری دور میں خاصے افسردہ اور مضمحل رہنے لگے تھے۔

طباعی، ذہانت اور وسیع مطالعے کی بدولت شعر و شاعری سے بچپن ہی سے شغف اور واسطہ رہا مگر اپنے آپ کو نہ بحیثیت شاعر کی مشہور کیا اور نہ شاعروں کی سی خو بو اور زندگی اختیار کی۔ جو کچھ کہا کبھی اُسے محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ جوش و خروش یا عقیدت و احترام کے جذبات جب ابھرنے تو قصیدہ کہے گئے باقی اور تصورات اور تاثرات جب غالب آتے تو ان کو رمز و کنایوں کی شکل دے کر غزل کے پیراہن میں ملبوس کر دیتے۔ سیاسی رنگ میں اور لوگوں نے بھی شاعری کی ہے مگر بقول آثر لکھنوی "نشتریت" جو سہیل کے سیاسی تغزل میں پائی جاتی ہے وہ اور کہیں نہیں ملتی۔ پروفیسر سرور کی رائے ہے کہ "مولانا سہیل نے تغزل کے پیرائے میں ہماری سیاسی کشمکش کے سارے پہلو بڑی خوبی سے بیان کر دیے ہیں۔" اور رشید احمد صدیقی صاحب کے نزدیک اُن کی "شاعری کا معتد بہ حصہ تصوّف اور فلسفے پر مشتمل ہے۔" محمد حسن کالج میگزین جون پور اور "تابش سہیل" کے ذریعے مولانا کا بیشتر کلام سامنے آ چکا ہے۔

انتخاب

قصیدۂ نعتیہ

کرے تارِ شعاعی لاکھ اپنی سعیٔ امکانی ❊ رفو ہوتا نہیں ہے صبح کا چاکِ گریبانی
وہی سمجھیں گے جو واقف ہیں اسرارِ محبت سے ❊ کہ یکساں جاں گسل ہے ذوقِ وصل و دردِ ہجرانی
صبا کے گدگدانے سے اِدھر کلیوں کا ہنس دینا ❊ اُدھر شبنم سے پھولوں کی عرق آلودہ پیشانی

کمالِ عاشقی ہے آپ مرنا اپنے جلووں پر
مرے مذہب میں خود بینی کو کہتے ہیں خدا دانی

محمدؐ وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی ❊ محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
وہ جامع جس نے یکجا کر دئے بکھرے ہوئے دانے ❊ مٹا دی آکے جس نے باہمی تفریقِ انسانی

خرد عاجز، نظر خیرہ، زباں کج مج، بیاں قاصر ❊ زمینِ نعت میں کیا دیجیے دادِ سخن دانی

گاندھی

وہ حدیثِ روحِ پیامِ جاں جسے ہم نے سن کے بھلا دیا ❊ وہ حریمِ غیب کا ارمغاں جسے پاکے ہم نے گنوا دیا
وہی ملک و ملتِ جاں بلب جسے اس نے آب بقا دیا ❊ اُسی ناسپاس نے ہائے اب اُسے جامِ مرگ پلا دیا

ہمیں جس نے فتح دلائی تھی اسے خاک و خوں میں ملا دیا ❊ ہمیں جس نے راہ دکھائی تھی اسے راستے سے ہٹا دیا
تجھے مندروں نے صدائیں دیں کہ ترے کرم سے اماں ملی ❊ تجھے مسجدوں نے دعائیں دیں کہ تباہیوں سے بچا دیا
ہمہ روشنی تری ذات تھی ہمہ سوز تیری حیات تھی ❊ تری روح شمع تھی گل ہوئی ترے تن کو پھول بنا دیا

غزلیات

دوستی کیا نبھائیں گے جن سے ❊ دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا

پہنچی وہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش ❊ اب مے کدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا

نہیں ہے خوفِ اسیری سے ہمتِ پرواز — ہمیں تو کُنجِ قفس ہے یہ آشیاں اپنا
مجھے بھی اذنِ فغاں مل سکے تو مُرغِ اسیر — ترے قفس سے بدل لوں میں آشیاں اپنا
دلِ خطا دارِ اشتیاق سہی — لبِ گنہگارِ التجا نہ ہوا

قفس میں دیتے ہو کیا طعنِ سستِ پروازی — فضا کھلی ہوئی ملتی تو امتحاں ہوتا

رُخِ جاناں پہ دیکھی کشمکش شرم وستم کی — قیامت تھا نگاہِ آرزو کا گُدگُدا دینا

اٹھی تھی موجِ حُسن سے اک معراجِ بے قرار — فطرت نے اس کو پیکرِ انساں بنا دیا
وارفتگانِ شوق کو کیا دیر کیا حرم — جس در پہ دی صدا درِ جاناں بنا دیا

وہ شبنم کا سکوں ہو یا کہ پروانے کی بے تابی — اگر اُڑنے کی دُھن ہوگی تو ہوں گے بال و پر پیدا
مذاقِ سربلندی ہو تو پھر دیر و حرم کیسے — جبیں سائی کی فطرت نے کیے ہیں سنگِ در پیدا

صیاد نے اس طرح سجایا ہے قفس کو — آتی نہیں اب مجھ کو نشیمن کی فضا یاد

نہیں اب کارگر کوئی فریبِ حُسن کا افسوں — مدار اک رہ گیا ہے فتنۂ شیخ و برہمن پہ

رد و قبولِ خلق سے شاعر کو کیا غرض — سودا نہیں ہیں جائیں جو بازار دیکھ کر

اس فصل میں بھی جا نہ سکے شاخسار تک — زنداں نصیب کاش نہ جیتے بہار تک
اے جاں نوازیٔ غمِ جاں ترے نثار — تو نے بھلا دیا ہے غمِ روزگار تک

مرا صبر حد سے گزرا مگر اے سہیلؔ اب بھی
وہ زباں نکال پھینکوں جو طلب کرے ترحّم

ہم نشیمن کو کبھی روئیں تو خطا ہوتی ہے	پھونک ڈالیں وہ چمن بھی تو ہنر کہتے ہیں

تقسیمِ گل پہ بحث عنادل میں چھڑ گئی	گلزار لٹ رہا ہے، کچھ اس کی خبر نہیں

ذرّے جو کل اڑے تھے مری گردِ راہ میں	روشن ہیں اب وہ انجمنِ مہر و ماہ میں

قیدِ غلامی و حیاتِ ننگ ہے ننگِ کائنات	لعنت بندگی کے ساتھ صورتِ زندگی نہ دیکھ
یا تو نسیم کی طرح، دامنِ دل بچا کے رکھ	ورنہ ریاضِ حسن میں جا کے کلی کلی نہ دیکھ

خدا سمجھے بتِ سحر آفریں سے	گریباں کو لڑا یا آستیں سے

صیاد! مژدہ باد، عنادل میں چل گئی	اس کشمکش میں فکر کسے آشیاں کی ہے

انجامِ وفا بھی دیکھ لیا اب کس لیے سر خم ہوتا ہے	نازک ہے مزاجِ حسن بہت سجدے سے برہم ہوتا ہے
تاراجِ نشیمن کھیل سہی، صیاد! مگر اتنا سن لے	جب عشق کی دنیا لٹتی ہے، خود حسن کا ماتم ہوتا ہے

بجلیاں آئیں جو باہر سے وہ رخصت بھی ہوئیں	حملہ افگن ہے مگر برقِ چمن زاد ابھی
فکرِ تعمیرِ نشیمن ہو یہاں کس کو سہیل	ہوش گم کردہ ہیں، مرغانِ نو آزاد ابھی

شبنم ناتواں سہی لیکن	اس گلستاں میں ہے نمو مجھ سے

چشمک کرے تجلّی سے، یہ ایسی کہاں کی ہے	بجلی تو خانہ زاد مرے آشیاں کی ہے

صدا فریاد کی آئے کہیں سے
وہ ظالم بدگماں ہوگا ہمیں سے

یہ آگ دہکتی ہے جتنی اتنا ہی دھواں کم دیتی ہے
احساس ستم بڑھ جاتا ہے تو شور فغاں کم ہوتا ہے

وہ چشم فتنہ گر ہے ساقیِ مے خانہ برسوں سے
کہ باہم لڑ رہے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

حرم والوں میں شایانِ کرم شاید کوئی نہیں
کہ برقِ امتحاں لرزاں ہے بیتابانہ برسوں سے

ساقی سبو بدوش ہے اے ذوقِ تشنہ کام
دستِ طلب میں جرأتِ رندانہ چاہیے

بس اتنی کائنات ہے حیاتِ مستعار کی
شباب ہے حباب کا، بہار ہے شرار کی

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ ... سے آپ کی مدت خریداری ختم ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ کتاب نما کی سرپرستی جاری رکھیں گے اور مبلغ دو روپے زرِ چندہ منی آرڈر ۵ ارجون تک بھیج دیں گے تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔

آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو ہم سمجھیں گے کہ کتاب نما آپ کی سرپرستی سے محروم ہو گیا مجبوراً پرچہ بند کر دیا جائے گا

منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے گا۔ آپ کا خریداری نمبر ہے ــــــ ہے

(منیجر)

تازہ ہندوستانی مطبوعات

ادبی	ریاست	ڈاکٹر ذاکر حسین	۱۲/۵۰
"	تکلف برطرف	مجتبیٰ حسین	۳/۰
"	مخدوم - ایک مطالعہ	داؤد اشرف	۲/۵۰
"	نثر و غزل دستہ شاد عارفی کے مضامین اور جزو کلام	مرتبہ ۔ مظفر حنفی	۸/۰
"	تلاش و توازن	ڈاکٹر قمر رئیس	۴/۵۰
"	بہادر شاہ ظفر فن اور شخصیت	پروفیسر خواجہ تبور حسین	۵/۷۵
"	اصناف ادب کا ارتقاء	سید صفی مرتضیٰ	۱/۵۰

شعری	شراب کہنہ	رشید نعمانی	۳/۲۵
"	جلتے کنول	شمس فرخ آبادی	۲/۰
"	حسرتیں	خلش دہلوی	۵/۰
رسالہ	شاعر افسانہ و ڈرامہ نمبر	مرتبہ ۔ اعجاز صدیقی	۳/۰
لغات	مہذب اللغات جلد پنجم	مرتبہ ۔ مہذب لکھنوی	۲۲/۵۰
ناول	ستم کے سہارے	عفت موہانی	۵/۵۰
بچوں کے لئے	سیپیں	اے ۔ آر ۔ خاتون	۱۰/۷۵

پاکستانی مطبوعات

ادیب	ڈاکٹر عطا حسن	۵/۰
ادب اور تنقید	ڈاکٹر سید شاہ علی	۶/
افادات مہدی	مرتبہ بیگم مہدی	۶/۵۰
اسوۂ علی رضا	رئیس احمد جعفری	۹/۷۵
افعال مرکبہ	تمنا عمادی	۳/۰
احسن الکلام	احسن مارہروی	۸/۷۵
انوار اقبال	مرتبہ بشیر احمد ڈار	۱۵/۰
انگلش اردو ڈکشنری	فیروز سنز	۱۴/۰
اصول فقہ اسلام	سر عبد الرحیم	۱۰/۰
اردو مثنوی کا ارتقاء	عبد القادر سروری	۳/۵۰
اردو کی عشقیہ شاعری	فراق گورکھپوری	۲/۲۵
برق و مقناطیس	پروفیسر حمید عسکری	۱۲/۰
بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۶/۵۰
بستان العارفین	امام ابو زکریا محی الدین	۶/۰
پاکستان میں اردو	محمد طاہر فاروقی	۲۰/۰
تفسیر حقانی کامل (۸ حصے)	مولانا حقانی	۵۵/۰
تاریخ عہد بنی امیہ	ابو الحسن علی بن الحسین	۶/۷۵
جنسی معلومات	ارمان سرحدی	۳/۷۵
خواہ مخواہ	شوکت تھانوی	۶/۵۰
رباعیات انیس	مرتبہ ۔ عمر فیضی	۳/۷۵

سیاست شرعیہ	امام ابن تیمیہ	۱۰/۵۰
سیرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ	سید فضل ابن احمد	۷/۷۵
شعر فارسی معاصر	محمد حسن فرسنگ	۳/۷۵
تعلیمات شیخ عبد العزیز دباغ	[illegible]	۱/۰
شبلی نقادوں کی نظر میں	مرتبہ ۔ محمد واصل عثمانی	۲/۲۵
صراط مستقیم	شاہ سید احمد شہید	۸/۰
غزل اور مطالعۂ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۳/۰
دوائے نبوی	امام ابن قیم	۲/۷۵
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۴/۵۰
قانونی لغت	تنزیل الرحمٰن	۱۰/۰
منہاج العابدین	امام غزالی	۹/۰
مشائخ الاعصار	سید ظفر الدین احمد	۷/۵۰
میر و سودا کا دور	ثناء الحق صدیقی	۱۵/۰
نکات مجنوں	مجنوں گورکھپوری	۳/۵۰
نئی قدریں (شاعر نمبر)	مرتبہ ۔ اختر انصاری	۹/۰
اوراق ۔ سالنامہ	" وزیر آغا	۴/۵۰
افکار ۔ سالنامہ	" صہبا لکھنوی	۶/۵۰
فنون	" احمد ندیم قاسمی	۶/۵۰
ہم اور ہماری نفسیات	مرتضیٰ شفیع	۴/۰

ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ نزد جے جے ہسپتال بمبئی ۳ (بی آر)

جائزے

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

شاد عظیم آبادی، کلام اور شرح کلام

شارح و مرتب　نقی احمد ارشاد

صفحات　۵۵۴　سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$

قیمت　آٹھ روپے

ناشر۔　نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنؤ

شہر عظیم آباد (پٹنہ) بہار کا نام روشن کرنے والوں میں سید علی محمد شاد (۱۸۴۶-۱۹۲۷ء) ایک نمایاں اور قابل لحاظ حیثیت رکھتے ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ سے دور رہ کر بھی انہوں نے اپنے کلام میں کچھ ایسی دل کشی اور تازگی پیدا کر لی تھی کہ شعر و ادب کا مذاق رکھنے والے ان کو اکثر یاد کرتے رہیں گے۔ مرحوم بڑے پُرگو شاعر تھے۔ متعدد اصنافِ سخن میں ان کا بڑی مقدار میں کلام موجود ہے۔ نثر میں بھی ان کا قلم رواں تھا۔ چنانچہ نظم و نثر کی چھوٹی بڑی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب ملا کر ان کی تصانیف کی تعداد قریب ساٹھ تک بتائی جاتی ہے۔ شاد کی مقبولیت اور شہرت کا بڑا سبب ان کی غزلیں ہیں اور ان کے وہ اشعار جو اپنی معنویت، لطافت اور حسن ادا کی بنا پر ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مختلف اوقات میں اور مختلف ناموں سے ان کے متعدد مجموعے چھپتے رہے ہیں پھر بھی بہت سی غزلیں اور غزلوں کے شعر غیر مطبوعہ رہ گئے تھے جو نقی احمد ارشاد صاحب کی کوششوں سے اس مجموعے میں شامل ہیں۔

کلامِ شاد کو ان کے شارح نے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے، رومانی، عرفانی، علم الکلام، فلسفیانہ شاعری، اخلاقی سماجی اور سیاسی شاعری۔

رومانی کلام حضرت شاد کی جوانی کی یادگار ہے جسے وہ بعد کو بھی اصلاحیں دے دے کر چُست کرتے رہے۔ شباب کے ختم ہوتے ہی ان کی عرفانی شاعری کا دور شروع ہو جاتا ہے اور اس زمانے میں انھوں نے اپنے مذہبی عقاید اور معلومات کے تحت قرآن اور حدیث کے مضامین اور موضوع کی طرف خاص طور سے توجہ دی ہے۔ نہ صرف مضامین اور موضوع بلکہ کہیں کہیں

ان متبرک کتابوں کی آیتوں یا خاص خاص ٹکڑوں کو لے کر نظم کر دیا ہے۔ شاد نے اکابر فارسی شعرا کی جا بجا اور حافظ کی تو خصوصیت کے ساتھ پیروی کی ہے۔

شارح نے واقعی یہ ایک بڑا اور ضروری کام انجام دے دیا ہے کہ کلام شاد میں جہاں کہیں آیات، احادیث، مذہبی تلمیحات، فارسی شعرا کا تتبع یا کسی اور مسئلے کی طرف اشارہ ہے اس کی پوری پوری وضاحت، تشریح اور ترجمہ کر دیا ہے۔ اس سے نہ صرف اُن کی قابلیت اور علمی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ شاد کے کلام کی عظمت و وقعت میں لطف وافادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

جناب ارشاد ایک شارح اور مرتب کے علاوہ مصور بھی ہیں اور ان کے قلم کی دو تصویریں بھی کتاب میں موجود ہیں۔ سوانح عمری کے تحت قریب قریب تمام ضروری باتوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ "فہرست غزلیات" کے ضمن میں جو اختیار اور تنوع برتا گیا ہے اس سے غزلوں کو تلاش کرنے میں سہولت بالکل نہیں ہوتی۔

غالب اور مومن کے بعد حضرت شاد عظیم آبادی اس دور کے وہ قادر الکلام اور خوش نصیب شاعر ہیں جن کا کلام شرح وتفسیر کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

۵۸۶ غزلوں، تیرہ متفرق اشعار اور بارہ منتخب قطعات کا یہ مجموعہ بہر طور اس قابل ہے کہ اہلِ علم کے طبقے میں اس کی پذیرائی ہو اور سخن ور سخن سنج حضرات اس سے مستفید ہوں۔

رشید نعمانی

مثالی خواتین

مصنف: یونس نگرامی ندوی
ناشر: مکتبہ طیبہ سی ۲/۴۸ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ
قیمت: ۵۰ پیسے　　صفحات: ۴۰

اس مجموعے میں اُن خواتین کا تذکرہ ہے جنھوں نے دنیائے اسلام میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ شروع زمانۂ اسلام نے ایسی بہت سی عورتوں کو جنم دیا جو دینی اور اخلاقی حیثیت سے کسی طرح مردوں سے پیچھے نہیں رہیں بلکہ بعض حالات میں وہ اُن کے مقابل ہی نظر آتی ہیں۔ اس "صنف نازک" نے اسلام کی راہ میں شدید ظلم وستم کا مقابلہ جس جواں مردی کے ساتھ کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے اور اس "کمزور" اور "ناقص العقل" جنس نے جو بارگراں

اُٹھائے ہیں اُن کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اُن کی بلند ہمتی اور استقامت دین نہ صرف عورتوں کے لیے بلکہ اِس دور کے مردوں کے لیے بھی باعثِ رشک اور قابلِ تقلید ہیں۔

انسان کی پہلی اور بڑی معلمہ ماں ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ اور بامراد ہیں وہ ہستیاں جنھیں ایسی ماؤں کی گودیں ملیں جو دوسروں کے لیے بھی مثالی خواتین ثابت ہوئیں اور جن کے تاریخی حالات نے پڑھنے والوں کی رگ و پے میں خونِ گرم دوڑا دیا۔

تاریخی قصّے کہانیوں اور واقعات کا انسان کی زندگی پر جو گہرا اثر پڑتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کتاب کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو یقیناً اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اس لیے کہ کتاب کا مطالعہ قاری پر گہرے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔

شبنم قادری

تلخیص سراپا سخن

مصنف سید محسن علی موسوی
مرتبہ: ڈاکٹر سید سلیمان حسین
صفحات ۲۳۱، سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت: چار روپے
ملنے کے پتے نایاب بک ڈپو، نادان محل، لکھنؤ
صدیق بک ڈپو امین آباد، لکھنؤ
شہنشاہ بلڈنگ، نخاس لکھنؤ

تذکروں کی اہمیت مسلّم ہے، شعرا کے حالات اور ان کے رنگِ سخن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا یہ ایک آسان ذریعہ ہیں۔ میرؔ اور حمیدؔ اورنگ آبادی نے یہ کام شروع کیا تھا۔ بعد کے لوگوں نے اس کو اور آگے بڑھایا ہے۔ پچھلے تیس پینتیس برس سے پرانے تذکرے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے جا رہے ہیں اور ان کو آج کل کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اور جدید مذاق کے مطابق مطبوعہ شکل میں سامنے لایا جا رہا ہے۔

"سراپا سخن" اور اس کی تلخیص بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں یہ تذکرہ مرتب ہوا تھا اور سنہ ۱۸۶۱ء میں پہلی بار طبع ہوا۔ ترتیب و تالیف کے اغراض و مقاصد خود صاحبِ تذکرہ نے قلم بند کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ جو ضروری باتیں ہو سکتی تھیں وہ مرتب نے

اپنے مقدمے میں ظاہر کر دی ہیں۔

۲۳۲ شاعروں کا اس تذکرے میں ذکر ہے، حالات اور انتخاب میں اجمال اور اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ پھر بھی کئی حیثیتوں سے یہ تذکرہ ایک خصوصیت اور ایک اہمیت رکھتا ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ ہر معروف اور غیر معروف شاعر کے وہ شعر انتخاب کئے گئے ہیں جن میں ممدوح یا محبوب کے سر، آنکھ، کان، ناک، ہاتھ پاؤں وغیرہ بلکہ دل اور روح تک کا نام یا ذکر آ گیا ہے۔ اور اہمیت اس بنا پر ہے کہ براہ راست اردو میں جو تذکرے لکھے گئے ہیں اُن میں اُس کا پانچواں نمبر ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک نئی اور مخصوص کوشش بھی۔ بایں ہمہ تدوین و ترتیب میں چونکہ بعض ضروری باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور متعدد نام اور باتوں کی تکرار ہو گئی ہے اس وجہ سے بقول مولانا عرشی اس سے "استفادہ بڑا دشوار تھا" خوشی کی بات ہے کہ اس دشواری کو حل کرنے اور اس کو آسان یا مفید تر بنانے کی طرف ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے پیش قدمی کی۔

آج کل کسی پرانی اور نایاب کتاب کا طبع کرا دینا ہی کون سا آسان یا معمولی کام ہے نہ کہ ایک ایسے اہتمام اور التزام کے ساتھ شائع کرنا کہ اس کی سابقہ کمیاں دور ہو جائیں اور استفادے کی دشواریاں باقی نہ رہیں۔

بہرحال یہ کام ستایش اور ہمت افزائی کا مستحق ہے۔ پیش نظر کتاب میں نہ طوالت باقی رہی اور نہ تکرار۔ شعرا کے تخلص کو لے کر ان کو حروف تہجی کے مطابق درج کر دیا گیا ہے۔

اور اچھا ہوتا اگر کتاب میں ایک ایسا انڈیکس بھی موجود ہوتا جس سے یک نظر یہ اندازہ کیا جا سکتا کہ "سراپا" سے متعلق کتنی مشترک اور مختلف چیزوں پر شعرا نے طبع آزمائی کی ہے۔

رشید نعمانی

حدیثِ معرفت

منتخب کلام

مرتب: عزیز وارثی

ناشر: مکتبہ ندائے اتحاد ۲۳۹، لال کنواں دہلی ۶

صفحات ۲۵۶ اشاعت ۱۹۶۷ء

قیمت: پانچ روپے

صوفیائے کرام اگر ایک طرف آسمانِ ولایت سے تارے توڑ کر لاتے ہیں تو دوسری

طرف انھوں نے دنیائے علم و ادب میں اپنی شاعری اور علمی تخلیق سے اس ارضِ خاک کو بقعۂ نور بنا دیا ہے۔ مختلف دور کی تاریخ ہمیں اس بات کا ثبوت دیتی رہی ہے۔ "حدیثِ معرفت" اس بیسویں صدی کا زندہ ثبوت ہے۔ یہ مجموعہ وارثیہ سلسلے کے ممتاز شعرا، حضرت اوگھٹ شاہ وارثی بچھرایونی؟، حضرت بیدم شاہ وارثیؒ اور حضرت بابا حسن رضا وارثیؒ کے منتخب کلام پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے کے مشہور پیشوا حاجی سید وارث علی شاہ صاحبؒ (وصال دیوہ شریف ۱۳۲۳ھ) ہیں جنھوں نے دراصل قادریہ اور چشتیہ سلسلے کے سنگم کی بنیاد "وارثیہ" سلسلے کے نام سے ڈالی۔ دربارِ وارثی کے مخصوص شعرا، جن میں سے بیشتر بہت مشہور ہیں۔ مثلاً اکبر وارثی میرٹھی۔ جن کا "میلادِ اکبر" گھر گھر پڑھا جاتا ہے، مصطر خیرآبادی، مولانا سیماب اکبرآبادی، بے نظیر شاہ وارثی، منظفر وارثی اور اس کتاب کے فاضل مرتب عزیز وارثی وغیرہ۔

(۱) دل کی لگی اکثر شعر کا قالب اختیار کر لیتی ہے۔ اوگھٹ شاہ صاحبؒ کی شاعری کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ وہ اپنے مرشد حاجی وارث علی شاہؒ صاحب کو صوفیائے کرام کے منتخب اشعار اکثر سنایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ خود بھی کہنے لگے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

ہو گھٹ جوگی بن کے نکلا احمد نام کی سمرن جپتا	لکھنا اپنی لوحِ جبیں پر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
جس کی گنجایش نہ ہو کو من میں	اُس کے رہنے کا مکاں یہ دل ہوا
رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیسا ہم نے	بُتوں کو سجدہ کیا جان کر خدا ہم نے
ہمیں لفظ ہیں اور ہمیں اُس کے معنی	زباں بھی ہمیں ہیں بیاں بھی ہمیں ہیں
ہوک اُٹھی سُن بانسریا کلپت ہوں دن رین	موہن تڑپے درس بنا ہردے پڑے نہ چین
رام رلن کا لیکھا سُن لے ہاتھ گرد کا تھام	جگ کی ممتا سن سیکھوتے ملیں گے اوگھٹ رام

(۲) حضرت بیدم شاہ (سراج الدین) نے بھی اپنے مرشد کی توجہ مبذول کرانے کے لیے اپنے جذبات کو شعر کا جامہ پہنایا۔ اُن دنوں آتش کے شاگرد وحید مانک پوری کے جانشین نثار اکبرآبادی کا آگرہ میں طوطی بول رہا تھا۔ بیدم شاہ کو شوق آگرے لے گیا۔ نثار اکبرآبادی کے زمرہ میں شامل ہو گئے، اور بیدم تخلص اختیار کیا۔ حاجی صاحب سے بیعت ہونے کے بعد بیدم شاہ ہو گئے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

ہم سب کا رخ سوئے کعبہ سوئے محمد روئے کعبہ	کعبے کا کعبہ کوئے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
شگفتہ گلشنِ زہراؑ کا ہر گُلِ تر ہے	کسی میں بوئے علیؑ اور کسی میں بوئے رسولؐ

اب آدمی کچھ اور ہماری نظر میں ہے	جب سے سُنا ہے یار لباسِ بشر میں ہے
ہتھیلی پر لیے سر عشق کے دربار میں آیا	میں جس سرکار کا بندہ تھا اُس سرکار میں آیا

(۳) باباحسن رضا" کا پہلا انتخاب آپ کے جانشین مرحوم وزیر علی شاہ صاحب نے رضا دارثی پریم کٹی مشن کلکتہ سے ۱۹۶۵ء میں شایع کیا تھا۔ حدیثِ معرفت میں زیادہ معیاری انتخاب شایع کیا گیا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

جو داغ ہیں عصیاں کے وہ بن جائیں نگینے	چمکے مری اُمّت کا ستارہ شبِ معراج
آپ ہی مندر تم آپ ہی مسجد آپ بنا گئو شالا	اپنی پوجا آپ کرت ہے آپ جپت ہے مالا
ہنسی آتی ہے اے قاتل مجھے تیری مروّت پر	جو چھوٹا سایۂ خنجر گردنِ بسمل سے ملتا ہے
کیا آئے ہو کیا جاتے ہو ٹھہرو تو سنو تو	بیٹھو بھی ذرا پاس، ہو دو چار گھڑی بات

الغرض دربار دارثیہ نے جہاں میدان تصوّف میں اچھے شہسوار پیدا کیے وہاں قادرالکلام شعرا بھی پیدا کیے۔ کتاب میں تینوں بزرگوں کی رنگین نصاویر بھی شامل ہیں۔ کتابت طباعت صاف ستھری، عمدہ کاغذ اور ٹائٹل دیدہ ریب ہے۔ لائق مرتب کی کوشش قابلِ مبارکباد ہے۔

شبنم قادری

مکاتیب احمد سعید

مرتبہ: سید ضمیر حسن دہلوی
صفحات ۱۵۲، سائز $\frac{20\times30}{16}$
قیمت: دو روپے پچاس پیسے
پبلشر دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی

مولانا احمد سعید ایک وضع دار اور خوش خلق انسان تھے، وہ ایک خوش بیان واعظ یا مقرر کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ مذہبی اور سیاسی معاملات میں جو روش ایک بار انھوں نے اختیار کرلی آخر دم تک خوش اسلوبی اور استقلال کے ساتھ اُس پر قائم رہے۔ اس وضع قطع اور اس مشرب و مسلک کے لوگ اب شاذ ہی نظر آئیں۔ ان کے سیاسی مجاہدوں اور مذہبی اعمال و افکار میں علمائے سلف کی سی خوبیاں اور خصوصیتیں موجود تھیں اور ان کی تقریر و تحریر میں دہلی کی ٹکسالی زبان کا لطف اور بولی ٹھولی کا مزا ملتا تھا۔

باقی صفحہ ۲۷ پر

جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا ان کی مشہور کتابیں ہیں اس کے علاوہ قرآن پاک کا (غیر مطبوعہ) ترجمہ۔ ان میں موعظت اور ایمان کو تازہ رکھنے کا سامان ہے۔

اب سامنے آتے ہیں ان کے خطوط۔ جو سید ضمیر دہلوی کی محنت اور کوششوں کی بدولت ضروری اور معتبر مقدمے کے ساتھ مطبوعہ شکل میں آگیے۔ ان میں مولانا کی سیرت و شخصیت، زبان دانی اور میل جول کے بعض لطیف پہلو اور خوش گوار جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

یہ سارے خط ایک لحاظ سے نجی ہیں اور صرف اُن لوگوں کے نام جن سے مرحوم کو ایک خاص تعلق اور یگانگت تھی۔ بیشتر خطوط ملا واحدی کے نام ہیں جو اُس وقت کے ہیں جب واحدی صاحب دہلی چھوڑ کر کراچی چلے گئے۔ چند بہت مختصر اقتباسات ملاحظہ ہوں ذکرِ احباب" ...کچھ موت کی نذر ہو گیے اور کچھ پاکستان کی بھینٹ چڑھ گیے" (ص۵۵) اعتراف واعتماد" ساری زندگی خوش طبعی میں گزری، انشاء اللہ خوش طبعی کے ساتھ موت بھی آئے گی" (ص۶۲) عجزو انکسار" ...سوائے اسلام کے اور ٹوٹی پھوٹی نمازوں کے اور ہال پڑے بلکہ دراڑیں پڑے روزوں کے اپنے پاس اور کیا رکھا ہے۔" (ص۱۱۶) زندگی وظرافت" ... دانت ایک نہیں رہا، نہ کسی کو پیار کرسکتا ہوں، نہ کوئی چیز آسانی سے چبا سکتا ہوں" (ص۴۷) ایک دل چسپ محاورہ" ...گھری کا ایک گھر بگھری کے ستر گھر" (ص۵۵) اوقات گزاری"... شادی والے نکاح پڑھانے کے لیے لے جاتے ہیں، غمی والے جنازے کی نماز پڑھانے کے لیے گھسیٹتے ہیں۔"

ملا واحدی کے علاوہ کوئی ۴۴ خط، سات آدمیوں کے نام اور بھی ہیں اور وہ بھی لکھنے والے کی کیفیت و کردار کے آئینہ دار ہیں۔

اُردو کے نام لیوا اور اُس کے قدر شناس تو ان مکاتیب کے مطالعے سے خوش ہوں گے ہی۔ اس کے علاوہ ادب اور بے ادبی کی باہمی بحث و کشمکش دور کرنے میں بھی ایسی کتابوں سے مدد اور سند حاصل کی جا سکتی ہے۔

رشید نعمانی

ادبی خبریں

آگرہ میں غالب کی یادگار

لکھنؤ: غالب کی صدسالہ تقریبات سے متعلق یوپی کی کمیٹی نے اس بات کی سخت مخالفت کی ہے کہ غالب کا وہ گھر جہاں وہ آگرہ میں پیدا ہوئے تھے گرایا جائے۔ اس سلسلے میں بطور احتجاج ایک وفد جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین سے ملاقات کرے گا اور استدعا کرے گا کہ اس گھر کو غالب کی یادگار کے طور پر محفوظ کرلیا جائے۔ (الجمعیۃ)

میونخ میں اقبال کی یادگار

میونخ: ۲۲ر اپریل مشہور شاعر اور فلاسفر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی یاد میں جن کا انتقال تقریباً ۳۰ برس پہلے ہوا تھا یہاں پر ایک یادگار تعمیر کی گئی ہے جس کی نقاب کشائی کی رسم ۲۲ر اپریل کو ادا کی گئی یہ یادگار دو میٹر بلند ہے، اور اس پر لکھا ہے "پاکستان کے فلاسفر اور قومی شاعر سر محمد اقبال، پیدائش ۱۸۷۳ء انتقال ۱۹۳۸ء جنھوں نے میونخ یونی ورسٹی سے ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی" (الجمعیۃ)

ذوق کا مزار کس مپرسی میں

خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے اتالیق اور اردو کے عظیم شاعر شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کو دلی سے جو محبت تھی وہ ڈھکی چھپی بات نہیں چنانچہ ان کے اشعار میں اکثر اس کا اظہار ملتا ہے۔ لیکن جس دلی سے اس عظیم شاعر نے اتنی محبت اور وارفتگی کا اظہار کیا اس دہلی نے اس سے اتنا ہی بے محابا سلوک کیا اور آج اس عظیم ہستی کے مزار تک کا بھی نشان نہیں ملتا۔ تقسیم ہند نے جہاں متعدد بدنما داغ چھوڑے ہیں وہیں ایک یہ بھی کہ قلعۂ معلیٰ کے آخری رہنمائے علم وادب کا مرقد آج پبلک پاخانہ سینما پوری میں دہلی میونسپل کارپوریشن نے حال میں ہی بنایا ہے۔ اس علاقے میں گائے بھینسیں بندھتی ہیں اور پورے علاقے میں ڈیریوں کا جال بچھا ہوا ہے جہاں ہر طرف غلاظت کے ڈھیر دیکھنے میں آتے ہیں۔ دہلی کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی اس پر جتنا بھی ماتم کرے کم ہے۔ (انڈین اکسپریس)

یس اتو۔

"مکتوب لندن"

مانچسٹر میں یوم اقبال نسیم احمد باجوہ کی اطلاع کے مطابق ۲۸ اپریل بروز اتوار چار
بجے سہ پہر کورڈبی ہال، مانچسٹر ۱۳ میں یوم اقبال منایا جائے گا۔ جس میں مقررین علامہ اقبال
کی شاعری اور سیاسی فلسفہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے اور چند گلوکار
کلام اقبال ترنم سے پیش کریں گے۔ اس یادگار تقریب میں شرکت کے لئے مانچسٹر اور اطراف
کے اردو نواز حضرات کو مدعو کیا گیا ہے۔ (ہماری زبان)

"بیکانیر میں جشنِ خلیل کا انعقاد" بیکانیر ۱۶ اپریل (ڈاک سے) کل رات ۹ بجے بزمِ خلیل کے
زیرِ اہتمام عظیم الشان پیمانے پر جشنِ خلیل منایا گیا۔ صدارت
کے فرائض عالی جناب این۔ سی۔ دتّہ صاحب ڈی آئی جی پولیس بیکانیر نے انجام دیے۔
نیز عالی جناب انل بورڈیا صاحب ایڈیشنل ڈائریکٹر محکمۂ تعلیمات حکومتِ راجستھان
نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ جشنِ خلیل کا پہلا دور تقاریر اور مقالات پر
مشتمل تھا۔ بزمِ مقالات کے بعد خلیل حمدانی صاحب کے مجموعۂ کلام بنام 'گلزارِ خلیل' کی اہم
اجرا عمل میں آئی اور صدرِ محترم نے گلزارِ خلیل کی پہلی جلد اپنے دستِ مبارک سے خلیل صاحب
کو پیش کی۔ قبلہ موصوف نے اس اعزاز پر دلی شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کل راجستھان طرحی مشاعرہ
ہوا جس میں مقامی شعراء کے علاوہ راجستھان کے نمائندہ شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔ آخر
میں قراردادِ شکریہ کے بعد "جشنِ خلیل" کی تقریبات اختتام پذیر ہوئیں (طفیل احمد تابش حمدانی)

پروفیسر پرویز شاہدی کا انتقال کلکتہ ۵ مئی۔ اردو کے ترقی پسند شاعر اور کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو
کے انچارج پروفیسر پرویز شاہدی کا کل شام سات بجے ان کی رہائش گاہ
واقع نمبر ۶ لوئر رینج میں انتقال ہوگیا۔ وہ کئی سال سے دمہ کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ پسماندگان میں ان
کی والدہ، بیوی اور بچی شامل ہیں۔ پروفیسر مرحوم کا آبائی وطن پٹنہ تھا اور وہیں انھوں نے ابتدائی
تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ عمر کا زیادہ حصہ کلکتہ اور مغربی بنگال میں گزرا۔ تعلیم کے بعد عملی اور ادبی سرگرمیوں
کا آغاز کیا۔ وہ عرصہ تک مدناپور کے ایک کالج سے منسلک رہے۔ لیکن دلچسپی کی وجہ سے انھیں
ملازمت چھوڑنی پڑی۔ کمیونسٹ تحریک سے وابستگی کی وجہ سے کچھ عرصہ نظر بند رہنا پڑا۔ رہائی کے بعد مکمل
کلکتہ میں قیام کیا۔ کلکتہ یونیورسٹی میں اردو کی توسیع ہوئی تو ان کا تقرر سینیئر پروفیسر کی حیثیت سے ہوگیا
[illegible] متعلق [illegible] مجموعۂ کلام "رقصِ حیات" [illegible] زیرِ ترتیب تھا کہ انتقال ہوگیا۔ عمر ۶۰ سال کی تھی

Regd No D.58 June 1968

KITAB NUMA

JAMIANAGAR NEW DELHI-25

ماہنامہ

کتاب نما

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

منیجنگ اڈیٹر: غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول: مجیب احمد خاں

ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی - ۲۵

جولائی ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۷، ۵
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ بیس پیسے

اشاریہ

تعلیمی ادارے گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد کھلنے شروع ہو گئے ہیں، بلکہ بعض صوبوں میں تو پڑھائی بھی ہونے لگی ہے اور اساتذہ اور طلبا نئے حوصلوں اور نئی لگن کے ساتھ درس و تدریس کے کاموں میں لگ چکے ہیں۔ مکتبہ جامعہ بھی جس کی مختلف درسی کتابیں ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں داخل نصاب ہیں، آج کل انہی کی تیاری اور روانگی میں مصروف ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ قوم کے نونہالوں کو مکتبہ جامعہ کی تیار کردہ کتابیں ہر سال کی طرح اس سال بھی وقت پر مل رہی ہیں اور کم از کم مکتبہ جامعہ سے کتابوں کی کمی یا تاخیر کی ابھی تک شکایت نہیں ہوئی ہے۔

درسی کتابوں کی مصروفیت کے باوجود مکتبہ جامعہ میں ادبی کتابوں کی اشاعت کا کام بھی برابر جاری ہے۔ کئی قابلِ ذکر پرانی کتابوں کے نئے اڈیشن چھاپنے کے علاوہ اس دوران جن چار کتابوں کی تیاری کا کام ہوا ہے وہ اپنی افادیت اور ادبی حیثیت کے اعتبار سے ہر طرح قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ ہے۔

پہلی کتاب ہے "پریم چند کے خطوط"۔ خطوط کا یہ بیش بہا مجموعہ مدن گوپال صاحب نے مرتب فرمایا ہے، اردو میں پہلی بار شائع کیا گیا ہے۔ ان خطوط کے ذریعے نہ صرف یہ کہ پریم چند کی زندگی اور ان کی سیرت و شخصیت پر مختلف زاویوں سے روشنی پڑے گی بلکہ ان کے پرستاروں اور نقادوں کو کچھ ایسی چونکا دینے والی باتیں بھی معلوم ہوں گی جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی تھیں۔

دوسری کتاب ہے پروفیسر احمد علی کے انگریزی ناول 'TWILIGHT in DELHI' کا ترجمہ، جسے اردو میں "دلی کی شام" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اس ناول کے بارے میں اس وقت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ پہلے پہل انگلینڈ میں شائع ہوا اور اتنا زیادہ پسند کیا گیا کہ اس کے اب تک بیسیوں اڈیشن انگلینڈ کے علاوہ دوسرے مغربی ممالک میں بھی شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔

تیسری کتاب ہے "فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ"۔ سید ضمیر حسن صاحب دہلوی کی یہ تصنیف

جس میں اسعد کی مشہور داستان "فسانۂ عجائب" پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے، اپنی ادبی حیثیت کی وجہ سے منفرد اور خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس نے وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔

چوتھی کتاب ہے "شہرآشوب" یہ اردو نظم کی اس صنف خاص پر واحد اور غالباً پہلا مستند تذکرہ ہے جو بلا شبہ ادب میں ایک گراں قدر اضافہ کہلانے جانے کا مستحق ہے۔ یہ تذکرہ ڈاکٹر نعیم احمد نے مرتب فرمایا ہے۔

مکتبہ جامعہ کی یہ چاروں کتابیں طباعت کی منزلوں سے گزر چکی ہیں اور اُمید ہے اس ماہ کے آخر تک شائقین ادب کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گی۔

ہم مشکور ہیں جودھپور کے جناب محمد شرف احمد عثمانی صاحب کے جنھوں نے کتاب نما کے سات خریدار دیے ہیں

ہمیں افسوس ہے کہ بعض انتظامی خرابیوں کے باعث، ۲۔ ۳ ماہ سے کتاب نما کی اشاعت میں تاخیر ہو رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ان حالات پر قابو پا لیا گیا ہے۔

امید ہے کہ اس ماہ کے بعد رسالہ بر وقت شایع ہو کر اپنے قارئین کے ہاتھوں میں ہر ماہ کی پہلی، دوسری تاریخ تک ضرور پہنچ جایا کرے گا۔

اس درمیان میں جو زحمتِ انتظار قارئین کرام کو اُٹھانی پڑی اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

(بقیہ جام نو)

جب آہ اُن احباب کو میں یاد کر اٹھتا ہوں جو
یوں مجھ سے پہلے اٹھ گئے جس طرح طائر باغ کے
یا جیسے پھول اور پتیاں گر جائیں سب قبل از خزاں
اور خشک رہ جائے شجر

فراق گورکھپوری

غزل

نگاہِ ناز نے پردے اٹھائے ہیں کیا کیا
حجاب اہلِ محبت کو آئے ہیں کیا کیا

جہاں میں تھی بس اک افواہ تیرے جلووں کی
چراغ دیر و حرم جھلملائے ہیں کیا کیا

دو چار برقِ تجلّی سے رہنے والوں نے
فریب نرم نگاہی کے کھائے ہیں کیا کیا

نثار نرگسِ میگوں کہ آج پیمانے
لبوں تک آئے ہوئے تھرتھرائے ہیں کیا کیا

دھاک ذرا سی جھلک برقِ کم نگاہی کی
جگر کے زخم نہاں مسکرائے ہیں کیا کیا

چراغِ طور جلے آئینہ در آئینہ
حجاب برقِ ادا نے اٹھائے ہیں کیا کیا

بقدرِ ذوقِ نظر دیدِ حسن کیا ہو مگر
نگاہِ شوق میں جلوے سمائے ہیں کیا کیا

کہیں چراغ کہیں گُل، کہیں دلِ برباد
خرامِ ناز نے فتنے اٹھائے ہیں کیا کیا

تغافل اور بڑھا اس غزالِ رعنا کا
فسونِ غم نے بھی جادو جگائے ہیں کیا کیا

ہزار فتنۂ بیدار خوابِ رنگیں ہیں
چمن میں غنچۂ گل رنگ لائے ہیں کیا کیا

نظر بچا کے ترے عشوہ ہائے پنہاں نے
دلوں میں دردِ محبت اٹھائے ہیں کیا کیا

پیامِ حسن، پیامِ جنوں، پیامِ فنا
تری نگاہ نے فسانے سنائے ہیں کیا کیا

تمام حسن کے جلوے تمام محرومی
بھرم نگاہ نے اپنے گنوائے ہیں کیا کیا

فراق راہِ وفا میں سبک روی تیری
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

نریش کمار شاد

اردو کے انگریز شاعر

اردو کے یورپین شاعروں کا کلام اگرچہ کسی ادبی قدر و قیمت کا حامل نہیں ہے اور ان کے زیادہ تر اشعار اساتذہ کے شعروں کی بھدّی سی بازگشت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بھدّی سی اس لیے کہ زبان و بیان پر ان کی دسترس نمایاں طور پر کمزور معلوم ہوتی ہے تاہم ان کے اشعار اس حقیقت کے چہرے سے نقاب ضرور اٹھاتے ہیں کہ اردو زبان کی لطافت و نفاست کا جادو بھی انھیں مسحور کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اردو کی جاذبیت و مقبولیت سے تو ملکہ وکٹوریہ بھی اس حد تک متاثر ہوئیں کہ ان کے دل میں بھی اپنے اس غلام ملک کی رسیلی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آگرہ کے مولوی برکت اللہ خاص طور پر اس مقصد کے لیے لندن بھیجے گئے کہ ملکہ کو اردو سکھا سکیں اور ملکہ نے بھی تھوڑی ہی مدت کے بعد اتنا ملکہ پیدا کر لیا کہ وہ اپنا روزنامچہ اردو میں لکھنے لگیں۔ انگریزوں نے اردو زبان و ادب کی تاریخ اور لغت مرتب کرنے میں جو ناقابلِ فراموش خدمت سر انجام دی ہے وہ محتاجِ تعارف ہے ہی نہیں لیکن اپنی بساط کے مطابق انھوں نے جیسی شاعری کی ہے اس کی بھی تاریخی اہمیت ہے اور اسے بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام کے بعد بہت سے انگریز اردو پڑھنے کی طرف راغب ہوئے اور بعد میں یہ رغبت اس حد تک پہنچی کہ ان میں سے بعض نے مشقِ سخن بھی جاری کر دی جن میں کئی ایک کی خدمات قابلِ ذکر ضرور ہیں۔ ان قابلِ ذکر اصحاب میں الکزینڈر ہیڈرلی کا نام سرِ فہرست ہے۔ الکزینڈر ہیڈرلی ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ شاعری شروع کی تو آزاد تخلص کرنے لگے۔ آزاد کی پرورش اور تربیت بہت حد تک اسلامی معاشرت کے زیرِ اثر ہی ہوئی۔ غدر کے بعد انھوں نے خود بھی مذہب اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا نام جان محمد رکھ لیا تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں آزاد باقاعدگی سے اردو شعر کہنے لگے۔ کچھ مدت تک خط و کتابت کے ذریعے مرزا غالب سے اصلاح لی۔ بعد ازاں زین العابدین عارف سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ انھوں نے اپنے استاد عارف کی تعریف میں ایک قصیدہ اور ان کی وفات کے بعد ایک نوحہ مع تاریخ وفات بھی لکھا ہے۔ آزاد

طبابت میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ ریاست الور کے توپ خانے میں کپتان بھی رہے لیکن ملازمت اختیار کرنے کے ایک سال بعد ہی ۲۷ر جولائی ۱۸۶۱ء کو بتیس برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اپنی بعض ابتدائی غزلوں میں انھوں نے اپنے نام کا مخفف مالک بھی تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ان کی موت کے بعد ان کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی نے جو ریاست بھرت پور کے ڈپٹی تھے میر شوکت علی فتح پوری کے تعاون سے ان کا کلیات مرتب کیا جو ۱۸۶۳ء میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔

آزاد کے شعروں میں دوسری یورپین شاعروں کی بہ نسبت زبان و بیان کا زیادہ رکھ رکھاؤ پایا جاتا ہے جیسے ؎

میری صورت سب کہے دیتی ہے میرا راز دل　　　میرے تیور دیکھ کے وہ مجھ سے بدظن ہوگیا

بزم میں اٹھتے ہی ان کے روئے روشن سے نقاب　　　جام مے سورج سا مہتاب مینا بن گیا

عیاں ہے سب میں کہاں کا مخفی کب اس کا جلوہ نقاب میں ہے　　　قصور اپنی نگاہ کا ہے وگرنہ کب وہ حجاب میں ہے

نویدِ وصل پا کر رفتہ رفتہ گیا ہے اس کا حجاب آدھا　　　ہزار مشکل سے بارے رخ پر سے اس نے الٹا نقاب آدھا

بعض شعر مرزا غالب کی زمینوں میں بھی کہے ہیں ؎

دے تو بوسہ سو نہ دے جواب تو دے　　　بلا سے جو تجھے دینا ہو دے شتاب تو دے

پھرتا ہوں تنگنائے جہاں میں چھپا چھپا　　　طاقت رست سیر کی طاقت نہیں مجھے
کیا خاک اشتہا ہو کہ جینے سے سیر ہوں　　　بے وجہ فکر ترکِ معیشت نہیں مجھے

رابرٹ گارڈنر اسپتی بھی خاصے خوش خیال شاعر تھے۔ ۱۸۴۶ء میں قصبہ ہرمچی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں انھوں نے نسیم، شمیم، شعاع کی تخلص اختیار کیے۔ ۱۹۳۰ء میں وفات پائی۔ ان کے مزے دار کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

جو طالب حق ہے اسے حیراں نہیں دیکھا
ناحق کی کسی چیز کا خواہاں نہیں دیکھا

پھر بہار آتے ہی زخم دل ہرا ہو جائے گا
ہو گی پھر وحشت نئی سودا نیا ہو جائے گا

جان اک پردہ نشیں کے عشق سے مشکل میں ہے
لا نہیں سکتے زباں پر جو ہمارے دل میں ہے

جب کہا میں نے قسم کھاؤ تو بولے ہنس کے وہ
گر قسم ہے چیز کھانے کی تو کھالی جائے گی

اسحٰق کے بھائی برتھالمیو گارڈنر بھی شعر کہتے تھے اور صبر تخلص کرتے تھے۔ امیر مینائی سے ان کا رشتۂ تلمذ تھا۔ صبر کا ایک شعر ہے ؎

ولولے تھے وہ سب جوانی کے
اب وہ سودا ہمارے سر میں نہیں

نصیر الدین عرف کلو کے ایک انگریز شاگرد تھے اسٹیفن اسٹان جو ۱۸۰۲ء تک زندہ تھے اور خوب چند ذکا کے خاص دوستوں میں تھے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

خط کا یہ جواب آیا لکھا جو کبھی پھر خط
کر ڈالوں گا اک دم میں تری آن کے ٹکڑے

بلنہزر آبسر۔ شاہ نصیر دہلوی کے نامی شاگرد تھے جن کی پختہ مشقی ان دو شعروں سے ظاہر ہے ؎

شمع فانوس میں در پردہ جلی ہے دیکھو
شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست بسر کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

شاہ نصیر کے ایک اور انگریز شاگرد بھی تھے، جن کا نام تھا جان تھامس طوماس جو خان صاحب کے نام سے مشہور تھے، ان کا ایک شعر ہے ؎

سودائے زلف یوسف ثانی کا اس قدر
روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

ریاض خیرآبادی کے بھی ایک انگریز شاگرد جیک زبرن نامی تھے جو گورکھپور ہی میں رہا کرتے تھے، ان کے دو شعر ہیں ؎

یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہے اے دل　　　خبر دار کس کا گلہ ہو رہا ہے

ستم ایسا نہ کرے باغباں فصلِ بہاری میں　　　گرائیں بجلیاں ایسا نہ ہو آہیں عنادل کی

ڈانیال گارڈنر ہوش لکھنوی کے شاگرد تھے، ان کا تخلص تسکر تھا۔ ۱۹۰۰ء میں ۵۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

ہوا گردش سے ثابت بعدِ تحقیق　　　زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہے

آگسٹن ڈی سلویرا پرتگیزی تھے اور جن کا قیام آگرہ میں تھا۔ عنایت علی بیگ ماہ کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

عجب تیرے کشتوں کا دیوانہ پن ہے　　　نہ ثابت لحد ہے نہ تارِ کفن ہے

جوزف بروریٹ ولیم منشی دیاکرشن ریحان کے شاگرد تھے اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔ ؎

بُت بنے بیٹھے ہیں کچھ کہتے نہیں سنتے ہیں سب　　　یہ نہیں کھلتا زباں ان کے دہن میں کیوں نہیں

کلاڈیس ہیکسٹر متمد لکھنوی کے شاگرد تھے، ان کا ایک شعر ہے ؎

وہ گل یہ چاہتا ہے رہے اب بھی میری یاد　　　ڈالے ہیں لے کے تھوڑے سے اندکفن کے پھول

پی۔ ڈی مانٹروز مضطر آئرلینڈ کے رہنے والے تھے اور مرزا داغ دہلوی کے شاگرد رشید تھے، دس سال دہلی میں رہے اور یہیں اردو سیکھی۔ اُن کی غزل کا ایک شعر ہے ؎

ستارے جن کو کہتے ہیں اٹھالایا فلک ان کو　　　گرے تھے پھول جو میرے چراغ داغ روشن سے

اپنے استاد محترم داغ کی وفات پر مضطر نے جو طویل مرثیہ لکھا ہے اس کے بعض اشعار اپنے معمولی اور کمزور اسلوب اور تسامحاتِ زبان کے باوجود اثر انگیز ہیں ؎

صبر و شکیب طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں
کہتا پڑا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں
غم خوار۔ یار۔ مونس و ہمدم یہاں نہیں
کس کو سنائیں حال کوئی مہرباں نہیں
اک داغ تھا سو وہ بھی تہِ آسماں نہیں

ملکِ سخن میں داغ تو ہر دل عزیز تھا
مانے حریف اس کو نہ مانے تو اس سے کیا
جو کچھ کہیں گے اس کے لیے ہے وہ سب بجا
مضطر زبانِ خلق ہے، نقارۂ خدا
باقی اگرچہ ہند میں اس کا نشاں نہیں

رام پور کے ایک یورپین افسر اسمتھ جو کمشنر کے عہدے پر فائز تھے، شعر و شاعری کا اچھا مذاق رکھتے تھے اور جن کے شعروں سے بالعموم ان کے فوجی مشاغل کا انکشاف ہوتا تھا جیسے ؎

جنوں کی فوج کی سُن آمد آمد | خرد کا پاؤں کچھ چل سا رہا ہے
غنیمت جان اسمتھ آ گیا ہے | کہ دشمن سر سے اب ٹل سا رہا ہے

ایک انگریز شاعر حلیم گارڈنر او رتیس بھی تھے جن کا ایک شعر ہے ؎

آنکھ تک آیا نہیں دل میں کہاں آ پہنچا | کیا تصور نے نکالی ہے ترے راہ نئی

ڈی کاسٹا جو کلکتے میں رہتے تھے اور جہاں کے ڈیوٹن کالج سے ان کا تعلق تھا، شعر کہتے ہیں ؎

مانگتے تم سے دعا ہم نہ کبھی اے پیارے | مرضِ ہجر کا جز وصل جو چارا ہوتا

یورپین اُردو شعرا میں شائق تخلص کے دو شاعر گذرے ہیں۔ ایک جارج فانتوم اور

دوسرے جارج فانٹم۔ اوّل الذکر نے ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

گر نہ پہنو ماتمِ عشق میں پوشاک سیاہ   سرگیں آنکھوں سے وہ آنسو بہانا چاہیے

اور موخر الذکر شائق ایک فوجی آدمی تھے ان کا شعر ہے ؎

جو بہ رقیب منت و درباں و طنزِ غیر   کیا کیا جفائیں ہم نے ترے واسطے سہیں

صاحب تخلص کے تین انگریز شاعر ایلیس رین ہارڈٹ، مسٹر جو ہانس اور جارج فانٹم بھی قابلِ ذکر ہیں اور تینوں کا ایک ایک شعر بالترتیب حسب ذیل ہے ؎

ہے زلف حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس   یا اژدہا ہے فوجِ سکندر کے آس پاس

دیکھنا توڑ کے وحشت میں نکل جاؤں گا   مجھ کو پہناتے ہو زنجیر یہ زنجیر عبث

یہ آرزو ہے ترے آنے کی مجھے اے شوخ   کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

اور ایک فرانسیسی کپتان کے صاحب زادے جوزف عاشق کا شعر ہے ؎

شاید ہمارے جذبۂ دل کا ہے یہ اثر   آئے ہیں راہ بھول کے صاحب کدھر سے آپ

ایک صاحب لیس بٹلر عابد تھے، جو عموماً رُباعیاں ہی کہا کرتے تھے اُن کی ایک رُباعی ہے ؎

آزاد ہوں مجھ کو حاجت پسند نہیں   سودا ہے تیری زباں بند نہیں

مت کہہ مجھے رندانہ روش کرنے کو ترک   عابد میں تیری شرع کا پابند نہیں

جارج پرنس شور یورپین شعرائے اُردو میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ شور ۱۸۲۳ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشوونما پائی اور تعلیم حاصل کی۔ حصولِ تعلیم کے بعد پولیس کے محکمے میں ملازم ہو گئے۔ شور کافی زود گو اور پُر گو سخن ور تھے۔ اُردو میں ان کی پانچ دواوین اور دو مثنویاں ہیں۔ ایک فارسی دیوان "گلشنِ فرنگ" ہے۔ اُردو میں عموماً داغ کی غزلوں پر غزلیں کہا کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۹۴ء میں وفات پائی۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

غیر کے ساتھ عیادت کو وہ دلبر آیا   تو مسیحا ملک الموت کو لے کر آیا

ان کے علاوہ کلکتے کے آنرک عبری، غیراتی لال دل سوز کے شاگرد کوئیس کوٹینس فراسو اور مرزا مہدی حسین حنا کے شاگرد بجمن جانستن افلاطون اور نابینا انگریز فلیکس گارڈنر الملعروف قلی صاحب بھی اردو میں شعر کہتے تھے لیکن ان میں نمایاں اہمیت صوفی منش مرزا سلیمان شکوہ گارڈنر عرف منا صاحب المتخلص فنا صاحب کی تھی۔ جو شعر کہنے کے علاوہ خطاطی میں بھی مہارت رکھتے تھے اور ۱۹۰۲ء میں اکیس سال کی عمر میں ہی جن کا انتقال ہوگیا۔ فنا کے دو شعر ہیں ؎

پوچھا جب دل سے کہ کہاں وصل کا ساماں ہوگا　　بولا جس روز کفن میں تن عریاں ہوگا
آج تو شوق سے پی خون جگر اے غم یار　　ناشتہ کل کو کباب دل بریاں ہوگا

یورپین شعرائے اردو میں خواتین کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ مرزا سلیمان شکوہ گارڈنر کی چھوٹی بہن ایلن کر سچیانہ عرف رقیہ بیگم بھی شاعرہ تھیں اور یہ شعر انھیں کا ہے ؎

حشر کے روز جو خورشید نمایاں ہوگا　　ہے یقیں دل کو وہ عکس رخ جاناں ہوگا

آگرہ کے میجر جیسٹن کی اہلیہ مسز آر جیسٹن بھی شعر کہتی تھیں۔ تخلص تھا جمیت۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احساں　　رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کسی دن سے

اور یہ مشہور شعر بیک صاحب بہادر کی صاحب زادی خفی کا ہے ؎

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں　　ہم سے وہ بے وفائی کرتے ہیں

کلکتہ میں پولیس سپرنٹنڈنٹ مسٹر کر بلد جن کی دختر نیک اختر اینی ملکہ بھی شعر کہتی تھیں اور عبدالغفار نساخ کی شاگردہ تھیں، آخر میں مشرف با سلام بھی ہوگئی تھیں۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

آہ و زاری نہیں سنتے بُت دل آزاروں کو
اس صنم کو ملکہ ہی نے مگر رام کیا

اروند گوکھلے

(مراٹھی کہانی)

اباجی کے یکایک بے ہوش ہو جانے کی اطلاع صبح اخبار دے چکا تھا۔ اس کے بعد گاؤں کے دو ایک نیتاؤں نے بھی یہی خبر سنائی۔ شاید ریڈیو پر بھی ہزاروں لوگوں نے اس خبر کو سنا ہوگا۔ میں کچھ مصروف رہا۔ اس لیے ریڈیو کا براڈ کاسٹ میرے کانوں تک نہ پہنچ سکا۔ اپنے روزانہ کاموں اور دوسری مصروفیات کو پس پشت ڈال کر میں ان سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا۔ سچ کہا جائے تو اباجی اس سے قبل بھی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ لیکن موت کے گہرے سمندر تک جا کر واپس آگئے تھے۔ اخبار والوں نے اس بار پھر لکھا تھا کہ "فکر کی کوئی بات نہیں" لیکن نہ جانے کیوں میرے دل کی دھڑکن اباجی کی موت کی خبر دے رہی تھی، وہ اب چند لمحوں کے مہمان ہیں۔ اس کے بعد زندگی کی ساری دوڑ دھوپ ایک نقطہ پر آ کر جم جائے گی، اور اس کے بعد پھر کبھی ان کی خلوص بھری آواز سنائی نہیں دے گی۔

ان کے آخری درشن کے لیے میں تڑپ اٹھا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ سماج کے کرتا دھرتا تھے ایک بڑے نیتا تھے، بلکہ اس لیے کہ میرا اور ان کا خون کا رشتہ تھا۔ میری بیوی بھی حد درجہ اداس ہو گئی تھی۔ مگر اباجی کے گاؤں جانے کی رائے سے متفق نہیں تھی، چھوٹی بچی کی طبیعت قدرے ناساز تھی اور بڑے لڑکے کا امتحان قریب تھا، اس کے باوجود بھی ان کے گھر نہ جانے کی وجہ کچھ اور ہی تھی، پچھلی بار جب اباجی بستر مرگ پر تھے، اس وقت وہ میرے ساتھ ان کے گھر آئی تھی۔ اباجی بڑے مخلص انسان ہیں، انھیں اپنے سارے رشتہ دار عزیز ہیں، ان کے نزدیک رشتہ میں کوئی فرق نہیں۔ چاہے رشتہ قریب کا ہو چاہے دور کا۔ مگر وہاں پر اُن کے اپنے لوگوں کو اُن سے دور رکھا گیا تھا اور اُن تک رسائی ان لوگوں کی تھی۔ جن کے ساتھ اباجی کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ چھوڑیئے میری اور میری بیوی کی بات، ان کی اپنی بیوی اور بچوں کو کہاں ان سے قریب رہنے کی اجازت تھی۔ انھیں اکیلے میں کبھی رہنے کا موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ مصروفیت بے لاگ مصروفیت، دورے، چرچے، سبھائیں، بھاشن، افتتاح اور نہ جانے کیا کیا! بیوی کو اباجی کے گھر نہ جانے کا [illegible] ایک [illegible] موقع [illegible] ہو گی

کی وہ وہ ذہنی الجھنیں الگ اور موت کی آخری الجھنیں الگ۔ اس لیے میں نے سارے وسوسوں کو پرے رکھ کر ان کے گھر کا راستہ لیا۔ میں نے سوچا اس وقت آپا جی کے آخری لمحات میں ان کے دونوں بچے ان کے قریب ہوں گے۔ ان کی بیوی زار و قطار رو رہی ہو گی۔ بچوں کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گالوں پر بہہ رہے ہوں گے۔ اور آپا جی پوچھ رہے ہوں گے:

"کیا میرا سوتیلا بھائی ابھی تک نہیں آیا؟ کون کون آیا ہے؟ کہاں ہے وہ سارے میرے اپنے؟ لے آؤ انھیں، میرے قریب لے آؤ....."

مگر چھوڑنے سے قبل میری بیوی نے کہا تھا: "تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟ ان کے اپنے ڈاکٹر ہیں، ہاتھ بٹانے کے لیے دوسرے نیتا ہیں۔ ان کے ساتھ کام کرنے والے اور کتنے لوگ ہوں گے۔ اتنی بھیڑ میں تمھیں کون پوچھتا پھرے گا؟"

واقعی میں وہاں جا کر کیا کر سکوں گا؟ مگر نہیں مجھے وہاں جانا چاہیے، ان کے آخری درشن کے لیے، ان کے بچوں کو دلاسہ دینے کے لیے، ماں جی کے آنسو پونچھنے کے لیے، رات کے اندھیارے میں جب گاڑی پوری رفتار سے چلنے لگے گی تو مجھے پرانی باتوں کو دہرانا تھا۔ بیتی یادوں کو سمیٹ کر کچھ دیر کے لیے کھو جانا تھا۔ مگر اسی وقت میرے گاؤں کے دو نیتا دکھائی دیے اور انھوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا:

"فون آیا تھا، بچنے کی کوئی امید نہیں۔"

غم کا ایک طوفان میرے اوپر سے گزر گیا۔ میں نے مسافروں کے ہجوم میں اپنے لیے جوں توں جگہ بنائی۔ مگر سامنے بیٹھا ہوا وہ بڑی توند والا نیتا بے حد کھٹک رہا تھا، ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ دوسرا جو ابھی ابھی آپا جی کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا۔ بڑی بھیانک نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے آپا جی کے بے ہوش ہونے کی خبر صبح کے اخبار میں پڑھی تھی اور ان دونوں کو فون پر اطلاع دی گئی تھی۔ حالانکہ ان کا آپا جی سے دور دور تک کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اسٹیشن پر اترتے ہی انھیں لے جانے کے لیے گاڑی آنے والی تھی۔ اسی وقت پھر ایک بار بیوی کے جملے کانوں میں گونج اٹھے "کیا کرو گے تم وہاں جا کر؟ کون پوچھتا پھرے گا تمھیں؟"

ان کا ہاتھ بٹانے والے گروپ کے لوگ... نیتا بکرما ستزا ادھر سے ادھر ڈھیرے بھاری ہو رہا تھا اور محسوس ہو رہا تھا کہ آج کی اس شب بیداری کو کبھی میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔

صبح ہو گئی اور گاڑی اسٹیشن پر پہنچنے سے قبل ہی کسی نے بتایا کہ آپا جی چل بسے مجھے ایسا لگا کہ ساری دنیا ایک نقطے پر آ کر رک گئی ہو اور چاروں طرف آنے والی بھانت بھانت کی آوازیں،

ڈوب گئی ہیں۔ ہمارے خاندان کا ایک روشن چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔ ان کے آخری درشن کے لیے ہزاروں لوگ اپنے اترے ہوئے چہرے لیے ان کے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دونوں نیتا آگے چلے گئے۔ انھیں لینے کے لیے وقت مقررہ پر گاڑی پہنچ چکی تھی۔ مجھے گاڑی جلدی نہ مل سکی۔ اپا جی کے دونوں بیٹے میری نظروں کے سامنے کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ نہ جانے وہ مجھے دیکھتے ہی کیا کہہ اٹھیں گے، وہ ادھ کھلی کلیاں ایک ایک کر کے سبھی میری نظروں کے سامنے آتے اور پھر غائب ہو جاتے۔

اپا جی کے گھر کے سامنے ہزاروں لوگ جمع تھے۔ پولیس اور ان کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے لیڈر اور ان کے گروپ کے سارے آدمی۔ کندھے سے کندھا چھلتا تھا۔ میں نے اپنے لیے راستہ بنا لیا۔ مگر جب گھر میں قدم رکھا تو بہت سارے لوگوں نے مجھے آگھیرا،

"تمھارا اپا جی سے کیا رشتہ ہے؟ کون لگتے تھے وہ تمھارے؟ کہاں رہتے ہو تم؟"

ان بے تکے سوالات کی بھرمار سے میں بھنا گیا۔ آخر کار میں گھر میں داخل ہو گیا۔ اندر جانے کی خوشی ضرور تھی مگر دوسرے لمحے محسوس ہوا جیسے میری روح کوئی دھیرے دھیرے قبض کر رہا ہو۔ دیوان خانے میں گیتا کا پاٹھ ہو رہا تھا۔ لوگ ہلکے قدموں سے آ رہے تھے، کچھ جا رہے تھے۔ ان آنے جانے والوں میں اکثر نیتا، یا اخبار کے ایڈیٹر، فوٹو گرافر آخری سفر کی تفصیلات حاصل کرنے والے نامہ نگار تھے۔ اس کے بعد آخری درشن کے لیے ان کی لاش کو سامنے کی طرف لا کر رکھ دیا گیا۔

اپا جی کے آخری درشن کر لیے اور میں نے ان کی راہ چھوڑ کر ایک الگ راستہ اختیار کر لیا۔ میں نے سوچا تھا ماں جی، اپا جی کا سر اپنے زانو پر رکھے بین کر رہی ہوں گی۔ بہو زار و قطار رو رہی ہو گی اور دونوں بچے ..... لیکن یہ سب کچھ کہاں تھا؟ اپا جی اکیلے ہی، ایک اکیلے ... میں ان سے اور قریب ہو گیا۔ اپا جی کا ایک شاگرد ان کے سرہانے بیٹھا تھا۔ ان کی جگہ سنبھالنے والا نیا نیتا دھیرے دھیرے پاٹھ کر رہا تھا اور مالا جپ رہا تھا۔ ان کے چاروں اور جتنے بھی چہرے تھے، سارے کے سارے نئے تھے اور بالکل اجنبی! اور جن کا اپا جی سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے اپنا سر جھکایا اور پیچھے کی جانب مڑ گیا۔ زینہ طے کر کے دالان کا راستہ لیا۔ دالان میں اپا جی کے سوتیلے بھائی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"کب آئے؟"

"ابھی ابھی آ رہا ہوں"

"اور تم؟"

"کل ہی صبح کی گاڑی سے"

"اور ماں جی؟"

انھوں نے دیوگھر (پوجا کا کمرہ) کی طرف اشارہ کیا۔ میں پوجا گھر کی جانب مڑ گیا۔ سوتیلے بھائی، مگر کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ دونوں سوتیلے بھائی ہوں گے۔ کبھی ایک نے دوسرے کی شہرت کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ دونوں ہی اپنے اپنے کاموں میں مگن۔ دیوگھر کے کونے میں آپا جی کی بہو اپنی بیٹی کو سینے سے لگائے خاموش نظروں سے دیوگھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں نے اس کے پیر چھوئے، اس نے میری طرف بالکل نہیں دیکھا اور پہچاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ اپنے ہی غم میں ڈوب گئی تھی۔ خاموش نظروں سے خلاء میں گھور رہی تھی۔ غم کا اتھاہ سمندر۔ اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ ساری کائنات یکایک بدل گئی ہے۔ ماں جی جلدی لگائے دیوگھر کی جانب آ رہی تھیں۔ انھوں نے آپا جی کے لیے سب کچھ برداشت کر لیا تھا۔ جدائی، بھوک، طرح طرح کی افواہیں، ذمہ داریاں اور نہ جانے کیا کیا۔ البتہ انھوں نے آپا جی کو سب کچھ دے دیا۔ کبھی سکھ ان کی جھولی میں ڈال دیے اور خود ساری عمر آپا جی کا پیچھا کرتی رہیں۔ ان کے پیچھے دوڑتی رہیں۔ اور مرنے کے بعد اپنے شوہر کی لاش کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے کا موقع بھی میسر نہیں ہوا۔ وہ ایک بڑے نیتا کی پتنی تھیں اس لیے وہ سب سے الگ ایک کونے میں ماتم کر رہی تھیں۔ درمیانی دالان میں دونوں بیٹے سسکتے ہوئے چہرے سے ٹپ ٹپ آنسو بہا رہے تھے۔ سارے رشتہ دار اندر کی جانب جمع ہو کر آپا جی کی موت پر آنسو بہا رہے تھے۔

اور باہر لوگوں کا ہجوم بڑھ رہا تھا۔ ماتم کرنے والوں کی صفیں بچھی جاتی تھیں۔ ان کا ہر دل عزیز نیتا آج ان سے جدا ہو گیا تھا۔ انھوں نے لاش کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا پھولوں اور آنسوؤں کا نذرانہ دیا جا رہا تھا۔ جنتا کی سیوا کے لیے جس نے اپنا ایک ایک عضو ضائع کر دیا تھا۔ آج بالکل ہی ختم ہو جانے کے بعد ان کی لاش پر بھی ان کی بیوی اور بچوں اور رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں تھا۔ میں نے باہر کی جانب نظریں دوڑائیں اور مجھے محسوس ہوا جیسے آپا جی بہت سالوں پہلے ہم سے دور جا چکے تھے۔ ان کی بیوی ان کے لیے کب کی مر چکی تھی۔ سارے رشتے ناطے ٹوٹے ہوئے۔ ایک طویل عرصہ گذر چکا تھا۔

پھر ہم ان کے لیے ایک الگ طریقے سے، ایک خاص سلیقے سے کیوں ماتم کرتے پھریں؟ کیوں اپنے غموں کا اظہار کرتے پھریں؟ آپا جی کی لاش کو اٹھایا گیا۔ لوگ دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہے تھے۔ اور میرے دل کی گہرائیوں کے اندر کوئی بین کر رہا تھا، دھیرے دھیرے آنسو بہا رہا تھا۔ ماتم کر رہا تھا!!!

(بشکریہ "کتاب" لکھنؤ)

جامِ نو

نادر کاروی

۱۸۵۷ء ——— ۱۹۱۲ء

شیخ نادر علی نادرؔ۔ کاکوری (ضلع لکھنؤ) کی مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں کے ایک معزز اور علم دوست خاندان "عباسی" سے ان کا تعلق تھا۔ اعزا اور متعلقین میں بہت سے افراد اور شخصیتیں آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں موجود ہیں۔ اس زمانے میں اردو شعرا کے جو تذکرے اور تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں نادرؔ کا نام ضرور ملتا ہے اور انھوں نے جس نوعیت کی شاعری کی ہے، اُس کی تعریفیں بھی کی گئی ہیں۔ مگر جہاں تک ان کے ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت کا سوال ہے اس کے بارے میں کہیں سے بھی خاطر خواہ معلومات نہیں حاصل ہوتی ہے۔

نادرؔ کا کلام دیکھنے کے بعد آسانی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اردو اور فارسی میں بہت اچھی لیاقت رکھتے تھے۔ شعرگوئی کا سلیقہ تھا۔ روایت اور تقلید کے مقابلے میں جدت طرازی اور تنوع کی طرف زیادہ مائل تھے۔ انصاف پسندی اور حب الوطنی ان کی سیرت کا ایک نمایاں جزو تھی۔

انگریزی سے بھی اس حد تک واقف تھے کہ اس زبان کی شاعری ان کے رموز اور محاسن تک اُن کی نگاہ پہنچ جاتی تھی، اُس کی خوبیوں اور لطافتوں سے لطف اٹھا کر پھر انھیں افکار اور تاثرات کو بڑی بے ساختگی اور دلکشی کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دیتے تھے۔

اردو سے ان کو عشق تھا۔ حالیؔ اور آزادؔ کی بتائی ہوئی باتوں پر انھوں نے بڑی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ دھیان دیا، جو راہ ان بزرگوں نے دکھائی تھی اور چاہتے تھے کہ ان کے ہم عصر اور آنے والی نسلیں ان پر گامزن ہوں۔ نادرؔ اس وقت کے ان ذی حوصلہ اور جرأت مند لوگوں میں سے تھے جو بڑے انہماک اور استقلال کے ساتھ اُس راستے پر چلے اور جلد ہی کامیابی کی منزلوں تک جا پہنچے۔

ٹے نی سن۔ بائرن اور تامس مور (خصوصیت کے ساتھ) ان کے پسندیدہ شاعروں میں سے تھے۔ مور کی مشہور اور آخری طویل نظم "لائٹ آف دی حرم" کا منظوم ترجمہ "مثنوی لالہ رخ" نادرؔ کی شاعرانہ مہارت کا ایک مسلمہ ثبوت ہے۔ ان شعرا کی اور بھی متعدد نظموں کے انھوں نے بڑے کامیاب اور جاندار

ترجمے کئے ہیں۔ انگریزی زبان کے مستند شعرا کا انداز فکر اور طرز سخن ان کو اتنا مرغوب تھا کہ ان کی بعض طبع زاد نظموں پر بھی اخذ و ترجمے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔

دل گداز، مخزن، خدنگ نظر، الناظر، زمانہ اور ادیب یہ اُس زمانے کے اردو کے مشہور و مقبول رسالوں میں تھے۔ ان سب میں نادر کا کلام بڑے اہتمام سے چھپتا تھا اور، ایسے ہر صاحب علم اور با ذوق لطف و شوق کے ساتھ پڑھتا تھا۔ علامہ اقبال، مرزا رسوا، مولانا شرر، عزیز مرزا اور صفیر بلگرامی جیسے مفکر، مبصر ادیب اور سخن پرور، نادر کے بڑے ہی مداح، معترف اور قدر دانوں میں تھے۔

وہ معدودے چند بزرگ جن کی بدولت اردو شاعری، جدید طرز کے خیالات و افکار اور انداز و اسلوب سے آشنا اور مالا مال ہوئی، اس میں نادر کی کوششوں اور کاوشوں کا بھی کچھ کم یا معمولی دخل اور حصہ نہیں رہا ہے۔

۴۵ سال کی مختصر مدت حیات میں بھی نادر کے آخری ایام زندگی حزن و ملال میں بسر ہوئے جس کا اظہار کہیں کہیں ان کے اشعار میں ہو گیا ہے۔ کلام کا مجموعہ "جذبات نادر" دو حصوں میں (حصہ اول سنہ اشاعت نامعلوم، حصہ دوم مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۸ء) ان کی زندگی میں چھپا تھا۔ پھر اسے مکمل صورت میں اُردو اکیڈمی سندھ کراچی، نے بڑے اہتمام اور خوش نمائی کے ساتھ ۱۹۶۱ء میں شائع کیا ہے۔

انتخاب

نوا سنجی کو کیا کچھ بلبلیں اس باغ میں کم تھیں   مجھے تکلیف دی ناحق چمن پیرائے عالم نے

نظم۔ مرحومہ کی یاد میں

LRISH MELODIES

رات کے پچھلے پہر روتی ہیں جب چشم نجوم   الفت دیرینہ کی وادی میں اٹھ جاتا ہوں میں
اور اُس وادی میں مرحومہ جو یاد آتی ہو تم   محو ہو جاتا ہوں کچھ ایسا مزا پاتا ہوں میں

وہ مکاں، وہ قصر، وہ تم، وہ تمھاری حسرتیں   وہ گلے، وہ عذر وہ گزری ہوئی دلچسپیاں
دیر تک کرتا ہوں میں یاد۔ آہ اُن ایام کو   ہائے وہ راتیں کہاں، وہ دن کہاں، وہ تم کہاں

اس سکوت، اس محویت میں پھر یہ آتا ہے خیال
روحیں منڈلاتی ہیں گر اوجِ فضائے عرش پر
اور چھپ کر آتی ہیں اس خاکدانِ عشق میں
تاکہ ویرینہ علایق دیکھ لیں پھر اک نظر

شاید آجائے تمھاری روح بھی اور یہ کہے
کیا بتاؤں جنت الماوی میں میں کیسی رہی
اس جدائی میں رہا، میرا تمھارا ایک حال
تم یہاں روتے رہے اور میں وہاں روتی رہی

پھر سراپا شوق ہو کر وہ غزل گاتا ہوں میں
تم جو تنہائی میں چپکے چپکے گاتی تھیں کبھی
گونج کر جب نغمہ ٹکراتا ہے تو کہتا ہوں میں
یہ تمھاری روحِ مضطر آتی ہے گاتی ہوئی

یہ لب و لہجہ وہی ہے یہ سُریلا پن وہی
لیکن اب اس میں تو کچھ کچھ ضعف کا انداز ہے
اور پھر کچھ سوچ کر پہچان کر کہتا ہوں میں
یہ وہی آواز ہے، بے شک وہی آواز ہے

گھنٹا نہیں بجے گا

(ROSE HARTUK THORPE)

اک ہونے والا دولہا، اک نازنین منگیتر
اک ہونے والی بیوہ، اک مرنے والا شوہر
وہ سست نیم جاں سا گردن جھکائے اپنی
یہ غم زدہ بھیانک صورت بنائے اپنی
اُس پر تو حکم پھانسی کا ہو چکا تھا لیکن
بے موت مر رہی تھی یہ نازنینِ کم سن
دیوانہ وار بکتی نکلی سشن جج سے
"گھنٹے کو آج بجانا ہی چاہیے نہیں ہے"
یہ کہتی گھنٹا گھر کو دوڑی گئی وہ مضطر
اور دھم سے گر پڑی وہ گھڑیالی کے قدم پر
"او نیک، او مقدس گھڑیالی! تو بچا دے
اُس نوجوان مجرم کو اور مجھے جلا دے"
گھڑیالی نے یہ سُن کر کانوں پہ ہاتھ رکھا
اور بولا، "یہ تو بیٹی مجھ سے نہ ہو سکے گا"
'پہلی صدا پہ گھنٹے کی آج شب کو پھانسی'
یہ حکم یاد آتے ہی وہ زمیں سے اٹھی
اور دل میں ٹھان کر اک منصوبہ بولی اچھا
یہ ہے تو آج کی شب گھنٹا نہیں بجے گا
بانگِ درا یہ جب ہے موقوف جان اس کی
ان ہاتھوں سے پکڑ لوں گی میں زبان اس کی
اس خوف سے تڑپ کر اوپر اچک گئی وہ
اور گھنٹے کا پکڑ کر لٹکن لٹک گئی وہ

موت اور نجات کا وہ ناشاد منتظر تھا — گھنٹے کی پہلی ٹن کا جلاد منتظر تھا
بول رہا ہے لیکن، اُس پر صدا آفریں ہے — آج اُس میں اُس کی خونی آواز ہی نہیں ہے
گھڑیالی نے بقوّت ہر چند اُسے جھنجھوڑا — پھر کھینچا اور چھوڑا، پھر کھینچا اور چھوڑا
اور لگ گئیں نگاہیں سب کی کراموِل پر — کیا حکم دے وہ دیکھیں گھنٹے کے اس خلل پر
اک بار ہاتھ اُس نے خاموشی سے اٹھایا! — اور لفظ "بس" کا لب پر وہ حاکمانہ لایا
اور گرتی پڑتی پہنچی خوش خوش وہ اُس محل پر — جاتے ہی گر پڑی وہ پائے کراموِل پر
سب سرگزشت اپنی رو رو کے کہہ سنائی — گھڑیالی کی خوشامد، مینار کی چڑھائی
وہ انگلیاں دکھائیں جو رسّے کی رگڑ سے — چھل چھل گئی تھیں بالکل کٹ کٹ گئی تھیں جڑ سے
دیکھا کراموِل نے یہ حال زار اس کا — اور رحم نے کیا دل بے اختیار اس کا
بولا کہ "جرم ثابت ہے گو ضرور اس کا — لیکن معاف کرتے ہیں ہم قصور اس کا

جا نیک بخت، شوہر زندہ ترا رہے گا
اور آج گھنٹا گھر کا، گھنٹا نہیں بجے گا"

"گزرے زمانے کی یاد"

THE LIGHT OF OTHER DAYS —

اکثر شبِ تنہائی میں — کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں — بیتے ہوئے دن عیش کے
بنتے ہیں شمعِ زندگی — اور ڈالتے ہیں روشنی

میرے دلِ صد چاک پر

وہ بچپن اور وہ سادگی — وہ رونا وہ ہنسنا کبھی
پھر وہ جوانی کے مزے — وہ دل لگی وہ قہقہے
دل کا کنول جو روز و شب — رہتا شگفتہ تھا سو اب
اس کا یہ ابتر حال ہے — اک سبزۂ پامال ہے

روندا پڑا ہے خاک پر

(باقی صفحہ ۴۳ پر) —

نئی مطبوعات

		صفحات		
تذکرہ	مرتبہ مالک رام	۵۴۲	ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی	۱۵/-
تذکرِ ذاکر	مرتبہ مجلس ذاکر	۶۷	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	۴۰/-
سوزِ حیات	یحییٰ بھائی جسدن والا	۳۰۸	" "	۱۲/۵۰
منشوراتِ کیفی	مرتبہ گوپی چند نارنگ	۲۷۵	انجمن ترقی اردو دہلی	۹/-
صہبا	مسرور جہاں	۲۱۲	خاتون پبلشرز	۸/-
ہمسفر	چندن بھارتی	۲۰۸	چندر بھون ٹونک	۲/۲۵
دیوان شاکر ناجی	مرتبہ فضل الحق	۳۳۵	ادارہ صبح ادب دہلی	۴/-
کہانی میری زبانی میری	حفیظ عباسی		ادارہ اشاعت ادب	۴/۵۰
تذکرہ بے نظیر	تلخیص عطا کاکوی		عظیم الشان بکڈپو	۱/۵۰
" مسرت افزا	"	"	" "	۳/-
وحشی	رضیہ بٹ		ادبی دنیا دہلی	۱/۵۰
خوفناک گھاٹی	مظہر الحق علوی		نسیم بکڈپو لکھنؤ	۲/۵۰
محبت نام ہے غم کا	عفت موہانی		" "	۵/۵۰
خزاں کے بعد	زبیدہ خاتون		" "	۵/۵۰
طوفانِ حوادث	پروین سرور		سلمان پبلیکیشن لکھنؤ	۳/-
بمبئی رات کی بانہوں میں	خواجہ احمد عباس		پنجابی پستک بھنڈار	۴/۵۰
گفتگو	سردار جعفری		۲۰ کھیتان بھون بمبئی	۹/-
ماہنامہ صبح کا جواہر لال نمبر			انجمن ترقی اردو دہلی	۲/۷۵

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اُردو بازار دہلی

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

غزل انسائکلوپیڈیا

مرتبہ ذکی کاکوروی

صفحات ۳۰۲ ، سائز ۳۰×۲۰/۱۶

قیمت ڈی لکس لائبریری اڈیشن، ۶ روپے،

عام اڈیشن، ۵ روپے،

سنہ اشاعت ۱۹۶۸ء

ملنے کا پتا: مرکز ادب اردو، انیس منزل ۱۳۷/۳، شاہ گنج، لکھنؤ

غزل اور اردو غزل گو شعرا کے بکثرت مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پھر بھی نہ اس مقبول صنف سخن کی وسعت وگیرائی کا احاطہ ہو سکا ہے اور نہ اس کے ذخیروں اور سرمائے کا اندازہ۔ اس بحرِ ذخار سے آئے دن گوہر آب دار نکلتے رہتے ہیں۔ شناوری اور درِ مقصود کی حصول یابی کا یہ سلسلہ مدتوں سے چلا آرہا ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

سال رواں میں جو بھی چھوٹے بڑے شعری انتخابات اب تک سامنے آئے ہیں ان میں ذکی کاکوروی صاحب کا یہ انتخاب کئی حیثیتوں سے ممتاز اور قابلِ لحاظ ہے۔ ملا وجہی سے لے کر اپنے آپ تک معلوم اور نامعلوم سب ملاکر ۹۴۶ شاعروں کا مختصر اور طویل انتخاب انھوں نے یک جا کر دیا ہے۔ پرانے شعرا کے مقابلے میں نئے اور دورِ حاضر کے شاعروں پر خصوصی توجہ برتی گئی ہے۔

بعض بعض شاعر تو ایسے ہیں جو بہتوں کے لیے بالکل ہی نئے اور غیر متعارف ہوں گے۔ تعارف اور سوانح حیات نہ لکھ کر ایسے نو واردوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے۔

انتخاب کی جمع و ترتیب کے بیان میں مرتب نے جو محنت کی ہے اس کا ذکر نامناسب نہیں کہا جا سکتا ہے مگر جہاں انھوں نے اس قسم کے کام کرنے والوں سے اپنے انتخاب کا موازنہ کیا ہے اور ان کی خامیوں اور کمیوں کے مقابلے میں اپنی خوبیوں اور بالغ نظری کی طرف اشارے کئے ہیں اس میں وہ اعتدال و توازن سے متجاوز کر گئے ہیں۔ پسندیدگی پر کوئی پابندی نہیں عاید کی جا سکتی ہے۔ مگر "الہامیات" کے تحت ریاض اور شکیل بدایونی کے جو شعر درج کئے گئے ہیں۔ ان پر حیرت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انتخاب ایک بہت ہی وسیع و طویل دور پر مشتمل ہے اور ہر دور کے قریب قریب تمام معروف اور نمائندہ شاعروں کے اچھے اچھے شعر چن لیے گئے ہیں۔ کم وقت میں غزل کے بارے میں اس کتاب سے بہت ہی مفید اور پر لطف معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور تغزل کی لطافتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس زمانے کے بہت سے ایسے شعراء ہیں جن کی تاریخ ولادت بہت تھوڑی سی کوشش سے معلوم کر کے لکھی جاسکتی تھی۔ ص ۱۲۹ اور ص ۱۸۴ پر ایک ہی شعر جو اصل میں آرزو لکھنوی مرحوم کا ہے ساغر نظامی کے نام سے بھی درج ہوگیا ہے، اسی طرح بعض سنوں اور شعروں پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ کتاب بہت صاف ستھری چھپی ہے۔ نام رکھنے میں اتنے زیادہ حسن ظن سے کام نہ لیا جاتا تو کچھ حرج نہ ہوتا۔

رشید نعمانی

دکن میں ریختی کا ارتقا

مصنف: بدیع حسینی
صفحات: ۳۹۲
قیمت: چھ روپے
ناشر: انجمن ترقی اردو، حیدر آباد

بدیع حسینی نے بڑی محنت، تلاش اور پرکھ کے بعد اپنی تصنیف کو پیش کیا ہے۔ اس میں معلوماتی مواد کے ساتھ تنقیدی تجزیہ بھی ملتا ہے۔ مصنف نے لفظ ریختی کی تحقیق، اس کی ایجاد، موجد اور ریختی کے عناصر پر بحث کرتے ہوئے دکن میں ریختی کا تاریخی اور سماجی پس منظر پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ ریختی کی تہذیبی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ ریختی کے بیان میں چند ضروری اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً:

غزل کی طرح ریختی کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہے۔ ریختی میں بھی محبوب کی صنف متعین نہیں ہے۔ دکن میں غزل اور ریختی دونوں کا آغاز ساتھ ساتھ ہوا۔ دکن کی ریختی اور شمال کی ریختی میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ وغیرہ

لیکن غزل کی تعریف میں مصنف سے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:
ص ۱۳۴۔ "غزل کے معنی ہیں عورتوں سے باتیں کرنا"۔ ہمارے نزدیک غزل کے معنی ہیں

عورتوں کی باتیں کرنا۔

مصنف نے مختلف تحریروں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ ہاشمی بیجاپوری دکن کا پہلا شاعر ہے جس نے مستقل طور سے اس صنف کو اپنایا۔ رنگین اور انشا سے پہلے دکن میں ریختی کا رواج تھا۔ قلی اور وجہی کے علاوہ ان سے پہلے لطفی، ریختی گو شاعر گزرا ہے۔ یہ سلسلہ ٹوٹا نہیں اور رنگین کے ہم عصر محمد صدیق قیس حیدرآبادی کو "اردوئے بیگمات" کا شاعر کہا جاتا ہے۔ قیس نے ریختی میں بہت سے نئے الفاظ کا اضافہ کیا۔ مثلاً تو تو، ٹھیکری، دھرن، فلانی وغیرہ۔ تنقید کے سلسلے میں عندلیب شادانی کے معیار ریختی پر گفتگو کی گئی ہے۔

آخر میں فرہنگ بھی شامل ہے جس سے ریختی کلام کے سمجھنے میں سہولت بہم پہنچتی ہے۔ مصنف نے معیاری ادبی رسائل کے علاوہ ۸۱ کتابوں، ۶ تذکروں اور ۲ مخطوطات کا مطالعہ کر کے اپنا مقالہ مرتب کیا تھا۔ جو کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اس تصنیف کی جامعیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔

کتاب کا سرورق ادبی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی سب میں سلیقے کو دخل ہے۔ اردو ادب کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنے والے افراد اور لائبریریوں کو یہ کتاب ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

سیفی پریمی،
۱۰ر اپریل ۱۹۶۸ء

گلزارِ خلیل

مصنف: خلیل صمدانی
مرتب: طفیل احمد تابش بیکانیری ایم اے علیگ
موضوع: شعر و سخن
صفحات: ۱۹۲، سائز $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$۔ مجلد
قیمت: تین روپے
ملنے کا پتہ: آزاد منزل بیکانیر راجستھان

گلزارِ خلیل ایک ایسے شاعر کا مجموعۂ کلام ہے جن کو عام طور سے کم ہی لوگ جانتے ہیں۔ ان کا تعلق تلمذ جانشینِ داغ حضرت بیخود دہلوی مرحوم سے ہے۔ اسی لیے ان کے کلام میں فنی طور پر زبان

کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ موضوع تو جدت سے محروم ہے لیکن بعض اشعار بہت اچھے ہیں۔ عشقیہ غزلیں کم اور نعتیہ زیادہ ہیں لیکن ان میں خلوص بھی ہے اور اثر بھی اس لیے اہل ذوق خاص طور سے نعتیہ کلام کے شائق اسے پسند کریں گے۔

شروع میں مختلف اہل ادب کی تحریریں ہیں۔ جو شاعر اور اس کے فن پر سرسری نظر ڈالتی ہیں ان سے کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ کتابت طباعت بلکہ جلد بھی اچھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید بیکانیر میں اس سے بہتر کام کے مواقع میسر نہ آسکے ہوں گے۔

ٹائٹل رنگین اور پرکشش ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ ظاہری حسن کی کمی کے باوجود باطنی حسن اس کتاب کا پرکشش ہے جو پڑھنے والوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ دوسرا ایڈیشن اس سے بہتر ہوگا۔

ناجور سامری

شاہکار۔ الہ آباد

"ناولٹ نمبر"

(۱۳۴ بخشی بازار، الہ آباد)

خیر سے ان دنوں اردو میں بہت سارے ڈائجسٹ نکلنے لگے ہیں۔ ان میں بڑی آن بان ہوتی ہے، صوری خوب صورتی کے لحاظ سے انھیں یقیناً ترقی یافتہ زبانوں کے اہم رسالوں کے پہلو بہ پہلو رکھا جا سکتا ہے لیکن ان کی ادبی حیثیت کمزور ہی نہیں خاصی کمزور ہے۔ اس کے قطعی برعکس شاہکار جو ہندوستان میں غالباً اردو کا قدیم ترین ڈائجسٹ ہے۔ اپنی سادگی کے باوجود بے انتہا جاذبیت رکھتا ہے جس میں اردو کے اہل ذوق اس کے صفحات کی "بے رنگی" اور سادگی میں بھی اپنی تسکین کا سامان ڈھونڈھ لیتے ہیں عام شماروں کے ساتھ ساتھ شاہکار کبھی کبھی خصوصی نمبر بھی قارئین کی نذر کرتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں اس کا فراق نمبر شایع ہو کر خاصی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ فراق نمبر کے بعد حال ہی میں شاہکار کا ایک اور ضخیم نمبر نکلا ہے۔ یہ ہے ناولٹ نمبر۔

اس نمبر میں چار جانے پہچانے ادیبوں کا ایک ایک ناول شامل کیا گیا ہے۔ شروع میں ڈاکٹر وزیر آغا کا ایک طویل مقالہ بھی ہے جس میں مختصر افسانہ، ناول اور ناولٹ کا حدود اربعہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کافی پڑھے لکھے آدمی ہیں، ان کا مطالعہ بھی وسیع ہے اور ان میں سوجھ بوجھ

بھی خاصی ہے لیکن صاف بینی جو ایک نقاد کی اہم ترین خصوصیت ہے اب تک ان کے ہاتھ نہ آپائی، نتیجۃً ان کے اکثر مضامین ممتاز حسین کی طرح شرح کے طالب ہوتے ہیں۔ ان سے توقع تو یہ تھی کہ جس طرح مختصر افسانہ اور ناول کا فرق واضح کیا ہے اسی طرح ناول اور ناولٹ کا فرق بھی واضح کرتے۔ مگر اس سلسلہ میں مایوسی کے علاوہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

ناولٹ کے انتخاب میں شاہکار کے ایڈیٹر محمود احمد ہنر نے خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے۔ چاروں ہی فن پارے بے حد جاندار ہیں۔

سب سے پہلے شوکت صدیقی کا ناولٹ 'کمین گاہ' سامنے آتا ہے۔ ان کے ناول 'خدا کی بستی' کی طرح یہ کہانی بھی جرائم کی دنیا سے تعلق ہے۔ اس کا خاص کردار رام بلی ہے، جسے حالات نے ایک محلے کا 'دادا' بنا دیا ہے۔ شوکت صدیقی نے بڑی چابک دستی کے ساتھ اس کردار کے ارتقائی مدارج واضح کیے ہیں۔ وہ ان سب منزلوں سے گزرتا ہے جو ایک بدمعاش کی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن رام بلی بنیادی طور پر انسان ہے اور یہ انسانیت ابتدا سے لے کر انتہا تک اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور جب بھی موقع ملتا ہے، اس کی شخصیت پر چھا جاتی ہے۔ شوکت صدیقی کے فن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی کہانیوں میں سماج اور فرد، ماحول اور انسان کے اٹوٹ رشتوں کو کبھی نظرانداز نہیں کرتے۔

دوسرا ناولٹ اقبال متین کا 'چراغ تہ داماں' ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کی "کال گرل" کی کہانی ہے، جو بازاری عورت ہونے کے باوجود ایک ماں بھی ہے۔ اور پورے ناولٹ میں یہ ماں، کال گرل کے بطن سے بار بار اٹھتی ہے' ہمارے سامنے آتی ہے اپنی ساری رنگینیوں، دلکشیوں، محرومیوں اور مسرتوں کے ساتھ اور پھر زندگی کی شاہراہ سے ہنستے کھیلتے یوں گزر جاتی ہے جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ رہا ہو لیکن مرتے مرتے قاری کے ذہن کو ایک سوالیہ نشان دے جاتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ اس سوالیہ نشان پر نظر ڈالنے کی ہمت ہم میں نہ ہو!

جیلانی بانو کا 'کیمیائے دل' اور جمیلہ ہاشمی کا 'آتش رفتہ' دونوں ہی اپنے اپنے مصنفوں کے مخصوص اسٹائل کی نمائندگی کرتے ہیں، رومانی کیفیت، محرومیت پسندی، اور الف لیلوی انداز ماضی اور حال کی کہانی جیسے سسکیاں لے لے کر لکھا گیا ہے۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے، کہ قارئین بھی پڑھتے ہوئے سسکیاں لینے پر مجبور ہو جائیں

کیمیائے دل حیدرآباد کے ماحول کی نمائندگی کرتا ہے اور آتش رفتہ میں پنجاب کا دیہی ماحول ہمارے سامنے آتا ہے۔

ان لوگوں کے لیے جو جیلانی بانو اور جمیلہ ہاشمی کے اسالیب پسند کرتے ہیں، یہ دونوں ہی ناولٹ خاصے کی چیز ہیں کیونکہ ان دونوں کہانی نگاروں نے اپنے اسالیب اور انداز یا یوں کہا جائے کہ اپنے مجموعی رنگ کا ان میں بھرپور اظہار کیا ہے۔

۳۶۸ صفحات کے اس ضخیم نمبر کی قیمت صرف تین روپے ہے جو بہت مناسب ہے۔

(ڈاکٹر) اجمل اجملی

ادبی خبریں

صد سالہ جشنِ غالب کی جھلکیاں

نئی دہلی۔ مرزا غالب کا صد سالہ جشن منانے کے لیے وزیر اعظم کی صدارت میں کل ہند پیمانہ کی جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس کے زیر اہتمام غالب کی تمام تخلیقات کے تنقیدی اڈیشن شایع کیے جائیں گے، مرزا کی زندگی پر ایک دستاویزی فلم تیار ہوگی اور اس موقعہ پر ایک اعلیٰ پیمانہ کے مشاعرہ کا بند وبست بھی کیا جائے گا۔ دہلی انتظامیہ نے عظیم شاعر کی یادگار کے طور پر ایک ہال اور ایک میوزیم بنانے کے لیے آراضی کا ایک وسیع قطعہ کمیٹی کی تحویل میں دے دیا ہے۔ یو پی حکومت سے بھی کہا گیا ہے کہ وہ آگرہ کے اس مکان کو حاصل کرلے جہاں غالب کی ولادت ہوئی تھی۔ اسی طرح سے اس مکان کو حاصل کرنے کی جہاں مرزا نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ گزارا تھا، درخواست دہلی انتظامیہ سے کی گئی ہے۔ ان دونوں مکانوں کو قومی یادگار میں بدل دیا جائے گا۔ سرکاری پریس نوٹ کے مطابق کمیٹی نے مختلف یونیورسٹیوں کو لکھا ہے کہ وہ اپنے یہاں "غالب شعبہ" قائم کر کے اس عظیم شاعر کی زندگی اور فن پر تحقیقی کام کا آغاز کریں۔ (قومی آواز)

اردو مرہٹی ڈکشنری

بمبئی۔ ۷ ارمئی سینٹ زیویر کالج کے شعبۂ اردو فارسی اور اسلامی کلچر کے انچارج پروفیسر نظام الدین گوریکر نے اردو حروف تہجی کو مراٹھی میں ترجمہ کرنے کا ایک پروگرام بنایا ہے۔ ترجمہ کی تکمیل کے بعد آپ اردو مراٹھی ڈکشنری کی ترتیب کا کام شروع کریں گے یہ ڈکشنری مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ فار لٹریچر اینڈ کلچر کی طرف سے شایع کی جائے گی۔

برطانیہ میں اردو کتب کی اشاعت

حال ہی میں یہاں ایک اشاعتی ادارہ نے اردو کی ابتدائی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے اور اب بازار میں کچھ کتابیں فروخت ہو رہی ہیں۔ جن کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی ہے ان میں اردو کا قاعدہ، اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں کتاب قابل ذکر ہے۔ ان کے علاوہ عوام کے لیے اردو

خط و کتابت، بھی شایع ہو چکی ہے۔ ان کتابوں کی اشاعت سے اس ملک میں آئے ہوئے اردو داں بچے اپنی مادری زبان کی تعلیم بآسانی حاصل کر سکیں گے کیونکہ یہ کتابیں ہندوستان و پاکستان کی مروجہ ابتدائی کتابوں کی طرز پر تحریر کی گئی ہیں۔

ریڈیو شیفیلڈ سے پہلا اردو پروگرام

ریڈیو شیفیلڈ کی ہوم سروس نے ہفتہ وار اردو پروگرام ۱۸ رمئی سے شروع کر دیا ہے۔ اب یہ پروگرام ہر سنیچر کی شام کو ساڑھے چھ سے ساڑھے چھ بجے تک سنا جا سکے گا۔ ۱۸ رمئی کے افتتاحی پروگرام میں شیفیلڈ کے لارڈ میئر اور پاکستانی ہائی کمشنر دہلوی صاحب کے پیغامات نشر کئے گئے۔ اس کے ساتھ اس اردو پروگرام کے مقاصد کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ بعد ازاں دو فلمی گیت پیش کئے گئے اور آخر میں خبریں سنائی گئیں۔

آئندہ ہفتہ دوسرے پروگرام میں مس ممتاز بٹ کا انٹرویو نشر ہوگا جس میں نسلی تعلقات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہ پروگرام ۲ء۸۶ میٹر پر نشر ہو رہا ہے

فاروق دیوانہ کا انتقال

علی گڑھ۔ یہ خبر نہایت رنج سے سنی جائے گی کہ ۱۳ رمئی کو گورکھپور میں مجنوں گورکھپوری کے والد جناب فاروق دیوانہ کا انتقال ہو گیا۔ فالج کے حملہ کے باعث عرصہ سے علیل تھے۔ ریاضی کے علاوہ عربی فارسی اور اردو ادب پر گہری نگاہ تھی۔ مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ہمدرد میں کام کرنے کے علاوہ ایم اے او کالج میں ریاضی کے استاد بھی رہ چکے تھے۔

مظفر شاہ صاحب بھی چل بسے

۲۹ رجون کی صبح کو اردو کے نوجوان ادیب اور صحافی اچانک اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بیماری دل کی۔ مرحوم پبلکیشن ڈویژن میں گزیٹڈ آفیسر تھے۔ ایک عرصہ تک ریڈیو میں کام کیا اس کے بعد آج کل ایڈیٹوریل اسٹاف میں شریک رہے۔ کچھ دنوں کے لیے امریکا بھی گئے تھے۔ بہت سلجھے ہوئے۔ مرنجان مرنج اور شریف آدمی تھے۔ کل ۴۵ سال کی عمر تھی

ان کے گھر والوں، عزیزوں، دوستوں کو اس اچانک موت سے جتنا بھی صدمہ پہنچا ہو کم ہے۔

خدا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے عزیزوں کو صبر کی توفیق عطا ہو۔ آمین!

گلستانِ گوہر کا انعامی تحریری مقابلہ

"گلستانِ گوہر" نے ایک تحریری مقابلہ کا اعلان کیا ہے۔ ہر اردو نواز دوست بلا امتیاز مذہب و ملت اس مقابلے میں حصہ لے سکتا ہے۔ پہلا انعام بیس روپے کی کتابیں۔ دوسرا: پندرہ روپے کی کتابیں۔ تیسرا: دس روپے کی کتابیں۔

انعامات گلستانِ گوہر کی سالانہ تقریب میں تقسیم کیے جائیں گے۔ مضامین روانہ کرنے کی آخری تاریخ پندرہ اگست ۱۹۶۸ء ہے۔

عنوانات یہ ہیں:-

(۱) عرش آواز دیتا ہے۔

(۲) یہ کس کی مسجد ٹوٹی ہے مندر یہ کس کا گرا ہے۔

(۳) بھنڈی بازار کا ناکہ۔ (مزاحیہ)

(۴) سفید شیطان (طنزیہ)

مضامین اس پتہ پر روانہ کیے جائیں گے۔

گلستانِ گوہر تحریری مقابلہ

۳۹ ربیبو ٹیڈ ریل روڈ، قادر ملا ہاؤس، مجگاؤں، بمبئی ۱۰

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ ..... سے آپ کی مدت خریداری ختم ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ کتاب نما کی سرپرستی جاری رکھیں گے اور مبلغ دو روپے زرچندہ منی آرڈر دار جولائی تک بھیج دیں گے تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔

آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو ہم سمجھیں گے کہ کتاب نما آپ کی سرپرستی سے محروم ہو گا مجبوراً پرچہ بند کر دیا جائے گا

منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے گا۔ آپ کا خریداری نمبر ــــــ ہے

(مینیجر)

REGD. NO D.58 JULY. 1968

KITAB NUMA

JAMIANAGAR NEW DELHI.25

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے
جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ماہنامہ اگست ۱۹۶۸ء

کتاب

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی
بچوں کا پرانا ساتھی ہے۔
۱۹۲۶ء سے نکل رہا ہے۔
یہ انوکھے مضمونوں، مزیدار کہانیوں اور نظموں کے ذریعے
شہریت کے آداب سکھاتا ہے۔
تہذیب و اخلاق کی اعلیٰ قدروں سے مانوس کرتا ہے۔
وقت کے تقاضوں کے مطابق نت نئی معلومات فراہم کرتا ہے۔
نئے انتظام میں آفسٹ پر چھپتا ہے
باتصویر
سالنامہ اور خاص نمبر بھی
شامل ہیں۔
شاخ
شاخ
اردو بازار دہلی
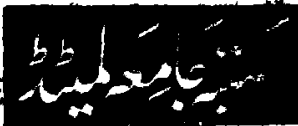
ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی

مینیجنگ ایڈیٹر: غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول: مجیب احمد خاں

اگست ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۸
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ بیس پیسے

اشاریہ

معاصر "قومی آواز" لکھنؤ کے حوالے سے "ہماری زبان" علی گڑھ کے تازہ ترین شمارے میں یہ خبر پڑھی:

"حکومتِ نیپال نے اردو کو نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے"

اس موقع پر بے ساختہ ہمیں کسی پرانے شاعر کے اس بہت مشہور شعر کی صداقت کا ایک بار پھر قائل ہو جانا پڑا: ع

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا
وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

غریب اردو پر، جو اپنے وطن سے نکالی جا رہی ہے، ایک ایسی حکومت کی نظر التفات جو "سیکولر" نہیں ہے، "ہندو" کہلاتی ہے، ایک معجزہ نہیں تو کرامت ضرور ہے۔

شاہ مہندر کی حکومت کا یہ اقدام جس نے اپنی رعایا کے ایک فی صدی سے بھی کم اقلیت کی زبان اور کلچر کا اتنا خیال رکھا، لائق صد تحسین ہے تو وہاں کے اردو دوستوں کی مساعی بھی کچھ کم قابل تقلید نہیں کہ انھوں نے صحیح خطوط پر اپنے مطالبات مرتب کیے اور ان کی مقبولیت کا یقین دلایا اور حکومت سے انھیں تسلیم کرا لیا۔

اس چھوٹے سے ملک کے ایک معمولی سے واقعہ میں اگر دیکھا جائے تو ہمارے لیے بہت سے سبق پوشیدہ ہیں۔ ہمارے ہاں جہاں تک مطالبہ کرنے والوں کا تعلق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک وہ صرف گفتار کے غازی ہیں۔ بڑی بڑی کانفرنسیں کرتے ہیں۔ بڑی بڑی قرار دادیں پاس کرتے ہیں اور بڑے بڑے وفود کی صورت میں بڑے بڑے لوگوں سے ملتے ہیں۔ اور جان بوجھ کر جھوٹی تسلیوں پر مطمئن ہو کر واپس آجاتے ہیں۔

جہاں تک اس مطالبے کے ماننے والوں کا تعلق ہے وہ بھی بڑے بڑے وعدوں کے
لعلو نے دیکر بہلانے کے فن میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ کون سا بڑے سے بڑا رہنما بشمول
وزرائے اعظم اور وزیر تعلیم، ایسا ہے جس نے اردو کی بیچارگی پر آنسو نہ بہائے ہوں اور
کون سا وہ وعدہ ہے جو اردو کی بقا اور ترقی کے لیے کیا گیا ہو اور شرمندۂ تکمیل ہوا ہو؟
ارباب وطن نے اردو کو مٹانے کے لیے کیا کیا نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کر رہے ہیں
ابھی تک آندھرا پردیش میں اردو پر دست شفقت پھیرا جا رہا تھا۔ اب خبریں آ رہی ہیں کہ وہاں
بھی اردو کو مٹانے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں۔
مگر اردو کی سخت جانی بھی اپنی جگہ پر ہے۔ وہ مرنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں۔ مرے
گی نہیں زندہ رہے گی لیکن اپنے بے عمل ہمدردوں کے رویہ کے باعث سسک سسک کر
جیے گی!

اس دائرے میں سرخ نشان
کا مطلب یہ ہے کہ .....
سے آپ کی مدتِ خریداری ختم
ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ کتاب نما کی
سرپرستی جاری رکھیں گے اور مبلغ دو روپے زر چندہ
منی آرڈر ۱۵ اگست تک بھیجدیں گے تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔
آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو ہم سمجھیں
گے کہ کتاب نما آپ کی سرپرستی سے محروم ہو گیا،
مجبوراً پرچہ بند کر دیا جائے گا۔
منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے گا
آپ کا خریداری نمبر ہے ـــــــ (مینیجر)

نیاز فتح پوری

چالیس (۴۰) کا عدد

دُنیا میں کوئی قوم یا مذہب ایسا نہیں جس میں چالیس (۴۰) کے عدد کو خاص اہمیت حاصل نہ ہو۔ مثلاً مرنے کے بعد چہلم (چالیسواں) کی رسم، ریاضت و عبادت میں چلّہ کشی یعنی چالیس دن کا اعتکاف، سورۂ احقاف میں اربعین (۴۰ سال) کو پختگی عمر کا زمانہ ظاہر کرنا۔

یہودیوں کے مذہبی لٹریچر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عدد ان کے یہاں بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک خانماں برباد پھرا کیے۔ ایلیا نبی کو چالیس دن تک کوؤں نے غذا پہنچائی۔ طوفانِ نوحؑ بھی چالیس دن تک قائم رہا اور مصر قدیم میں بھی لاش کی مومیائی کے لیے چالیس دن مقرر تھے۔

انگلستان کے عہدِ وسطیٰ میں قتل انسان کے جرمانہ کی ادائیگی کے چالیس دن مقرر تھے۔ جنگ کے دوران فریقین کو آرام لینے کے لیے بھی چالیس دن کا وقفہ ملتا تھا۔ دارالعلوم کے التوا کے بعد ممبر پارلیمنٹ کو جو مہلت ملتی تھی وہ بھی چالیس دن کی ہوتی تھی۔

چالیس کی اہمیت مسلمانوں اور یہودیوں کی طرح زرتشتیوں، ہندوؤں اور عیسائیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے توریت کو دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ طوفانِ نوحؑ چالیس دن تک قائم رہا اس کے بعد پہاڑ کی چوٹی نظر آئی۔

یعقوبؑ کی لاش کو حنوط کرنے کے لیے ۴۰ دن درکار ہوئے۔ موسیٰؑ چالیس دن تک پہاڑوں میں بھوکے پیاسے پھرتے رہے، چالیس چالیس دن کے روزے انھوں نے رکھے۔ یہودا کے چالیس سالہ گناہ کی یاد میں ایلیا چالیس دن تک داہنی کروٹ سے لیٹے رہے۔ گولیتھ نے اسرائیلی فوجوں کا چالیس دن مقابلہ کیا۔

اہل نینوا کو توبہ کے لیے ۴۰ دن کی مہلت دی گئی۔ بنی اسرائیل چالیس دن تک جنگلوں میں پھرتے رہے۔ اہلِ فلسطین نے چالیس سال تک بنی اسرائیل کو پریشان رکھا۔ سلیمانؑ، داؤدؑ، یوشعؑ نے ۴۰ سال تک حکومت کی۔ زردشت نے ۴۰ سال کے بعد تبلیغ شروع کی۔

پارسیوں میں ۴۰ دن تک مسلسل ہورآمزدا کے اسمار کا ورد کیا جاتا ہے اور مذہبی رہنما بننے کے لیے بھی چالیس دن کی ریاضت ضروری ہے۔

ہندوؤں کے یہاں عورت کے ایام زچگی ۴۰ دن مقرر ہیں۔ ویدک طریق علاج میں کایا پلٹ کے لیے ۴۰ دن درکار ہوتے ہیں۔ عیسوی روایات میں بھی ۴۰ کا ذکر بکثرت پایا جاتا ہے۔ مسیح کی ولادت کے ۴۰ دن بعد حضرت مریمؑ نے مسیح کو معبد میں پیش کیا۔ مسیح نے چالیس دن کا روزہ رکھا۔ مصلوب ہونے کے بعد چالیس گھنٹے مقید رہے۔ احیاثانی کے بعد چالیسویں دن آسمان پر لے جائے گئے۔

رسول مقبول حضرت محمدؐ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ الغرض تمام اقوام عالم میں ۴۰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن کیوں؟

ان تمام روایات سے یہ بات تو یقینی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ کسی زمانے میں پوری جماعت انسانی اکٹھا ایک ہی حصۂ زمین میں مقیم تھا اور اس کے تمام افراد ایک ہی سی ذہنیت رکھتے تھے۔ اور ان کے تاثرات بھی یکساں تھے۔ بعد میں جب وہ منتشر ہوکر مشرق و مغرب میں پھیلے تو اپنی بعض روایات کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس لیے اب اصل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نسل انسانی کے افراد کس حصۂ زمین سے ادھر ادھر منتقل ہوئے اور ۴۰ کے عدد کو ان کی روائتی زندگی میں کیوں اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ وہ اسے کیوں نہیں بھولے۔

انسان سب سے پہلے کرۂ زمین کے کس حصہ میں رونما ہوا؟ اس کے متعلق ماہرین علم الانسان نے آخرکار متفقہ طور پر یہ تسلیم کرلیا کہ عہد قبل تاریخ میں انسان کا سب سے پہلا مسکن، وہ حصہ ہے جسے قطب کا منطقۂ بارد کہتے ہیں۔ ہرچند یہ نظریہ بہت عجیب سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ برف سے ڈھکے ہوئے منجمد علاقہ میں کسی کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ لیکن علمار طبقات الارض کی جدید تحقیقات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ اس منطقہ کا برفانی یا انجمادی دور کوئی مستقل چیز نہ تھی۔ معلوم نہیں کتنی بار یہ دور آیا اور گزر گیا۔ لیکن اس کا آخری برفانی دور مسیح سے ۴۰ ہزار اور بیس ہزار سال کے درمیان پایا جاتا تھا۔ لیکن اس عہد میں بھی صدیاں ایسی گزر جاتی تھیں کہ موسم گرما ہوجاتا تھا۔ اور یہ منطقہ آبادی کا اہل بن جاتا تھا۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت اس منطقہ کے گرم ہونے کا یہ بھی ہے کہ وہاں کوئلے کی بڑی زبردست کانیں حال ہی میں دریافت ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ منطقۂ

بارہ ہمیشہ برفانی نہیں رہا ہے اور اس پر گرمی کے دور بار ہا گزر چکے ہیں۔ یہیں سب سے پہلے انسانی آبادی کا آغاز ہوا۔ اور بعد میں برفانی دور آنے کی وجہ سے وہ ادھر اُدھر منتقل ہوتی رہی۔ لیکن چالیس کے عدد سے اس کا کیا تعلق ہے اس کی داستان اور زیادہ دل چسپ ہے۔

اس سے غالباً ہر شخص واقف ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کی جو صورت گرم ممالک میں پائی جاتی ہے وہ منطقۂ بارہ سے بالکل مختلف ہے۔ ۸۶½ خط عرض البلد پر (جو قطب شمالی کے نیچے سے گزرتا ہے) شب و روز کے ظہور کی کیفیت گردش زمین کی بنا پر یہ ہے کہ وہاں چوبیس دن کو تو بالکل تاریکی رہتی ہے، اس کے بعد چوبیس دن تک صبح صادق کی سی کیفیت رہتی ہے۔ پچیسویں دن آفتاب کا ایک گوشہ نظر آتا ہے اور چند منٹ کے بعد غائب ہو جاتا ہے اس کے بعد پندرہ دن تک آفتاب تدریجاً زیادہ بلند ہو کر غائب ہوتا رہتا ہے اور سولہویں دن پورے چوبیس گھنٹوں تک نمودار رہتا ہے اس کے بعد روشنی کا وقفہ کم ہوتے ہوتے سولہویں دن پھر تاریکی ہو جاتی ہے لیکن جب آفتاب ایک بار پوری طرح نکل آتا ہے تو پھر چھ مہینے تک غروب نہیں ہوتا اور سروں پر چکر لگایا کرتا ہے۔ اس چھ ماہ کے طویل عرصہ کے بعد چوبیس دن ایسے گزرتے ہیں جیسے شفق پھولی ہو اور پھر چوبیس دن باری باری طلوع آفتاب اور طلوع شفق کے گزرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ آفتاب بالکل غائب ہو جاتا ہے اور ۶۸ دن کی طویل رات شروع ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس حصۂ زمین میں رات اتنی طویل ہو وہاں طلوع آفتاب کا انتظار کس بے صبری کے ساتھ کیا جاتا ہوگا اور کیا کیا خوشیاں رات کے ختم ہونے پر نہ منائی جاتی ہوں گی۔

جنھوں نے قدیم اقوام کی تہذیب کا، مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان سب میں آفتاب پرستی کا رواج تھا۔ اڈونس، انیس، تموز، مردوک اور اندر سب سورج دیوتا ہی کے مختلف نام تھے۔ قدیم یونان و روم میں انیس کا احیاء ثانی یا ظہور ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا تھا۔ یہی تاریخ بعد میں عیسائیوں نے مسیح کے دوبارہ جنم لینے کی اختیار کی۔

اب اس پچیس کا راز بھی سن لیجیے۔ وہ یہ ہے کہ قطب کے منطقہ میں (جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں) آفتاب پچیسویں دن پوری طرح طلوع ہوتا ہے اور اُس دن کی خوشی میں قدیم اقوام نوروز منایا کرتی تھیں۔

اب رہا سوال چالیس دن کی اہمیت کا سو اس کا حساب یہ بیٹھتا ہے کہ آفتاب اپنے

اولین طلوع کے بعد سولہ دن تو وہ یوں ہی عارضی طور پر لٹکا چھپتا رہتا تھا لیکن جب یہ زمانہ ختم ہو جاتا تھا تو اس کے پورے چوبیس دن کے بعد وہ حقیقی دن شروع ہوتا تھا جو ۲۵ دنوں تک قائم رہتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ (۱۶ × ۲۴) یعنی پورے چالیس دن کے انتظار کے بعد ان کا یوم عید شروع ہوتا تھا اور اس طرح سب سے پہلے قطب کے منطقہ باردہ میں چالیس دن کی اہمیت شروع ہوئی اور جب بعد میں یہاں کی آبادی دنیا کے مختلف حصّوں میں پہنچی تو وہ اس روایت کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔

چوں کہ حقیقی دن کے طلوع کے لیے انتظار کے پورے ۴۰ دن بڑی دشواری سے بسر ہوتے تھے اور یہ زمانہ غیر معمولی طویل محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے بعد میں ہر مصیبت طویل زمانہ کے لیے چالیس دن کی اصطلاح قایم ہوگئی۔

(بشکریہ جرس علی گڑھ)

سرور جہاں آبادی

فضائے برشگال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار
چٹک رہے ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار

سہی قدوں کا ہے جمگھٹ کنارِ آبِ رواں
کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار

ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری
کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سندر نار

کلی کلی نے نکالا ہے روپ یوں جیسے
کسی کے سینے پہ کم کم شباب کا ہو ابھار

حنائی پنجہ ہے یوں شاخ شاخ لالہ و گل
نئی دلہن کی ہوں جیسے ہتھیلیاں گلنار

ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی
ہوا میں اڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں شرار

عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

پلا شراب کہ ہیں مغتنم یہ دن ساقی
کہاں یہ سبزہ و گل، پھر کہاں یہ صحبتِ یار

بہار آئی شگفتہ ہو اے گلِ پنجاب
چہک چہک کہ بہار آئی بلبلِ پنجاب

ترانہ لبِ شیریں نوا کے دن آئے
غزل سرا ہو کہ تیری صدا کے دن آئے

عروسِ نظم نے کاجل لگایا آنکھوں میں
فسونِ عشوہ و ناز و ادا کے دن آئے

ادھر بھی کوئی ایاغِ مئے سخن ساقی!
اٹھے وہ جھوم کے بادل گھٹا کے دن آئے

شباب جوش پہ آیا پری جمالوں کا
بڑھی نگاہ میں تمکیں حیا کے دن آئے

بتوں نے ہاتھوں میں مہندی لگائی ساون کی
شہید چونک اٹھے خوں بہا کے دن آئے

نسیم جھوم کے کہتی ہے منہ شگوفوں کا
مئے نشاطِ تبسم فزا کے دن آئے

چلو شراب کی بوتل کوئی بھرا لائیں
سرورؔ! دعوتِ آب و ہوا کے دن آئے

ترانہ سنج ہو اور بلبلِ ریاضِ سخن!
کہاں ہے تو؟ کہ چمن میں فضا کے دن آئے

ترے بغیر ہیں مرغانِ نغمہ زن خاموش
ترے بغیر ہے یاروں کی انجمن خاموش

(نوائے سرور' مرتبہ ڈاکٹر حکم چند نیر سائز ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۱۹۲ قیمت ۶/- حوالہ صفحہ ۱۴)

چار نئی کتابیں

(مکتبہ جامعہ کو ان کتابوں کی سول ایجنسی حاصل ہے)

نذرِ ذاکر

مجلسِ نذرِ ذاکر کا مرتب کردہ مجموعہ مضامین
جو صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی
خدمت میں ان کی ۷۱ ویں سالگرہ پر پیش کیا گیا۔
بہترین سفید کاغذ، اعلیٰ کتابت و طباعت، خوشنما
جلد، اردو اڈیشن، سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۶۲۰ قیمت ۲۰/-
انگریزی " " " ۵۱۲ " ۴۰/-

اکبر

سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۱۰۸
مصنف: لارنس بنین مترجم: رضیہ سجاد ظہیر
اس کتاب میں اکبر کو ایک انسان کی حیثیت سے
پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ
اس میں اکبر کی شخصیت، تاریخی حقیقت کی
روشنی میں نہایت سچائی اور غیر جانبداری کے ساتھ
بیان کی گئی ہے جو اور کتابوں میں نہیں ملتی قیمت ۳/۵۰

پنڈت وشنو دگمبر

مصنف: وی آر اٹھاولے مترجم: ش۔ا۔ قدوائی
موسیقی ہماری قومی تہذیب کا ایک اہم جزء
سمجھی جاتی رہی ہے اور اس فن کی عظمت کو بحال
رکھنے کی کوشش میں پنڈت وشنو دگمبر نے جو کارہا
نمایاں انجام دیے ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔
اس کتاب میں بڑے اچھے انداز میں ان کی زندگی
کے حالات پیش کیے گئے ہیں۔
سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۷ قیمت ۲/۲۵

کبیر

مصنف: ڈاکٹر پارس ناتھ تیواری مترجم: ایم۔ کے۔ درانی
کبیر کی تخلیقات کی طرح ان کی زندگی کے
بارے میں بھی لوگوں کو پوری معلومات حاصل نہیں
ہیں۔ ڈاکٹر تیواری نے گہرے مطالعے اور تحقیق
کے بعد تاریخی شواہد اور مروجہ حکایات کی بنیاد پر
آسان اور دلچسپ انداز میں یہ سوانح حیات
پیش کی ہے جو قابل تعریف ہے۔
سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۳۶ قیمت ۲/۵۰

یہ کتابیں مکتبہ جامعہ کے چاروں دفاتر سے مل سکتی ہیں

پرنامی پنتھ

ہندوستان کا ایک فرقہ

جو سولھویں صدی میں اسلام سے متاثر ہوا

صبح کا وقت تھا صحن میں دھوپ پھیل چکی تھی کہ ایک نوجوان شخص کمرے میں داخل ہوئے۔ چہرے پر ہنسی خوشی کے آثار تھے ہاتھ میں ہرے کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی ضخیم کتاب تھی انھوں نے کتاب کے بعض مقامات پڑھ کر سنائے، گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ پرنامی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کتاب جس کے کچھ اقتباسات انھوں نے پیش کیے وہ ان کا خاص دھارمک گرنتھ (مذہبی کتاب) قلزم سروپ ہے۔

قلزم سروپ کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جس طرح بحر قلزم کو پار کر کے حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے لشکر سے نجات حاصل کی تھی ٹھیک اسی طرح اس قلزم کے کلام ربی دریا سے گزرنے پر انسان ان خباثتوں اور دجالوں سے نجات پا سکتا ہے جو آدمی کے دلوں میں بیٹھ کر اسے صحیح راستے سے بھٹکاتے رہتے ہیں۔ ان کا نام شیام بہاری ہے، انھوں نے قلزم سروپ کی کئی ایک ایسی چوپائیاں پڑھ کر سنائیں جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ لوگ خدا کے رسول حضرت محمدؐ اور قرآن پر ایمان لائیں اور دینِ اسلام کو سچا دین سمجھیں اس کے بغیر نہ کوئی حقیقت کو پا سکتا ہے اور نہ اسے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

میرے لیے یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ کبھی ہندو طبقے میں اس طرح کی تحریک اٹھی ہے اور ایسا کوئی مصلح اور ہادی اٹھا ہے جس نے لوگوں کو واضح انداز میں قرآن اور اسلام کی طرف دعوت دی ہو، میری دلچسپی بڑھتی گئی میں نے اپنے مہمان سے کہا کہ آپ باہر سے آتے ہیں کیوں نہ آپ یہیں ٹھہریے تاکہ اطمینان سے بات چیت ہو سکے، اس کے بعد ان سے بہت ہی دوستانہ فضا میں باتیں ہوئی، ان کی زبانی پرنامی فرقے کی تاریخ معلوم ہوئی اس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

"پرنامی" فرقے کے اصل بانی شری مہراج ٹھاکر تھے ان کے باپ کا نام کیسو ٹھاکر تھا، جو جام نگر (گجرات) کے رہنے والے تھے شری مہراج ٹھاکر ۱۶۱۸ء میں جام نگر میں پیدا ہوئے ان کے گرو شری دیو چندر امرکوٹ (گجرات) میں ۱۵۸۱ء میں پیدا ہوئے، دیو چندر جی کو ۴۰ سال کی ریاضت کے بعد

"اپھراتیت" (حق) کا دیدار ہوا، انھوں نے غیبی اشارے پر پرمھ آتماؤں کو جنھیں پرمومنی یا پرمھ سرشٹی
یا عرش عظیم سے اتری ہوئی روحیں کہتے ہیں جگانے کا کام شروع کر دیا۔ اسی زمانہ میں جام نگر میں ان کی ملاقات
مہراج ٹھاکر سے ہوئی انھیں حق کا دیدار یا حق کی معرفت بھی جام نگر میں ہی حاصل ہوئی تھی انھوں نے مہراج
ٹھاکر کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ عرش عظیم کی روحوں میں سے ہیں انھوں نے مہراج ٹھاکر کو یہ خدمت انجام
دینے کے لیے کہا کہ وہ روحوں کو جگائیں یعنی ان کی غفلت کو دور کر کے انھیں عرش عظیم کی طرف متوجہ کریں
تاکہ وہ جھوٹے خداؤں کو ترک کر کے پرمھ (خدائے برتر) کی طرف جھکیں، دیو چندر جی نے یہ بھی کہا کہ عرش
عظیم کی روحیں (سعید روحیں) مسلمانوں میں بھی ملیں گی اور قرآن میں بھی "پرم دھام" (عرش عظیم) کی باتیں
درج ہیں۔

دیو چندر کے انتقال کے بعد مہراج ٹھاکر کا دور شروع ہوا یہ ۱۶۵۵ء کا زمانہ ہے مہراج ٹھاکر
"بھرمن" (سیاحت) کرتے ہوئے جام نگر سے دیپ بندر، پور بندر پہنچے پھر سورت گئے جب وہ سورت
پہنچے تو وہ تمام روحیں جن کو انھوں نے جگایا تھا اور انھیں عرش عظیم سدھ دلائی (یاد دلائی) تھی اپنا گھربار
چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گئیں، یہ وہ وقت تھا جب مہراج ٹھاکر کی باطنی نگاہ کھل چکی تھی اور بہت سی باتیں
انھیں الہام ہو چکی تھیں ان کو چار کتابوں میں جمع کیا گیا جن کے نام یہ ہیں،

راس پرکاش کھٹ رتو کرجی میتراکلس۔

سورت سے جب مہراج ٹھاکر جی میترا کے مقام پر پہنچے تو وہاں راستہ میں اذان کی آواز سنی
أَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کے
الفاظ ان کے کان میں پڑے تو وہ پکار اٹھے کہ توحید اور رسالت کی شہادت دینے والے (یعنی حضرت محمدؐ)
تو عرش عظیم کی عظیم روح ہیں اور ہم روحوں کے لیے پیغام لائے ہیں، اس کے بعد انھوں نے قرآن کا مطالعہ
کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ اس میں عرش عظیم سے اتری ہوئی باتیں ہی درج ہیں۔ اس کے بعد خود مہراج ٹھاکر
پر جو الہام ہوا وہ بھی محمدؐ کے علم سے پُر تھا اس میں قرآن و حدیث کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ اس کا مقصد
یہ تھا کہ مومنوں کو (پیروؤں کو) فانی دنیا کی طرف سے عرش عظیم کی طرف متوجہ کیا جائے اور ہندو
مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے اور انسانی سماج میں ایک سچے دین اسلام کو قائم کیا جائے۔
مہراج ٹھاکر نے اپنے دین کا اصل نام اسلام ہی بتایا۔ اس کو شری دیو چندر جی کے علم کے مطابق "نجانند
سمپردائے" بھی کہا گیا۔ نجانند سے مراد اسلام ہے، شری مہراج ٹھاکر کے ماننے والے آج "پرنامی" (یعنی
پرم پرمھ کے پوجنے والے) کہلاتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود مہراج ٹھاکر کے زمانے میں لاکھوں

ہندوان کے پیرو ہو گئے تھے انھوں نے خود ایک جگہ کہا ہے " لاکھوں لوگ ہندوؤں کے ان کو کن نے دیا یقین ۔"

شری مہراج ٹھاکر نے اپنے زمانے کے حکمران اورنگ زیب کو عرش سے اتری ہوئی روح (یعنی سعید اور پاکیزہ) بتایا اور اورنگ زیب کے پاس اپنے بہت سے شاگردوں کو بھیجا اور ان کے ذریعے انھیں اسلام کی معرفت کا پیغام دیا تھا کہ مہراج نے اپنے ہادی اور امام مہدی ہونے کا اعلان کیا مخالفتوں کی وجہ سے ان کی بات واضح انداز میں تفصیل کے ساتھ اورنگ زیب تک نہ پہنچ سکی۔

اس کے بعد انھوں نے اورنگ آباد کے راجہ بھو سنگھ کو دعوت دی وہ ان کا شاگرد ہو گیا، اب تک سیکڑوں مسلمان بھی مہراج ٹھاکر کے شاگرد ہو چکے تھے، اس کے بعد مندسور اجین (مدھیہ پردیش) ہوتے ہوئے بندیل کھنڈ کے علاقہ پنا میں پہنچے۔ یہ ۱۶۸۲ء کا آخری زمانہ تھا انھوں نے پنا کے راجہ چھتر سال کو دعوت دی راجہ چھتر سال مع اپنی رعایا کے ان کا پیرو ہو گیا یہاں پر بہت کچھ خدائی علم ان پر اترا جسے کئی کتابوں کی شکل میں جمع کیا گیا ان کی کل کتابیں چودہ ہوتی ہیں انھیں کے مجموعے کا نام قلزم سروپ ہے، پرنامی اسے الہامی کتاب کہتے ہیں۔

شری مہراج ٹھاکر اب شری پران ناتھ دردھوں کے خاوند کے نام سے پکارے جانے لگے، ان کی زندگی کے آخری گیارہ سال پنا ہی میں گزرے یہیں انھوں نے اپنے جسم فانی کو الوداع کہا، یہاں ان کی درگاہ پر سالانہ میلہ لگتا ہے، پرنامیوں کے مندر بھی مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں، ان مندروں میں مورت پوجا نہیں ہوتی، بلکہ ان میں قلزم سروپ پر پھول مالائیں چڑھاتے ہیں، قلزم سروپ کو سجدہ کرتے ہیں، قلزم سروپ کی پوجا کے وقت " ماتم منتر" کا جاپ کرتے ہیں اس منتر میں " اچھا ماتیت" (حق جس کا ایک روپ کرشن کو بھی مانا ہے) کی پہچان کرائی گئی ہے اور روحوں کے جگانے کا مہراج ٹھاکر نے سنکلپ (عہد) کیا ہے۔

صبح اور رات میں پرنامیوں کی ایک مجلس بیٹھتی ہے جس میں قلزم سروپ کا درس ہوتا ہے۔ قلزم میں خدا اور اس کی تجلیات کا جو مختلف روپوں میں ظاہر ہوئیں ذکر کیا گیا ہے، عقائد عبادات اور دین و شریعت کے باطنی پہلوؤں کی مخصوص انداز میں توضیح کی گئی ہے اور دین کے باطنی اور معنوی پہلو پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔

قلزم میں حضرت محمدؐ کی فضیلت سب سے بڑھ کر بتائی ہے ہے، قلزم کی چند چوپائیاں یہاں نقل کی جا رہی ہیں :

پاک نہ ہوئے ان پائیاں   چاہیے عرش کا جل
نہائیے حق کے جمال میں   تب ہوسیے مرمل

پاک ہونان جی آسئے   نا کوئی اور اپائے
لیجیے راہ رسولؐ عشق   تب رسول دیں پہنچائے

(صفحہ ۱۲۹)

ترجمہ: اس زمین میں پاک ہونے کی اور کوئی تدبیر نہیں ہے محبت رسول کا راستہ اختیار کیجیے وہ مقصود تک پہنچا دیں گے۔

پاک پانی سے نہ ہوئے   نا کوئی اور اپائے
ہوئے پاک مدد توحید کی   حقیں لکھ بھیجا بنائے

صفحہ ۱۲۹

یہ مغز کھولیا قرآن   سنو ہندو یا مسلمان
جو اٹھو کھڑا ہوسی سادچیت   صاحب تائے بزرگی دیت

صفحہ ۱۴۸

ترجمہ: قرآن نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے اے ہندو اور مسلم سنو! جو کوئی باخبر ہو (خدا کے آگے) کھڑا ہوگا صاحب (خدا) اسے بزرگی عطا کرے گا۔

اپنے پرنامی مہمان سے دیر تک گفتگو رہی ان کے پنتھ میں تصوف اور ایک خاص طرح کے صوفیانہ خیالات ونظریات کا غلبہ نظر آیا

وہ قلزم سروپ او رمہاراج کی سوانح حیات دے گئے انھیں ہندی ترجمہ قرآن اسلام پروشیکا اور پوتر قرآن تحفتہً دیا گیا انھوں نے بڑی خوشی سے ان کتابوں کو لیا۔ اور مطالعہ کا وعدہ کیا انھوں نے کہا کہ اصل قرآن پڑھنے پر جس کے بعد ہی قلزم کے مطالعہ میں بھی مزہ آسکتا ہے۔

رخصت ہوتے وقت کہا کہ میں جلدی پھر آؤں گا، آپ لوگ ہمیشہ یاد رہیں گے، یہاں مجھے بہت آنند ملا اور کھل کر دل کی باتیں کہنے کا موقعہ ملا۔ رخصت ہوتے وقت چرن اسپرش (قدم بوسی) کے لیے جھکے لیکن میں نے انھیں اس سے روک دیا۔

(الجمعیتہ ہفتہ وار)

جامِ نو

عظمتُ اللہ خاں

۱۸۸۷ ــــــ ۱۹۲۷

دہلی میں پیدا ہوئے، ننہالی بزرگ شاہانِ مغلیہ کے "مقرّبانِ خاص" میں سے تھے، "خان" کا اعزاز اور خاندانی لقب مغل فرماں رواؤں کے دربار سے عطا ہوا تھا۔ دادھیالی سلسلے کے لوگوں نے جے پور اور الور کی ریاستوں میں معزز عہدوں پر رہ کر بڑی بڑی خدمتیں انجام دی تھیں۔ ریاست حیدرآباد میں بھی اس خاندان کے افراد نے اپنی علمی لیاقت، انتظامی صلاحیت اور مختلف کارگزاریوں کے سلسلے میں بڑا نام اور رسوخ پیدا کیا تھا۔ سر سالار جنگ اوّل سے لے کر سر رچرڈ ٹمپل (ریزیڈنٹ) تک ان لوگوں کے مداح اور قائل تھے۔

کلام مجید اور فارسی کی چند کتابیں گھر پر پڑھنے کے بعد کم سنی ہی میں عظمت اللہ خاں اپنے والد کے ساتھ حیدرآباد آ گئے، مڈل تک ریزیڈنسی اسکول میں پڑھے پھر گورنمنٹ (عالیہ) اسکول سے میٹرک پاس کیا، اسی سال ان کے والد انتقال کر گئے۔ ہونہار طالب اور معزز عہدے دار کے فرزند ہونے کی بنا پر ریاست سے ان کو مزید تعلیم کے لیے وظیفہ مل گیا۔ اجمیر سے ایف، اے (انٹرمیجیٹ) اور پھر آنرز کے ساتھ بی، اے کیا۔

اردو فارسی کے علاوہ انگریزی زبان اور اس کے شعر و ادب سے عظمت اللہ خاں کو بڑا شغف تھا۔ نویں دسویں جماعت سے انھوں نے شیکسپیر، ٹے نی سن، بائرن اور ورڈز ورتھ کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ "ابو بن ادہم" کا منظوم ترجمہ اسی زمانے کی یادگار ہے، الف اے اور بی اے تک پہنچتے پہنچتے وہ بلا تکلف انگریزی نثر و نظم میں اپنے خیالات کا برجستگی اور اعتماد کے ساتھ اظہار کرنے لگے تھے، اپنے لکھے ہوئے مضامین اور سانیٹ کی داد و تحسین، انھوں نے متعدد موقعوں پر اپنے انگریز پرنسپل اور وائس پرنسپل سے حاصل کی تھی۔ ان کے پرنسپل کہتے تھے کہ اس شخص کو تو یورپ میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں پیدا ہو گیا، ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کو انگلستان جانے کا موقع ملے مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی بی اے کے بعد اور نوکری سے پہلے انھوں نے بقدر شوق و ضرورت ہندی اور سنسکرت بھی

پڑھ لی تھی۔

حیدرآباد میں پہلے وہ ایک اسکول میں ملازم ہوئے پھر مددگار ناظم تعلیمات ہو گئے منصبی فرائض پورے کر لینے کے بعد وہ اپنا تمام وقت پڑھنے پڑھانے اور شعر و ادب کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ ادب اور سائنس کا شاید ہی کوئی ایسا موضوع یا مضمون رہا ہو جس کا انھوں نے مطالعہ نہ کیا ہو اور اس کے بارے میں اچھی خاصی معلومات نہ رکھتے رہے ہوں۔ صورت و سیرت کے لحاظ سے بھی عظمت اللہ خاں بڑے وجیہہ، شان دار اور باغ و بہار آدمی تھے۔

پنگل کا استعمال، غنائی شاعری کی طرف توجہ، گیتوں کو روح دینے کی کوشش، آج کل کوئی نئی اور غیر معمولی بات نہیں ہے۔ مگر اب سے چالیس پینتالیس برس پہلے ایسی جرارت مندی اور ترقی پسندی آسان نہ تھی۔ اس جرارت و جسارت کی تہ میں دراصل ایک مخلصانہ جذبہ کار فرما تھا اور وہ جذبہ یہ تھا کہ اردو شاعری بھی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی شاعری سے کم یا پیچھے نہ رہے۔

مختصر یہ کہ روایات سے ہٹ کر جن لوگوں نے نئی راہیں تلاش کی تھی اور آج کے نئے شاعروں کے لیے زمین ہموار کر گئے ہیں ان میں عظمت اللہ خاں کے نام اور کام دونوں کو بعضوں کے خیال میں اوّلیت ورنہ اک فوقیت اور خصوصیت تو بہر حال حاصل ہے۔

نظموں کا مجموعہ "سریلے بول" ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا تھا۔

انتخاب

برکھا رُت کا پہلا مینھ

آئے بادل کالے کالے جھومتے ہاتھی متوالے　　امڈے پھیلے تلتے جھکتے
ایک اندھیری دے کر چھائے ڈیرے چار طرف ڈالے　　پَوَن کے گھوڑے سہمے ٹھٹکے

بجلی چمکی انگارا سی آگ کی ناگن لہرائی　　لہریا کاڑھا بیل بنائی
بھاپ کے دریا میں قدرت نے نور کی مچھلی تیرائی　　ادھر کو ادھر تڑپی تڑپائی

نیلا امبر ہنستا سورج رنگ میں ڈوبے ہوئے بادل　　گھُلی پھننگوں پر ہلکی دھوپ
دھوئی نہائی بھولی مُسدر سر پہ سنہری سا آنچل　　قدرت کا ایک سہانا روپ

مرے حسن کے لیے کیوں مرے؟

نہ بھلے کی تھی نہ برے کی تھی مجھے کچھ جہاں کی خبر نہ تھی
تمھیں عیش کا ہی جو دھیان تھا تمھیں میری چاہ اگر نہ تھی
مرے حسن کے لیے کیوں مرے؟ نہیں لینے تھے تمھیں یوں مزے

مری چاہ تھی بڑی قیمتی، میں غریب تھی پہ امیر تھی
تھے امیر تم، پہ نہ چاہ تھی، میں امیر تھی پہ فقیر تھی
مرے حسن کے لیے کیوں مرے؟ نہیں لینے تھے تمھیں یوں مزے

تمھیں چاہ اور کی جب ہوئی، مری وہ بہشت تو جا چکی
مگر آرزو یہ ضرور تھی، تمھیں دیکھ لیتی کبھی کبھی
مرے حسن کے لیے کیوں مرے؟ نہیں لینے تھے تمھیں یوں مزے

مرا پاش پاش یہ دل ہوا، مری چاہ کا وہ دیا بجھا
مرے دل کو تم نے یہ کیا کیا، نہیں اب بھی وہ کسی اور کا
مرے حسن کے لیے کیوں مرے؟ نہیں لینے تھے تمھیں یوں مزے

مرے دل سے ہوگا یہ کب بھلا تمھیں دے سکوں کوئی بد دعا
وہ ہوا جو ما تھے پہ تھا لکھا، مرے دل سے آئے گی یہ صدا
مرے حسن کے لیے کیوں مرے؟ نہیں لینے تھے تمھیں یوں مزے

مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا

مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا — مرے جی کو یہ آگ لگا سی گئی
مجھے عیش یہاں کوئی پل نہ ملا — مرے تن کو یہ آگ جلا سی گئی

مرے تایا کے پوت تھے تم سبھی ہم رہے ایک جگہ پلے ایک ہی ساتھ
مرے باپ نے عمر، جو پائی تھی کم انھیں چھین کے لے گیا موت کا ہاتھ

تجھے تو بلے ہی تم، پہ تھا تم کو بڑا مرا دھیان، کسی کی مجال نہ تھی
مجھے ٹیڑھی نظر سے کبھی دیکھے زرا مجھے کھیل میں بھی تو کیا نہ دُکھی

اسی بات کے گھر میں جو چرچے ہوئے سبھی کہتے تھے مجھ کو تمھاری دلھن
مجھے تم نے بھی اپنے لگا کے گلے کئی بار کہا "مری پیاری دلھن"

تمھیں پڑھنے کو دور جو بھیجا گیا بڑے شوق سے خوب ہی کام کیا
کوئی تم نے دقیقہ اٹھا نہ رکھا بڑی محنتیں کیں، بڑا نام کیا

مرے تایا بڑے، تھے زمانہ شناس بڑے اونچے گھرانے میں ٹھہرا پیام
گیا ٹوٹ سا جی، گئی ٹوٹ وہ آس مری چاہ کا ہو گیا کام تمام

بڑی دھوم سے آئی تمھاری دلھن ہیں کبھی کام میں بیاہ کے ایسی جُتی
کوئی اور تھی گو "میری پیاری دلھن" کہا سب نے بڑی ہے بہن کو خوشی

مرا ایک جگہ جو پیام لگا مرے دل سے تڑپ کے یہ نکلی دُعا
نہیں چاہ ہی دل میں تو بیاہ وہ کیا تو خدایا! یونہیں مجھے جگ سے اٹھا

مجھے جیتے جی پیت کا پھل یہ ملا مرے جی کو یہ آگ لگا ہی گئی
مجھے پیار کی ریت کا پھل یہ ملا مرے تن کو یہ آگ جلا ہی گئی

تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تھے پڑوسی ہم، پہ یہ حال تھا کہ گھروں میں کھڑکی بنائی تھی
تھے عزیز ہم، یہ خیال تھا کوئی شے نہ ہم میں پرائی تھی
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ لڑائیاں بھی کبھی کبھی کبھی روٹھنا کبھی من گئے
ابھی کٹیاں، تو ملاپ ابھی ابھی چٹکیاں ابھی قہقہے
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ تمھاری گڑیا کی شادیاں وہ مرا برات کا انتظام
مرا باجا ٹین کی سیٹیاں بڑا شور و غل بڑی دھوم دھام
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یونہیں کھیل کھیل میں جب کبھی کوئی دولھا بنتا دلھن کوئی
مری تم ہمیشہ بنیں بنی بہت اس پہ اڑتی تھی گو ہنسی
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہمیں کیا خبر تھی بسنت کی گئے دن وہ اور پڑوس بھی
تھا پڑھائی سے نہ بچنت جی پڑی یادِ طفلی پہ اوس سی
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کتب موصولہ (برائے تبصرہ)

تلاش و توازن — قمر رئیس — خوام پبلیکیشنز
ریت کے پھول — آدم نصرت — نقش کوکن پبلی کیشنز ٹرسٹ۔ بمبئی
شبینے — ابراحسنی۔ گنوری
دیوانِ شاکر ناجی — مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق — ادارہ صبح ادب دہلی
خطوط بہادر یار جنگ — مرتبہ مولوی نذیر احمد — ادبی ٹرسٹ حیدرآباد
موک کانووکیشن ۱۹۶۷ء / ۱۹۶۸ء — علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین

جائزے

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

رومہ
(ناول)

مصنف: مسرور جہاں
سنہ اشاعت ۱۹۶۶ء سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت ۴ روپے پچاس پیسے۔ صفحات ۲۵۵
ملنے کا پتہ: نسیم بک ڈپو لکھنؤ

"رومہ" نے اپنے معمر باپ اور کم عمر بہنوں کی خاطر معمولی ملازمت کی۔ ایک بزرگ رئیس، ایک کم سن بچی اور ایک بگڑے ہوئے رئیس نادے کی زندگیوں کو تازگی بخشی۔ مگر اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی، جسے "غیر معمولی" کہا جا سکے۔ پھر بھی اُسے ایک عام لڑکی کہنا دشوار ہے کیوں؟ یہ بات، ناول پڑھنے سے پتہ لگتی ہے۔

مسرور جہاں کا انداز بیان سلجھا ہوا اور رواں ہے۔ یہاں پلاٹ کی کوئی پیچیدگی نہیں ہے، زبان کا ابہام نہیں ہے۔ الفاظ کی گھن گرج بھی نہیں ہے اور نہ حادثات و واقعات کا طومار۔ غرضیکہ بلند آہنگی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مگر لہجے کا دھیما پن اور حسنِ سادہ کی نمود، اپنی دل کشی رکھتے ہیں۔ اس ناول کو سیاسی اور سماجی مسائل سے بھی کوئی ایسا تعلق نہیں ہے تاہم اس میں وہ زندگی ملتی ہے جسے یقیناً "سچی" کہا جا سکتا ہے جس میں خیال آرائی کے طلسم کے بجائے حقیقت کی آئینہ داری ہے۔ زبان، اتنی آسان ہے ایک معمولی اردو داں بھی بخوبی لطف اٹھا سکتا ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

مجبوری کا دوسرا نام کیا ہے؟

مصنف۔ مانک جی شاہانی
صفحات: ۱۱۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: دو روپے ناشر: سنسار پبلشنگ ہاؤس، موتی شاہ جین روڈ۔ بمبئی ۲۷

[illegible] تو کچھ اور تو ہو نہیں سکتا۔

دل کی دھڑکن پر موت و زیست کا دار و مدار ہوتا ہے لیکن دماغ اُسے جینے کے طریقے بتاتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ اُسے جانوروں کے زمرے سے الگ کر کے آدمی بناتا ہے۔ اگر دماغ نہ ہو تو آدمی اور... سب برابر۔

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ دماغ ملنے کے بعد وہ آدمی بن گیا لیکن اُسے کیسا دماغ ملا؟ اور وہ کیسا آدمی بنا؟ یہی سب تو دیکھنے کی بات ہے۔

ہندوستان کا دماغ 'بمبئی' ایک نہیں ہزاروں لاکھوں دماغوں کا مجموعہ ہے۔ اور وہاں کا ہر دماغ کچھ اس طرح نئے انداز سے سوچتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔ بڑوں کی تو بڑی باتیں لیکن وہاں کا چھوٹا بھی کبھی کبھی ایسی دور کی کوڑی لاتا ہے کہ بڑوں بڑوں کا دماغ چل جائے۔

مانک جی شاہانی نے اپنی کتاب "مجبوری کا دوسرا نام کیا ہے" میں بمبئی کے مشہور "ڈاکٹر" ناجائز شراب کشید کرنے والے "طوائف" "فلم ایکٹریس" اور "بمبئی کے ٹھگوں" کے ایسے ہی اعلیٰ دماغوں کے کارناموں سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے جنھیں پڑھ کر ہی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اگر خدا نہ کرے ان سے سابقہ ہی پڑ جائے تو نہ جانے کیا ہو جائے۔

شاہانی صاحب کی یہ طنزیہ کہانیاں جو سب کی سب صیغہ متکلم کے ذریعے بیان کی گئی ہیں، سماج کے گھناؤنے سیاہ کارناموں اور مجرمانہ حرکتوں کی سچی داستانیں ہیں، جن پر مختلف انداز اور مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک آزمانے کے قائل ہیں، اور ہلکا سا اشارہ کر کے اُسے سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع دینا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ یوں تو ان کا انداز بیان تلخ بھی ہے اور طنز سے بھرپور بھی لیکن کسی بھی حالت میں وہ سطحی نہیں ہے۔ اس لیے ان کی یہ طنزیہ کہانیاں اوروں سے یقیناً مختلف کہی جا سکتی ہیں جن میں ندرت بھی ہے اور سچائی بھی۔

خواجہ احمد عباس صاحب نے اپنے تعارف میں ٹھیک ہی فرمایا ہے کہ:

"....ان کو پڑھ کر عام پڑھنے والوں کو تو مزا آئے گا ہی لیکن بمبئی والوں کو اس آئینے میں اپنے شہر کے اور اپنے خد و خال کا مضحکہ خیز اور عبرت انگیز عکس نظر آئے گا۔"

ریحان احمد عباسی

ادب اور جدید ذہن

از: دیویندر اسر
صفحات: ۲۱۰ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت: چار روپے پچاس پیسے
سنہ اشاعت: ۱۹۶۸ء
ناشر: مکتبہ شاہراہ، دہلی ۶

جدید استدلالی ذہن کے بے شمار مسئلے ہیں۔ وہ ذراسی بات کو شدت سے محسوس کرتا اور بڑھا چڑھا کر پیش کر دیتا ہے۔ وہ انفرادیت کا شیدائی اور فرد کے اختیارِ کلّی کا علمبردار ہے۔ وہ ایک ردِ عمل ہے اور ایک دوسرے ردِ عمل کا پیش خیمہ بھی۔

"ادب اور جدید ذہن" میں بیٹس اور اینگری ینگ مین کی سرگرانی ہے، سارتر کی وجودیت اینٹی ہیرو، اینٹی تھیٹر کے تصورات، جوزف ہیلر اور آر ڈیل کے ناولوں اور تمثیلی قصوں کا تذکرہ ہے۔ ساتھ ہی وجودیت پر وکسن کی سخت نکتہ چینی کا عملی روپ "بی آنڈ دی آوٹ سائڈر" کا بیان بھی ہے۔ فرد کو جس تحفظِ ذاتی کا خیال ہو چلا ہے اس کے مختلف مظاہر ہیں۔ نطشے کے اقوال بھی اور آلڈس ہکسلے کے جوابی ارشادات بھی اور ان کے ہمہ گیر اثرات بھی جن کا سلسلہ دراز ہوتے ہوتے اردو ادب تک آپہونچا ہے۔ منٹو کے افسانے اور قرۃ العین کے "آگ کے دریا" سے مثالیں دی گئی ہیں جو درست نہیں۔ جدید ذہن کے سچے ترجمان اردو کی نئی شاعری اور جدید افسانے ہیں انھیں سے چند در چند اقتباسات دینے تھے۔

فرائڈ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی نسلیں مر کھپ چکیں۔ آج فرائڈ کی آواز خود اس کے حلقوں میں صدا برخاست ہے۔ جدید ذہن کی سیماب وشی اور تلوّن مزاجی نے مارکس، ژونگ اور ایڈلر کو منزلوں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ مفکروں کے درمیان اقدارِ حیات کی زبردست کشمکش ہے۔ کوئی معیاً اقدار نہیں۔ اس لیے کہ اوپر کسی بالادست ہستی کا تصور نہیں۔ سارتر نے جھنجلا کر کہا تھا "کوئی خدا نہیں، کوئی ازلی گناہ نہیں....." ہکسلے اپنے ایک کردار سانڈ جان سے کہلواتا ہے" میں خدا چاہتا ہوں... میں ثواب چاہتا ہوں، میں گناہ چاہتا ہوں"۔

غرض دیویندر اسر کی یہ چھوٹی سی کتاب، جو ایک ہلکا سا جائزہ ہے کوئی بھرپور تنقید نہیں۔ جدید ذہن کی مختلف پیچیدگیوں کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے۔ نظریات کی گوناگونی نے خود مصنف کے سکون کو ہلا کے رکھ دیا ہے اور نہ جانے کتنے دلِ درد آشنا گھل کے اپنی شخصیت کا حسن

کھو بیٹھے ہیں۔

الفاظ کا بے محل استعمال اور کلام کی بے ربطی بُری طرح کھٹکتی ہے۔ اس پہلو پر بھی نگاہ رہتی تو کتاب کی اثر آفرینی میں اضافہ ہوتا۔ اس خامی کے باوجود زیرِ نظر کتاب اپنے موضوع و مواد کے لحاظ سے اردو زبان میں ایک قابل قدر اضافہ ضرور ہے۔

امیر اللہ خاں شاہین
ریسرچ اسکالر دلی یونی ورسٹی دلی

ادبی و تہذیبی خبریں

نیپال میں اُردو اب نیپال نے بھی اردو کو نصاب میں شامل کر لیا ہے۔ میٹرکولیشن کے نصاب میں اردو کی جو کتاب منظور ہوئی ہے اس کا نام "انتخاب نثر و بوستان نظم" ہے جس کے مولف ایس۔ ایس صالح ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان میں ہی شائع ہوئی ہے۔

برطانیہ میں اردو اور ہندی پوسٹر برمنگھم، مختلف تفریحوں اور تماشوں کا اہتمام کرنے والی ایک جماعت نے ہندوستانی اور پاکستانی باشندوں کو متوجہ کرنے کے لیے اب اردو۔ ہندی اور بنگالی زبانوں میں بھی پوسٹر چھاپنا شروع کر دیے ہیں تاکہ ہندوستانی اور پاکستانی باشندوں کو ان میں دل چسپی پیدا ہو اور وہ ان میں شرکت کے لیے کسی قسم کی جھجک نہ محسوس کریں۔

اُردو کتابوں پر انعام ـــ میر اوارڈ آل انڈیا میر اکاڈمی نے ۱۹۶۶ء کی حسب ذیل مطبوعات پر میر اوارڈ دیا ہے

محمد ابرار حسین فاروقی گوپاموی کی کتاب "ماثرِ دلاوری" پر ساڑھے سات سو روپے

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کی کتاب "دبستانِ دبیر" پر پانچ سو روپے

ڈاکٹر محمد اسلام کی کتاب جگر مرادآبادی "حیات اور شاعری" پر پانچ سو روپے

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی پرنسپل اورینٹل کالج بمبئی کی کتاب "ببلوگرافیا اردو ڈراما" جلد اول پر خصوصی انعام ڈھائی سو روپے۔

۱۹۶۷ء کی بہترین علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی اردو کتب اور شعری مطبوعات پر میر اوارڈ ساڑھے بارہ سو روپے پیش کیا جائے گا۔ ہر کتاب کی پانچ جلدیں ۱۵ را کتوبر ۱۹۶۸ء تک جنرل سکریٹری آل انڈیا میر اکاڈمی، لاری ہاؤس، لکھنؤ کے پتے پر پہنچ جانی چاہئیں۔

اکاڈمی کی طرف سے ۶۷-۱۹۶۶ء کے لیے تین سو ساٹھ روپے کے چھ ادبی وظیفے

بھی جاری کیے گئے ہیں جو تصدق حسین ایڈوکیٹ لکھنؤ، کاشی رام چاولا لدھیانہ، ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ کلکتہ، شمیم کرہانی دہلی، جرم محمد آبادی کلکتہ، نذیر بنارسی وارانسی کو دیے گئے ہیں۔ ۶۹-۱۹۶۸ء کے لیے ایسے شاعروں اور ادیبوں کے نام بھیجے جا سکتے ہیں جنھوں نے اردو کی خدمت کی ہے اور جن کے قلم نے قومی یک جہتی کو تقویت پہنچائی ہے۔

آل انڈیا میر اکاڈمی، لکھنؤ — سکریٹری

۱۵ر جولائی ۱۹۶۸ء — نشر و اشاعت

اردو کے تعلق سے آندھرا پردیش میں ناانصافی کی جا رہی ہے

حیدرآباد۔ ریاستی چیف منسٹر کاسو برہمانند ریڈی سے اسمبلی چیمبر میں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے ڈاکٹر راج بہادر گوڑ سابق رکن پارلیمان نے ملاقات کر کے انھیں ایک یادداشت حوالے کی اور بتایا کہ اردو کے ساتھ آندھرا پردیش میں ناانصافی کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے چیف منسٹر پر زور دیا کہ وائس چانسلرز اور چیف منسٹر کی کانفرنس میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی اس پر عمل کیا جائے۔

عثمانیہ یونی ورسٹی نے ان فیصلوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے یہ بھی بتایا کہ ریاست میں اردو کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی اور اردو کو قانونی موقف دینے اور یونی ورسٹی سطح پر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سلسلہ میں ایک نمایندہ وفد عنقریب منسٹر سے ملاقات کر کے انھیں صورت حال سے واقف کرائے گا۔ (سیاست)

ہندی کی ٹیلیفون ڈائرکٹریاں بیکار پڑی ہیں

لکھنؤ۔ ٹیلیفون کی ہندی ڈائرکٹریاں عوام میں زیادہ قبول نہیں ہوئی ہیں۔ پوسٹ ماسٹر جنرل نے بتایا کہ گزشتہ سال آٹھ ہزار ہندی کی کاپیاں چھاپی گئی تھیں۔ لیکن ان کی بہت کم مانگ ہوئی۔ ٹیلیفون ڈائرکٹریاں چھاپنے میں جو ہندی اور انگریزی میں سال میں دو مرتبہ چھاپی جاتی ہیں، ۹۰ ہزار روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے اگرچہ اشتہارات بھی کافی ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود نقصان ہوتا ہے مگر چونکہ ڈائرکٹریاں تجارتی اصول پر نہیں چھاپی جاتیں اس لیے اس نقصان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

امسال بارہ ہزار ہندی کی ڈائرکٹریاں چھاپی گئی ہیں۔ اس میں حکومت اتر پردیش نے مختلف محکموں کے واسطے چار ہزار کاپیاں لی ہیں۔

بینائی بحال کرنے کا نیا طریقہ

آنکھوں سے متعلق تحقیقات کے ادارہ ماسکو نے قرنیہ (آنکھ کے ڈھیلے کا بیرونی پردہ) کے بجائے مصنوعی عدسے لگانے کے کئی تجربے کیے ہیں۔ سرجنوں کو ان چھوٹے عدسوں کی وضع اور سائز کا تعین کرنے کے لیے بڑے پیچیدہ حسابی سوال حل کرنے پڑتے ہیں۔ ایسے کئی آپریشن کیے گئے ہیں اور مریضوں کی بینائی بحال کی گئی ہے۔ ایسا پہلا آپریشن پروفیسر ایم۔ کراسنوف نے کیا ہے۔ (اے۔ پی۔ این)

ایکسرے کا نئی وضع کا آلہ

ماسکو کے انجینری اور طبعیات کے اداروں نے ایکسرے تصاویر حاصل کرنے کا ایک نیا آلہ تیار کیا ہے۔ اس نئے آلے میں لاشعوری (ایکسرے) ٹرانسفارمر کے اسپارک چیمبر میں سے گذرتی ہیں اور اس چیمبر کی گیس کے ذرات کو برقاتی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایکسرے کے عام آلات سے جیسی تصاویر حاصل ہوتی ہیں ان سے کہیں زیادہ بہتر تصاویر حاصل ہوتی ہیں۔

ریڈیالوجسٹ اس آلہ کو مختلف طریقوں سے چلا کر اپنے حسب خواہش جیسی تصاویر چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ آلہ اندھیرے میں ہی نہیں بلکہ نیم تاریک کمرہ میں بھی کام کر سکتا ہے۔ لیکن اس آلہ کا یہی ایک فایدہ نہیں ہے ایکسرے آلہ پر کام کرنے والے' روانٹبجن کے ۰.۵ ر کے مساوی اشعاعے ساڑھے چار گھنٹوں میں حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ آلہ اشعاع کو، ایک فی صد بھی گھٹا سکتا ہے۔ اس آلہ پر کام کرنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ (اے۔ پی۔ این)

امام بخاریؒ کا مزار

از: سی گالوف

سمرقند سے بیس کلومیٹر دور کشلک (ازبک گاؤں کشلک کہلاتے ہیں) اسمٰعیل بخاری واقع ہے۔ اپنے ظاہری خدوخال میں یہ دوسرے ازبک دیہاتوں سے قطعاً مختلف نہیں۔ نئی سڑکوں کی سیدھی قطاریں ہیں جن کے کنارے آرام دہ مکانات ایستادہ ہیں۔ ہر جگہ بجلی کی روشنی، پانی کے پائپ، کلب، چائے خانے اور سینما گھر نظر آتے ہیں۔

لیکن کشادک اسمٰعیل بخاری کی شہرت ساری دُنیا کے مسلمانوں میں دور دور تک پھیلی
ئی ہے۔ یہاں عظیم محدّث امام اسمٰعیل بخاری نے رحلت فرمائی تھی۔ یہیں ان کا روضہ
ہے۔ اور ایک بڑی مسجد ہے۔ وسطِ ایشیا کی تمام جمہوریتوں سے زائرین کی کثیر تعداد اس
ہم اسلامی مفکر کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے یہاں آتی ہے۔ غیر ممالک سے
لمان علمائے دین کے نمائندے بھی یہاں آچکے ہیں۔ شمالی لبنان کے مفتی، اور شام،
ستان، مراکش، ہندوستان، تیونس، ٹوگو، مالی اور دوسرے ممالک سے مسلمانوں کے
ر یہاں آچکے ہیں۔

عظیم محدّث امام اسمٰعیل بخاری نے صدیوں پہلے رحلت فرمائی تھی اور وقت نے ان
ے روضے پر اپنے تباہ کن اثرات مرتب کیے۔ ۱۹۶۲ء میں وسطِ ایشیا اور قزاخستان
ے مذہبی بورڈ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس روضے کی مرمت کی جائے۔ اس وقت مرمت کا کام مکمل
چکا تھا اور ہم نے اس روضے کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔

یہ روضہ کئی عمارتوں پر مشتمل ہے جو اینٹوں سے بنی ہوئی ایک قوی الجثہ دیوار کے عقب
ں ایستادہ ہیں۔ چنار کے چھ سایہ دار درختوں نے اس کشادہ ایوان پر سایہ کر رکھا ہے،
اں معتقدین آرام کرتے ہیں۔ چاروں طرف پھولوں اور پھلوں کے درخت ہیں اور انگور
بیلیں۔ مسجد "خانقاہ" ہے۔

اس کے عقب میں ایک سفید دیوار ہے۔ شیخ عباد اللہ مقسوم بابا یا روف چھوٹا
روازہ کھول کر ہمیں صحن میں لے گئے جس کا فرش سیمنٹ سے بنایا گیا ہے۔ یہاں کی
ر چیز انتہائی سادہ اور تقریباً زاہدانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ صحن میں نہ تو پھول ہیں اور
ہی درخت۔

صحن کے وسط میں روضے کی عمارت ہے۔ مقبرہ نیچے سے اوپر تک سنگِ مرمر
ے بنایا گیا ہے۔ ایک لوح پر جسے منارے کی شکل میں تراشا گیا ہے۔ ایک عبارت کندہ ہے
ا اسمٰعیل بخاری کے اہم واقعات اور اسلام کی عظمت میں اضافے کے لیے ان کی سرگرمیوں
ے متعلق معلومات فراہم کرتی ہے۔

زائرین زیارت خانے میں ایک دل کش جالی سے گذر کر داخل ہوتے ہیں جہاں
ا رسومِ عبادت انجام دینے سے پہلے آفتاب کی روشنی میں نہائے ہوئے روضے کو

دیکھتے ہیں۔ عبادت کرنے کے بعد مہمان ایوان میں داخل ہوتے ہیں جہاں روایتی ازبک اشیائے خورد و نوش چُنی ہوتی ہیں۔ کشتیوں میں انگور، میٹھی خوشبو والے خربوزے، شفتالو، چپٹے ازبک کیک اور مٹھائیاں رکھی ہوتی ہیں۔ انھیں چائے کے پیالے پیش کیے جاتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ہی سنجیدہ و متین گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ روضے کے شیخ جناب عباداللہ مقسوم اس عظیم محدث کے حالات زندگی بیان کرتے ہیں جن کا نام ساری اسلامی دنیا میں روشن ہے۔ شیخ کہتے ہیں:

"ان دنوں میں جب کہ اسمٰعیل بخاری مدرسے کے ایک طالب علم تھے انھیں اپنے علم کے باعث اور حدیث کے مطالعے میں دل چسپی کے باعث امتیازی مقام حاصل تھا۔ اس سلسلے میں ان کے والد ابوحسن اسمٰعیل کا بڑا حصہ ہے جو بخارا کے ایک ممتاز مدرس تھے۔ جب اسمٰعیل بخاری سولہ سال کے تھے تو انھوں نے حدیث پر وہ تمام کتابیں پڑھ لی تھیں، جو بخارا کے مصنفوں نے لکھی تھیں۔ لیکن ان کتابوں سے ان کی تسلی نہ ہوئی اور اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لیے انھوں نے اس دور کے اسلامی ثقافت کے اہم مراکز کا سفر کیا۔ وہ بغداد، بصرہ، کوفہ، دمشق، قاہرہ، مکہ، مدینہ اور دوسرے مقامات کو گئے۔ جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے کہ اس وقت انھوں نے ایک ہزار محدثوں سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی عقل و دانش اور علم کا چرچا بہت سے اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے سب سے اہم اور قابلِ قدر کتاب "صحیح بخاری" ہے۔ اس کتاب کو تمام اسلامی تعلیمی اداروں میں حدیث کی اہم نصابی کتاب قرار دیا گیا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ بخارا میں رہتے تھے اور حدیث کی تعلیم دیتے تھے؛ مقامی ملاؤں کی سازش کے زیر اثر ملک کے حکمراں نے انھیں مجبور کیا کہ وہ بخارا چھوڑ دیں۔ اس پر محمد اسمٰعیل سمرقند چلے گئے۔ لیکن راستے میں وہ بیمار ہو گئے۔ ۳۰ رمضان ۲۵۶ھ کو انھوں نے ہرتانگ کے گاؤں میں وفات پائی۔"

سوویت ازبکستان کے مسلمان اس عظیم اسلامی مفکر کے مقبرے کی بڑی محنت کے ساتھ دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہرتانگ کا نام بدل کر اسمٰعیل بخاری رکھا گیا۔ اس روضے کی مسجد میں ہمیشہ لوگوں کا انبوہِ کثیر نظر آتا ہے۔ اس مفکر کی کتابیں مذہبی بورڈ کی زیرِ حفاظت ہیں۔ کتابیں بخارا کے مدرسہ "میرعرب" میں نصابی کتابوں کے طور پر پڑھائی جاتی ہیں جہاں اسلام کے مستقبل کے علما کو تربیت دی جاتی ہے۔

تازہ ہندوستانی مطبوعات

ادبی	نقد ذاکر	مرتبہ مجلس نقد ذاکر	۳۰/۰
"	مباحث	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/۰
"	منشورات	برجموہن دتاتریہ کیفی	۷/۰
"	ایران صدیوں کے آئینے میں	ڈاکٹر امیر شاہ علی عشرت	۱۳/۰
"	ریت کے پھول	آدم نصرت	۲/۵۰
شعری	نہرو نامہ	ساغر نظامی	۱۴/۰
"	غزال	کرشن موہن	۷/۰
شعری	دیوان شاکر ناجی	مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق	۷/۰
"	دستِ گل کامل تین حصے		۳/۰
ناول	صہبا	نکہت عمر	۳/۰
"	حُسن افزا	فاطمہ انیس	۴/۰
"	کٹھ پتلی	عارف ارہروی	۶/۰
"	محبت نام ہے غم کا	عفت موہانی	۵/۵۰
"	خزاں کے بعد	زبیدہ خاتون صدیقی	۵/۵۰
ادبی	داستانے چند	راز چاندپوری	۲/۰

پاکستانی مطبوعات

انسان کامل	سید عبدالکریم	۱۲/۰
امام مالکؒ	محمد ابو زہرہ	۱۵/۰
اصولِ فقہ اسلام	سر عبدالرحیم	۱۰/۰
اسلام کا نظریۂ جنگ	مولانا ابوالکلام آزاد	۲/۲۵
انگلش اردو ڈکشنری	فیروز سنز	۳۴/۰
اردو کی عشقیہ شاعری	فراق گورکھپوری	۲/۲۵
اردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۳/۵۰
ادب و آگہی	مجتبیٰ حسین	۸/۰
ارضی دیوتا	خلیل جبران	۲/۰
برگِ خزاں	عبدالعزیز خالد	۶/۵۰
برق و مشتِ خس	پروفیسر حمید عسکری	۱۲/۰
بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۶/۵۰
تفسیر حقانی کامل ۸ حصے	مولانا حقانی	۵۵/۰
تنقیدی نقوش	ڈاکٹر سید عبدالقیوم	۴/۰
تاریخ عہد بنی امیہ	ابوالحسن علی بن الحسین	۶/۷۵
تاریخ اندلس	عبدالقوی ضیاء	۱۴/۵۰
تاریخ ابن خلدون کامل	حکیم احمد حسین عثمانی	۹۲/۹
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲/۰
تین شاعر	ڈاکٹر زور	۴/۵۰
تخلیق کائنات	ابن حنیف	۶/۵۰
ثانوی مدارس میں دستکاریوں کی تعلیم	یونیسکو	۳/۵۰
چہرے	شورش کاشمیری	۵/۵۰
چند علمائے جراثیم	ڈاکٹر پال ڈی کرائف	۱۲/۰
حیات امام احمد حنبلؒ	محمد ابو زہرہ	۱۲/۰
حیات امام ابن قیمؒ	عبدالعظیم	۱۵/۰
حیات امام ابن حزمؒ	محمد ابو زہرہ	۳/۰
حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی	مناظر احسن گیلانی	۱۵/۰
حضرت ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ	ڈاکٹر طٰہٰ حسین	۷/۵۰
حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ	"	۱۸/۰
حضرت ابوذر غفاریؓ	مناظر احسن گیلانی	۵/۰
حیات مجددؒ	بدرالدین شیخ احمد	۶/۵۰
حیات حافظ رحمت خاں	سید الطاف علی بریلوی	۱۲/۰

مکتبہ جامعہ کی شائع کردہ ہندی کتابیں

سبق آموز کہانیاں، ڈرامے

بونے کی کھیتی	حامد علی خاں	-/۱
پرم پیا	حبیب تنویر	-/۶۲
ٹیپو سلطان	"	-/۵۰
چاندی کا چمچہ	"	-/۲۵
چمپا کا لال	حامد علی خاں	-/۲۵
چور لڑکا	عبد الغفار مدھولی	-/۵۰
سائنس کے پھول	عبد الواسع عصری	-/۵۰
کیمپ فائر کی نقلیں (اول)	عبد الغفار مدھولی	-/۸۷
" (دوم)	" "	-/۷۵
گلستاں کی کہانیاں	(مرتبہ) محمد حفیظ الدین	-/۵۰
مولانا روم "	"	-/۵۰
موسموں کا کھیل	مرزا فرحت اللہ بیگ	-/۶۲

معلومات

ایورسٹ کی کہانی	پروفیسر آل احمد سرور	-/۵۰
امریکہ		-/۵۰
اپنا گھر		-/۵۰
بجلی کی کہانی	علی احمد خاں	-/۵۰
چیونٹی	بیگم قدسیہ زیدی	-/۶۲
دلی		-/۵۰
سمندر کے کنارے	آصف فیضی	۱/۲۵
گاندھی بابا	بیگم قدسیہ زیدی	-/۲
مدھو مکھی	"	-/۶۲
منورنجن اور کام		-/۵۰
ہمارا راج	مدن موہن گپت	-/۶۲

نظمیں۔ پہیلیاں

ڈھول بھرے ہیرے	اشوک بی اے	-/۳۴
منورنجک پہیلیاں	سید نواب علی رضوی	-/۷۵

مذہب

(ان کتابوں کا صرف رسم الخط ہندی ہے۔ لیکن زبان آسان اُردو استعمال کی گئی ہے۔)

حضرت محمدؐ	الیاس احمد مجیبی	-/۶۰
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی رضوی	-/۳۴

طریقۂ تعلیم

جامعہ ودھی	عبد الغفار مدھولی	۲/۷۵
کھیل دوارا شکشا اوّل، دوم	" "	۳/۰
ہندی کا پڑھانے کا چکر ڈھنگ	" "	۱/۷۵

REGD No. D 58 AUGUST 1968

KITAB NUMA

JAMIA NAGAR, NEW DELHI 25

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کیلئے جامعہ نگر دہلی سے شائع کیا

ماہنامہ

کتاب

ستمبر ۱۹۶۸ء

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی ۲۵

مینیجنگ ایڈیٹر
غلام ربانی تاباںؔ
مدیر مسئول:
مجیب احمد خاں

ستمبر ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۹
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ بیس پیسے

اشاریہ

دہلی، اترپردیش، بہار اور آندھرا پردیش میں اردو کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ مہاراشٹر کی ریاست اُردو کے معاملے میں بڑی فراخ دل واقع ہوئی ہے۔ یہاں سرکاری، نیم سرکاری اور غیر سرکاری اُردو اسکول کی تعداد کسی ایک ریاست کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہاں بھی اس کے قتل کے سامان ہونے لگے ہیں۔

ہمارے اس خدشہ کی بنیاد معاصر ہندوستان بمبئی کے ۲۰ اگست ۱۹۶۸ء کے شمارے سے ہوتی ہے جس میں وضاحت کے ساتھ ایسے خدشات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جی نہیں چاہتا کہ اس خبر کو من و عن درست سمجھ لیا جائے کہ انجمن اسلام بمبئی جیسا وسیع ادارہ اپنے بیسیوں اسکولوں سے اُردو کو خارج کر دے گا۔ خدا کرے کہ یہ ہوائی کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ثابت ہو۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ صحیح ہے کہ انجمن اسلام اپنے سکولوں میں اُردو کے بجائے مراٹھی کو ذریعہ تعلیم قرار دینے والی ہے تو یقیناً یہ بڑا المیہ ہوگا اور مہاراشٹر سے اُردو کا نام و نشان مٹا دینے کی ایک نامبارک سعی ہوگی۔ اس لیے کہ ثانوی جماعتوں میں اگر ذریعہ تعلیم اُردو نہ رہی تو پھر سرکاری اور نیم سرکاری اُردو کے ابتدائی مدارس کا وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

ہمیں یقین ہے کہ مہاراشٹر کے اُردو دوست حضرات ایک بار پھر میدان میں آئیں گے اور اب سے دس سال قبل کی "قاضی رپورٹ" کی طرح اس مبینہ تجویز

کو بھی عملی جامہ نہ پہنچنے دیں گے۔

اس شمارے میں انجمن ترقی اُردو کی زیر تعمیر عمارت "اُردو گھر" کے لیے چندہ کی اپیل شائع ہو رہی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ اپیل صدا بصحرا ثابت ہوگی اور اُردو گھر کے لیے اتنا سرمایہ فراہم ہو جائے گا کہ عمارت جلد سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے اور انجمن کا دفتر دہلی آ کر زیادہ مفید اور موثر طریقہ پر اُردو کی ترویج، اشاعت، ترقی اور بقا کے لیے کام کر سکے۔

تعارف

پریم چند کے خطوط

منشی پریم چند کی کتابِ زندگی کا ہر ورق اپنی جگہ صداقت کا آئینہ اور اخلاص و سادگی کا گنجینہ ہے انھوں نے ایک بہت معمولی مگر انتہائی بے لوث اور ایمان دار آدمی کی طرح اپنی زندگی شروع کی تھی، ناگزیر حالات، جدّوجہد اور طرح طرح کی دماغی الجھنوں اور جسمانی مشقتوں سے ان کو اکثر و بیشتر سابقہ رہا۔ خوشی کے عارضی لمحے میسّر آئے ہوں یا رنج و محن سے مقابلہ کرنا پڑا ہو ہر حال میں وہ اپنی روش پر قائم رہے اور اپنے فن سے وابستگی اور اس پر دسترس حاصل کرتے رہے اور اس کو بلند سے بلند تر بنانے میں نہ کہیں فروگزاشت کی اور نہ اس کی حرمت اور اقدار میں اپنے بس بھر کسی وقت کوئی فرق آنے دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج ان کے کردار، استقلال اور مسلسل ادبی کاوشوں کا ہر شخص معترف اور مدّاح ہے۔ ایثار، حب الوطنی، کنبہ پروری، اعزا نوازی اور مشقت و محنت کی جہاں ان کو کوئی جھلک بھی دکھائی دے گئی فوراً اس سے انھوں نے اپنے افسانے کا پلاٹ بنا لیا۔ یا ناول کا موضوع قرار دے دیا اور اس انداز سے اسے وہ اپنے قلم کی گرفت میں لے آئے کہ پڑھنے والے کو ان کی قلم کاری کی داد دینا پڑی اور جس کو انھوں نے ہیرو بنا کر پیش کیا اس کی ہیروشپ واقعی مسلّم ہو گئی۔

فن کو زندہ اور پائندہ بنا دینے میں فن کار کی سیرت اور شخصیت کا عکس بھی بڑی مدد کرتا ہے، کسی چیز کی تعلیم یا تبلیغ اُس وقت اور زیادہ موقّر اور موثّر ہو جاتی ہے اگر اُس کا پرچار کرنے والا بھی دل سے اس کا قائل اور خود اپنی زندگی اور اس کے مسائل و معاملات میں انھیں نظریات پر کاربند اور مشاغل افکار میں ان پر عامل رہا ہو۔ پریم چند کے قول اور عمل میں تضاد یا تصنع کہیں نظر نہیں آتا۔ سرِدست

ہم ان کے فن (جس کے وقیع اور قابلِ احترام ہونے میں شک نہیں) سے قطع نظر کر کے اُن کی سیرت اور زندگی کے بعض معمولات اور پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو وہ ہم کو واقعی ایک بہت مخلص اور بے ریا انسان نظر آتے ہیں۔ ان کی کہانیاں اور ناول، ان کے دوست احباب کے مشاہدے اور تجربے، ان کے نیازمندوں، معاصروں، مداحوں اور ناقدوں میں سے کوئی ایسا نہیں ملے گا جو کہہ سکے کہ انھوں نے کسی حالت میں بھی انسانی قدروں کا پاس اور لحاظ نہیں کیا، بیماری، بے کاری اور سخت سے سخت مالی مشکلوں کے باوجود انھوں نے اپنے نظریات میں تبدیلی گوارا نہیں کی۔ وہ قلم کے سپاہی اور قلم کے مزدور زندگی بھر رہے مگر قلم کی بے حرمتی یا اُس کے تاجرانہ اور خام کارانہ استعمال کی کہیں کوئی مثال نہ مل سکے گی۔ اور ان باتوں کا سب سے زیادہ معتبر اور نہایت واضح ثبوت ہیں ان کے یہ نجی اور کاروباری طویل اور مختصر خطوط جو پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں مرتب ہو کر سامنے آئے ہیں۔ پریم چند کو سمجھنے سمجھانے کے سلسلے میں ان میں سے بہت سے خطوط سے ان کے سیرت نگاروں اور قدرشناسوں نے کام لیا ہے۔ پھر بھی ان کی سیرت اور شخصیت کے بعض رُخ ایسے بھی ہیں جو اس سے پہلے عام نظروں سے اوجھل تھے اور اب وہ اپنی اصلی صورت میں ہمارے سامنے آگئے ہیں۔ ان سے عصرِ حاضر اور مستقبل کے معترف اور قدرشناس دونوں بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور پا سکتے ہیں۔ یہ بیش قیمت اور ہر زمانے کی لیے قابلِ قدر سرمایہ ہرگز اس انداز سے فراہم اور یک جا نہ ہوتا اگر مدن گوپال صاحب کی غیر معمولی سعی و کاوش اس میں شامل اور کارفرما نہ ہوتی۔ یہ ایک ایسے شخص کا مزید کارنامہ ہے جس نے اب سے پہلے بھی متعدد موقعوں اور حیثیتوں سے پریم چند کو مقبول اور متعارف کرانے کی بڑی قابلِ قدر اور لائقِ تحسین کوشش کی ہیں۔ انھوں نے پریم چند کی سیرت و کردار سے آگاہی حاصل کرنے کا وہ سب سے بڑا اور مستند ترین وسیلہ اور سرمایہ فراہم کر دیا ہے جس کے بعد پھر کسی دوسرے وسیلے اور سراغ اور ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ان خطوط کی فراہمی کے بارے میں مرتب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اس کی پریم چند کے ساتھ عقیدت اور اُن کے قلم سے ہر نکلی ہوئی چیز کو محفوظ کر دینے کی لگن کا اندازہ تو ہوتا ہی ہے اس کے علاوہ جن مشکلوں پر انھوں نے قابو پایا ہے اور جیسے جیسے ہمت شکن

موقعوں پر انھوں نے اپنے ارادے میں تزلزل نہیں پیدا ہونے دیا اس کی اجمالی داستان بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک فردِ واحد کی اتنی دماغی الجھنیں، جسمانی محنت اور متواتر مالی مصارف گوارا کرتے رہنا کوئی معمولی بات ہے اور نہ آسان۔ ماننا پڑتا ہے کہ کسی کام کے پیچھے جب تک آدمی اسی طرح تن من دھن سے نہ لگ جائے وہ کام خاطر خواہ حد تک نہ تو پورا ہوتا ہے اور نہ اسے کوئی فوقیت یا اہمیت دی جاتی ہے۔

خطوں کی فراہمی اور ترتیب کے ساتھ اسی ضمن میں پریم چند کی مختصر اور جامع سوانح حیات سے بھی پڑھنے والا آگاہ اور آشنا ہو جاتا ہے۔

اس مجموعے میں پریم چند کے، ۲۴۳ خطوط ہیں جو ۳۰ر جنوری ۱۹۰۵ء سے شروع ہوتے ہیں اور ۱۳ر ستمبر ۱۹۳۶ء کو ختم ہو جاتے ہیں۔ بیشتر خطوط منشی دیانرائن نگم اڈیٹر رسالۂ زمانہ، کانپور اور سید امتیاز علی تاج کے نام اردو میں ہیں، ان کے علاوہ بہت سے خط محترمہ شورانی دیوی، بنارسی داس چترویدی، جنیندر کمار اور اسی طرح کے متعلق اور غیر متعلق لوگوں کے نام نجی تعلق یا کاروباری غرض سے ہندی (رسم خط کو اردو میں بدل کر) میں، تھوڑے سے خط انگریزی کے بھی ہیں مگر اردو ترجمے کے ساتھ۔ غرض مرتّب کو جہاں جہاں سے جو خط بھی ملا اُس کو انھوں نے تاریخی ترتیب سے درج کر دیا ہے۔ پریم چند کی زندگی کے یہ تیس اکتیس سال بہت سی حیثیتوں سے پڑھنے اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کے قابل ہیں۔

ان خطوں میں ادب و انشا کے رموز اور رنگینیاں نہ تلاش کرنا چاہیے۔ ان میں نہ انشا پردازی کے نمونے ملیں گے اور نہ کسی مخصوص طرزِ نگارش یا اسلوب مکتوب نویسی کی نشان دہی۔ یہ ایک سیدھے سادے کہانی کار اور ناول نگار کے وہ خیالات و افکار ہیں جن کو وہ بغیر کسی اہتمام کے وقتاً فوقتاً اظہار کرتا رہا ہے، اس میں اُس کا خلوص، بے ساختگی، تعلقِ خاطر، کہیں دلی جذبات اور کبھی ضرورت کے تحت کچھ عرض معروض (جس میں خود تسکینی اور خود غرضی کا کوئی شائبہ نہیں) کبھی بے تکلفی کی باتیں تو کبھی اپنے عزائم اور منصوبوں کا تذکرہ ۔ غرض اپنی داستانِ حیات کا ہر ضروری جزو، پریم چند اپنے ان سیدھے سادے اردو، ہندی اور انگریزی کے خطوط میں قلم بند کر گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی بیوی یا بعض قریب کے لوگوں کو ہندی میں جو

خطوط لکھے ہیں کاش ان کی سادگی اور عام فہمی آل انڈیا ریڈیو اور دوسرے ہندی نوازوں کو کچھ متوجہ اور متاثر کر سکتی۔

بہر حال ہر بڑے ادیب اور قابلِ لحاظ آدمی کی طرح پریم چند کے خطوط بھی شائع ہو گئے، اُن کو سمجھنے اور اُن کی قدر و عزت کرنے کا یہی ایک ذریعہ رہ گیا تھا وہ بھی بحسن وخوبی پورا ہو گیا۔ ان منتشر اور بہت سے ناقابلِ حصول خطوں کو مرتب اور فراہم کر کے مدن گوپال صاحب نے پریم چند کے اُردو اور ہندی دونوں قسم کے قدردانوں اور پریمیوں پر یکساں احسان کیا ہے۔

اس کی طباعت و اشاعت پر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کو اگر فخر ہو تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے صدر دفتر نیز تینوں شاخوں میں سے کہیں سے بھی یہ کتاب ۹/۵۰ میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

(بقیہ صث۱)

دل کی بات نہ سمجھ گئے ہوں۔ میں اور زیادہ ضد کرنے لگا ہوں۔ نہیں۔ اس بار آپ کا انکار نہیں چلے گا۔ ہر بار آپ ٹال جاتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ چلیے تو!"

مگر چچا نے سردی کا بہانہ کر کے انکار کر دیا ہے۔

اور میں دل ہی دل میں سوچتا ہوں چچا کا یہ ایک اور احسان ہے مجھ پر بچپن میں مجھے اپنے ہاتھوں سے کپڑے پہنائے ہیں۔ اور ہمیشہ میری پردہ پوشی کی ہے اور آج بھی انھوں نے مجھے عُریاں ہونے سے بچا لیا ہے — (بشکریہ شاعر بمبئی)

عمر انصاری

اُردو کی کہانی اُردو کی زبانی

عجب ہے زمانہ عجب زندگانی
بڑی روح فرسا ہے میری کہانی

کروروں میں کہنے کو دلدار میرے
مگر وقت کے یار ہیں یار میرے

بڑے اِن کے دم خم بڑے حوصلے ہیں
اُٹھا کر مجھے بیچنے لے چلے ہیں

نگینے مِرے نام میں جڑ رہے ہیں
مِرے نام پر آج رن پڑ رہے ہیں

میں گزری ہوئی ایک ایسی صدی ہوں
وطن میں ہوں اپنے ہی اور اجنبی ہوں

دیا میں نے طوفاں میں جن کو سہارا
وہی کرتے جاتے ہیں مجھ سے کنارا

انھیں کی نگاہوں کے رخ دیکھتی ہوں
زباں بن کے جن کے دہن میں رہی ہوں

مقید مجھے کرنے والے چمن کے
پنہائیں تو خوشبو کی زنجیر پہلے

مِرے جام میں جامِ خسرو کی مے ہے
مِرا روپ میرا کے گیتوں کی لے ہے

میں بیٹی ہوں کس کی ہمالا سے پوچھو
بہن کس کی ہوں برج بھاشا سے پوچھو

مجھے لوگ کہتے ہیں کیا جانتی ہوں
میں خوب آپ اپنے کو پہچانتی ہوں

مجھے کیا بھلا دین و مذہب سے نسبت
مِرا کوئی مذہب نہیں جز محبت

زمانے میں ہے عام میرا اُجالا
یہ مسجد ہے میری، وہ میرا شوالا

روانی، یہ گنگا کو مجھ سے ملی ہے
مِرے ساتھ مل جل کے جمنا بہی ہے

کسی سے کہیں، میں گریزاں نہیں ہوں
زباں ہوں میں، کم ظرف انساں نہیں ہوں

چہیتی زباں ہوں میں شاہِ جہاں کی
ہوں بیٹی اسی ارضِ ہندوستاں کی

پلی ہوں میں کھیتوں کی ہریالیوں میں
میں جھولی ہوں جھولا انھیں ڈالیوں میں

ولی نے مجھے گودیوں میں کھلایا
کلی تھی میں اک پھول اس نے بنایا

نگاہوں میں ہیں میری گلیاں دکن کی
ابھی یاد ہیں رنگ رلیاں دکن کی

ہر اک سمت لے کر نئے خواب پہنچی
دکن سے چلی اور پنجاب پہنچی

چلی، اور اسی طرح چلتی گئی ہیں
یونہی پھولتی اور پھلتی گئی ہیں

ترانے مرے میر و غالب نے گائے چلی ایک دنیا مرے سائے سائے
چمن در چمن رنگ بھرتی گئی ہیں جہاں سایہ دیکھا وہیں سو رہی ہیں
نہ چین ارضِ دلی کا جب راس آیا مرا دل مجھے لکھنؤ لے کے آیا!
نگاہوں سے برسا ہوا رس تھی میں ہی بنارس کی صبحِ بنارس تھی میں ہی
خبر کس کو کیا شے بہ نامِ اودھ تھی سنواری ہوئی کس کی شامِ اودھ تھی
انیس اور ناسخ کی ممنوں ہوں میں نسیم اور چکبست کا خون ہوں میں
جگر اور آتش کو نہ خاطر میں لاؤ فراق اور ملّا ہیں کس کے بتاؤ
خبر کون لے آج مجھ بے خبر کی کبھی تھی میں تلوار شاہِ ظفر کی
سراج اور حیدر علی بن کے جی ہیں! رفاقت میں ٹیپو کے برسوں رہی ہیں
روہیلوں کی زرہوں کی جھنکار میں تھی وہ یوسف تھے میرے خریدار میں تھی
نہ سمجھے کوئی مجھ کو ہرجائی ہوں میں کہ اس دور کی لکشمی بائی ہوں میں
تمھیں یاد ہوگی ابھی وہ کہانی ستم کی تھی چاروں طرف حکمرانی
پڑا تھا بڑے ہی اندھیروں سے پالا مرے آنسوؤں نے کیا پھر اُجالا
ہر اک سمت لے کر پھری روشنی سی دیا بن کے دار و رسن پر جلی میں
لہو دے کے سینچے گلستاں ہزاروں کیے میں نے آباد زنداں ہزاروں
نظر میں ہیں چہرے گلابی گلابی! مرے سورما وہ، مرے انقلابی
اُدھم سنگھ کے بھگتوں کا کردار میں تھی نہتوں کے ہاتھوں کی تلوار میں تھی
کوئی کیا کرے گا کلام آکے مجھ سے صبا سیکھتی ہے خرام آکے مجھ سے
گھٹا میرے دم سے بنی زلف والی شفق میں کھلی میرے ہونٹوں کی لالی
لویں کتنی روشن ہوئیں میری لو سے عبارت ہوں میں ایک تہذیبِ نو سے
سحر میرا اترا ہوا پیرہن ہے جو شب ہے میری زندگی کی تھکن ہے
بتاؤں کسے اپنا نام و نشاں میں! چمن میں چمن کی بہار و خزاں میں
سند میری مانا، نہیں مانتے ہو جنید اور عثمان کو جانتے ہو
ہے پیارا یہاں کا مجھے "نارا نارا" کہ ہوں میں دھڑکتے دلوں کا سہارا
پریم اور الفت کا ماحول ہوں میں کہ گاندھی کا پیارا ہوا قول ہوں میں

(بشکریہ "پریمِ ہند" دہلی)

بادشاہ حسین

کھوکھلی آوازیں

میں شہر کی پُرشور سڑکوں اور گلیوں میں دیر تک بھٹکتے رہنے کے بعد محلّے کے گھٹیا، دھواں آلود چائے خانے میں آکر بیٹھ جاتا ہوں۔ لوگ کسی بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں یہ لوگ صبح سویرے سے لے کر رات میں دیر تک چائے خانے بند ہونے کے بعد بھی یہاں جمے رہتے ہیں، جیسے اُنھیں اس لنگڑی میز اور ٹوٹی ہوئی تپائی سے اُنس ہو گیا ہے۔ مہینے کے آخری دنوں میں عموماً ایسے ہی ہوٹلوں میں بھنبھناتی مکھیوں، فحش اور گھٹیا مذاق والوں کے بیچ تھوڑی دیر بیٹھ کر چائے پی لیتا ہوں۔ کیتلی دہکتی ہوئی آگ پر رکھی ہوئی ہے۔ پانی گرم ہونے میں دیر ہے اس لیے کچھ رُک کر انتظار کرتا ہوں۔ مجبوراً ان کی باتوں کو سُنتا ہوں۔ کیونکہ وہ بول رہے ہیں۔

چائے ختم کر کے وہاں سے اُٹھتا ہوں۔ اپنے کمرے میں آکر چارپائی پر پڑ جاتا ہوں ٹیبل کی میز سے کتاب اٹھا کر دیر تک الٹا پلٹتا ہوں۔ دل بڑا اُچاٹ اُچاٹ سا ہے۔ اُکتا کر کتاب بند کر دیتا ہوں۔ ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھ دیتا ہوں۔ لیمپ کی تیز روشنی میں چاروں طرف اجنبیت سے دیکھتا ہوں۔ کمرے میں جا بجا مکڑی نے جالے بُن ڈالے ہیں۔ فریم کی ہوئی میری پُرانی تصویر پر اتنی گرد جم گئی ہے کہ وہ بڑی دُھندلی نظر آ رہی ہے۔ اُتارے ہوئے کپڑوں کی گٹھری ایک کونے میں فرش پر بکھری پڑی ہے۔ ایک کونے میں پڑے ہوئے ٹین کے بکس پر ڈھیر سی گرد جم گئی ہے۔ جا بجا بکھرے ہوئے سامان کی طرف حسرت سے دیکھ کر اُداس ہو جاتا ہوں۔

سوچتا ہوں جلد سو جانا چاہیے۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ صبح پھر دفتر جانا ہوگا۔ ساتھ ہی خیال آتا ہے پرسوں سے آفس میں تین دن کی چھٹی ہے ـــــ وقت کیسے کٹے گا؟ یہ بھی ایک بہت بڑا سوال ہے۔ آفس میں رہو تو دل نہیں لگتا۔ بار بار نظریں دیوار پر لگی ہوئی

گھڑی کی جانب اُٹھ کر لوٹ آتی ہیں۔ وقت کیسے ختم ہو سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کروں ——
کہاں جاؤں —— ؟ اور اب اکٹھے تین دن کاٹنے تو اور مشکل ہوں گے —— گھر ہی
چلا جاؤں گا اور پھر یاد آیا ہے گھر گئے ہوئے کئی مہینے ہو گئے۔ اتنے نزدیک ہوتے ہوئے
مہینے میں کم از کم ایک بار تو جانا ہی چاہیے۔ سبھی لوگ میرے لیے پریشان ہوں گے عجیب
حالت ہو گئی ہے۔ ادھر گھر سے کئی خطوط آچکے ہیں مجھے بلانے کے لیے۔

ابھی حال کے آئے ہوئے ایک پوسٹ کارڈ کے حرفوں پر نظر دوڑاتا ہوں۔
ان خاموش لفظوں نے میرے اندر گہرائی میں اُتر کر ایک عجیب سی بے چینی اور ہلچل پیدا
کردی ہے —" چچا صاحب بہت بیمار ہیں" —— اور مجھے لگ رہا ہے کہ ایک افسردہ
سی ڈوبتی آواز پکار رہی ہے۔ درد سے بے چین دو آنکھیں پچکے سوکھے گالوں کے گڑھے
میں گہری دھنسی ہوئی میری طرف دیکھ رہی ہیں۔ میں حیرت میں ہوں کہ ان آنکھوں میں
آج بھی اپنے درد سے گزر کر دوسرے کو پناہ دینے کا جذبہ، صبر، بے قراری اور ضبط
ایک ساتھ مچل رہا ہے۔ میں کچھ گھبرا سا اٹھتا ہوں۔ ان آنکھوں کا سامنا کرنے کی تاب
مجھ میں نہیں ہے۔

حال سے بہت دور، بہت دور ماضی کی آغوش میں اپنے منہ کو چھپانے کی کوشش
کر رہا ہوں۔ ایک ساتھ بہت سی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں۔ اور آوازیں گونجتی ہیں۔
" دیکھنا یہ لڑکا ایک دن کلکٹر بنے گا۔ ہائی اسکول کے امتحان میں اس سال
اوّل آیا ہے"

اپنے اسکول میں سب سے زیادہ نمبر اسی کے ہیں" لڑکے کے چہرے پر مسرت جھلک
رہی ہے۔ لیکن اُس ادھیڑ آدمی کی دو پُر نور آنکھیں میں مسرت سے زیادہ کچھ اور بھی ہے
بہت کچھ۔ امید۔ پیار۔ جذبات اور حوصلوں کا اُمنڈتا ہوا طوفان ——

میں پیچھے ہی مڑتا جا رہا ہوں — ایک دوسری طویل طویل گزری ہوئی مدت
کی دھند سے نمایاں ہوتی ہے۔ ایک پانچ چھ سال کا لڑکا —— کندھوں پر سوار میلے
کی سیر کر رہا ہے۔ ہر طرف لوگوں کا ہجوم۔ شور و غل۔ طرح طرح کی سجی ہوئی دکانیں۔
بڑا مزا آ رہا ہے۔ لڑکا زمین پر اُتر کر پیدل میلے میں گھومنا چاہتا ہے " نہیں بیٹے! بہت
بھیڑ ہے، تم دب جاؤ گے۔ بولو کیا لوگے —— ؟ مٹھائی ؟

"نہیں۔ وہ جو موٹر ہے، اُسے!"
اور موٹر کا کھلونا بچے کے ہاتھ میں آگیا ہے.... اور اُس دن اس لڑکے کے لیے کلکٹر کا خواب دیکھنے والے اُس بزرگوار کے خوابوں کی دنیا میں ضرور ایک موٹر کی تصویر بھی اُبھری ہوگی جس پر اس کا لاڈلا سیر کر رہا ہوگا۔
کمرے میں ایک طرف دیوار کے سہارے کھڑی ٹوٹی سائیکل پر اچانک نظر پڑ جاتی ہے اور ایک پھیکی سی مسکراہٹ پتا نہیں کس چوٹ اور کسک میں ڈوب کر زندگی کو جھیلنے کا احساس تازہ کر جاتی ہے۔
زندگی میں یہ کتنی عجیب سی بات ہے کہ اکثر کچھ کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی جب کچھ نہ کر سکو تو خود اپنی مجبوری پر کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ میرا "میں" جو یہی کوشش کرتا ہے کہ سبھوں کا ہو کر رہے، اِس میں وہ اپنا بھی نہیں ہو پاتا۔
رات بھیگ چلی ہے۔ میں اب بھی آنکھیں بند کیے پڑا ہوں۔
ایک بے نام سی خلش، چبھن محسوس کرتا ہوں۔ ایسے میں لگتا ہے یہ اپنا وجود بھی بے کار سا ہے۔
اس طرح جینے سے فائدہ؟ —— کتنے حسین خواب دیکھے تھے اس زندگی میں۔ اور ان جلتے خوابوں کی تعبیر —— ؟ —— اپنی حالت ایک ایسے گھائل، طائرِ بے بال و پر کی طرح ہے جو بیچ راستے میں بیٹھا سہمی سہمی نظروں سے کبھی دور تک پھیلے ہوئے ٹیڑھے میڑھے راستے کو حسرت سے دیکھتا ہے اور پھر اپنے بچے کھچے پروں کی طرف دیکھ کر اُداس ہو جاتا ہے۔
جلتے ہوئے لیمپ کی روشنی مدھم ہوتی جا رہی ہے۔ کمرے کے باہر گھنا اندھیرا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہ کمرہ بھی اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔ مجھے اس وقت خیال آتا ہے یہ زندگی بھی ایک جلتی ہوئی موم بتی ہے۔ موم بتی کا کیا ہے وہ پگھلتی ہے، پگھلتی رہے گی اور پگھلتے پگھلتے ختم ہو جائے گی۔ اب اس سے اُجالا کتنی دور تک پھیلا۔ کتنا اندھیرا دور ہو سکا وہ کیا جانے؟ یہ پورا اندھیرا اکیلی ایک شمع جلے بھی تو دور نہیں کر سکتی۔
سبھی لوگ مجھے ہمیشہ بڑی رحم بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں —— اور بات بھی ایسی ہی ہے۔ سبھوں سے ہمیشہ میں کچھ نہ کچھ لیتا ہی رہا ہوں کسی سے محبت، کسی کی

دعائیں اور کسی کا پیار۔ اور پھر بھی ——؟

میرا "میں" بھی میرے حالات سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ الگ سوچتا ہے۔ اگر موجودہ حالات ایسے نہ ہوتے تو تعلیم چھوڑ کر مجھے نوکری نہ کرنی پڑتی۔ ابھی اور پڑھتا۔ اس سے کہیں اور چھی جگہ پر ہوتا۔ ساتھ ہی "چچا" اور اُن کی وہ تمام آرزوئیں بھی یاد آتی ہیں۔ دیر تک خیالوں کی رہ گزاروں میں دھول اُڑاتے اُڑاتے —— گھر جانے کا مکمل ارادہ کر کے سو جاتا ہوں۔

میں بس میں سوار ہوں۔ یوں تو تمام لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ مگر میرے ذہن کے لینز پر میرا گھر اُبھر آیا ہے۔ دو گھنٹے بعد اپنے قصبے کا اسٹاپ آتے ہی اُتر جاتا ہوں۔

رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ سردیوں کی یخ بستہ رات سامنے کھڑی ہانپ رہی ہے۔ پورے گاؤں پر موت کا سکوت طاری ہے۔ اپنے پہلے سے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق مجھے سیدھے چچا صاحب کے پاس جانا چاہیے مزاج پُرسی کے لیے۔ میں بیچ سڑک پر ہاتھ میں اٹیچی سنبھالے کھڑا ہوں۔ بس مجھے اکیلا چھوڑ کر آگے نکل گئی ہے۔ سڑک کی پوربی سمت میرا اپنا مکان ہے اور پچھم کی طرف تین فرلانگ کی دوری پر چچا صاحب کا —— کچھ دیر تک کھڑا ہو کر سوچتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں، چلو گھر چلیں۔ کھا پی کر کپڑے تبدیل کر کے چچا کو دیکھنے چلیں گے۔

گھر پہنچ کر میں نے سبھوں کو چونکا دیا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں ہر فرد میری آمد سے خوش ہے۔ جلدی جلدی سبھوں کو آداب کرتا ہوں۔ میرا چھوٹا بچہ جواب میرے قریب آکر مجھے دیکھ رہا ہے، اسے گود میں اٹھا لیتا ہوں۔ یہ سب کچھ آپ ہی آپ ہو گیا ہے۔ میری بیوی نے ایک کونے سے مسکرا کر اپنی خوشی کا پیغام مجھ تک پہنچا دیا ہے۔

برآمدے میں الاؤ جل رہا ہے۔ میں بھی آگ تاپ رہا ہوں۔ سبھی لوگ اپنی اپنی باتوں میں مشغول ہیں۔ میں اُن سبھوں کے بیچ ہوتے ہوئے بھی الگ سوچ رہا ہوں۔ رات زیادہ گزر گئی ہے۔ اگر اس وقت چچا صاحب کے یہاں جاتا ہوں تو وہ اُلٹے ہی خفا ہوں گے۔ اتنی رات گئے سردی میں آنے کی کیا ضرورت تھی، صبح آجاتے —— خود کو ٹٹولتا ہوں، لگتا ہے جیسے میں نے جان بوجھ کر خود سے اتنا وقت گزار دیا ہے۔ اور اب نہ جانے کے لیے بہانے تلاش کر رہا ہوں۔ اماں سے پوچھتا ہوں ——

چچا بیمار تھے ؟"
"ہاں بہت زیادہ"
"اب کیسے ہیں ؟"
"اب تو اللہ کا شکر ہے۔ قریب قریب اچھے ہو گئے ہیں۔ کمزوری بہت زیادہ ہے۔"

میں سوچتا ہوں اچھا ٹھیک ہے۔ صبح سویرے اُٹھ کر چلا جاؤں گا۔
اماں نے چھوٹے بھائی کی شادی کی بات چھیڑ دی ہے۔ میں فوراً کہہ اٹھتا ہوں۔
"ابھی جلدی کیا ہے ——؟ اس کی عمر ہی کتنی ہے —— ؟ (حالانکہ ۲۱ سال کا ہو گیا ہے)
میرا بھائی چولہے کے پاس بیٹھا ہوا کچھ کھا رہا ہے۔ میری طرف دیکھتا ہے۔ پھر کھانے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ میری بات میں ابا نے بھی "ہاں" ملا دی ہے۔ شاید وہ بھی میری ہی طرح سوچ رہے ہیں۔ اگر شادی کر دی گئی تو وہ اپنی پوری تنخواہ جو ہر ماہ گھر پر دے دیتا ہے اس میں ضرور کمی پڑ جائے گی۔ اور شادی کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے —— ؟ میں گھبرا کر سوچتا ہوں کہیں مجھ پر مزید بوجھ نہ پڑ جائے —— مگر میری بیوی اور ماں نے بھی ایک ساتھ ٹوکا ہے —— "نہیں جلدی ہونی چاہیے۔ ہم نے لڑکی دیکھ لی ہے اور بات بھی پکی ہو گئی ہے۔ جلد ہی کوئی اچھی تاریخ دیکھ کر رکھ دینی ہے۔ بس تمھارا انتظار تھا ——"
چُپ چاپ وہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔ بڑی دیر تک سوچتا رہتا ہوں۔ چھوٹے بھائی کی شادی ہو گی۔ اُس میں مجھے کتنا دینا ہو گا اور اس کا انتظام کہاں سے ہو گا۔ شاید اِسی لیے مجھے بار بار گھر آنے کے لیے لکھا جا رہا تھا۔
چچا صاحب ایک چارپائی پر لحاف اوڑھے لیٹے ہوئے ہیں۔ بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے بہت نحیف و لاغر ہو گئے ہیں۔ اُن کے سرہانے میز پر چھوٹی بڑی بہت سی دواؤں کی شیشیاں بے ترتیبی سے رکھی ہوئی ہیں۔ گھر کا وہ حصّہ اسپتال کا ایک گوشہ نظر آتا ہے۔ میں بڑھ کر انھیں اور گھر کے لوگوں کو سلام کرتا ہوں اور جا کر ان کے پینتانے بیٹھ جاتا ہوں۔
اپنا داہنا ہاتھ اُن کی پیشانی پر بخار دیکھنے کے لیے رکھتا ہوں ——

"آپ اتنے زیادہ بیمار تھے، مجھے کیوں نہیں اطلاع دلوا ئی — ؟ میں فوراً بھاگ کر آتا۔"

مجھے لگا یہ الفاظ آپ ہی آپ میرے منہ سے نکل پڑے ہیں۔ میں خفیف سا ہو اتا ہوں، اور محسوس کرتا ہوں جیسے میں کوئی ناٹک کر رہا ہوں — میں نے اپنے چہرے پر تمام کرب و اضطراب کے تاثرات پیدا کر لیے ہیں — میں کوشش کر رہا ہوں اور یہ ساری کوششیں اس لیے ہیں کہ میں انھیں احساس دلا دوں کہ میں اُن کے لیے بہت فکر مند تھا۔

"کب آئے۔ ؟" انھوں نے بڑی کمزور آواز میں پوچھا ہے —

اور مجھے لگا جیسے اب تک کی ساری ایکٹنگ بے کار سی گئی۔ اگر کہتا ہوں رات آیا تو کہیں پوچھ نہ لیں :" اب مجھ سے ملنے آئے ہو ؟"

میں نے پھر جلدی جلدی کہنا شروع کیا ہے۔ کیا ہو گیا تھا آپ کو۔ ؟ اب کیسی طبیعت ہے۔ ؟ کس کی دوا کر رہے ہیں۔ ؟" ایک ہی سانس میں میں نے کئی سوال کر ڈالے ہیں۔ تھوڑی دیر رک کر پھر کہتا ہوں " میں — رات آیا ہوں۔ قریب دس بجے۔ اس وجہ سے رات نہیں آسکا۔ صبح بھی سویرے آنے میں مجھے دیر ہو گئی — میں نے اپنی صفائی پیش کی ہے —

شدید سردی کے ساتھ بخار آ گیا تھا۔ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ سمجھا تھا شاید اب نہ بچ سکوں گا۔ مگر لگتا ہے ابھی زندگی کے کچھ دن اور کاٹنے ہیں — تم بتاؤ کیسے ہو۔ ؟ میرا کیا۔ میں تو چراغِ سحری ہوں؟" انھوں نے کہا ہے اور میں سوچتا ہوں، انھیں میرا کتنا خیال ہے اپنی بیماری میں بھی میرا حال پوچھ رہے ہیں۔ ؟

میں نے اُن کا سر دباتے ہوئے پوچھا ہے "کس کا علاج کر رہے ہیں۔ ؟"

"ڈاکٹر کا۔ بہت فائدہ ہے۔ اُن کی تین ہی خوراک میں بخار بالکل غائب ہو گیا ہے — مجھے اب کوئی شکایت نہیں ہے۔ کمزوری بہت زیادہ ہے۔ جسم میں جیسے طاقت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ دو قدم چلا بھی نہیں جاتا۔"

"آپ میرے ساتھ چلیے۔ وہاں بڑے ماہر اور ایک سے ایک اچھے ڈاکٹر ہیں۔ وہاں آپ کا علاج اچھی طرح ہو جائے گا اور آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

میں نے یہ بات کہہ تو دی ہے۔ مگر میرے اندر کہیں بہت گہرائی میں ایک سوال اُبھر آیا ہے۔ اگر چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو ۔ ؟ اور اسی طرح کے کئی سوال ین ڈیبوں کی طرح سر اُبھارنے لگے ہیں ـــــ میں نے بلاوجہ ہی وہاں کے ڈاکٹروں کی تعریف کر دی۔ یہاں کا ڈاکٹر کیا بُرا ہے ؟ ہزاروں مریضوں کا علاج کرتا ہے۔ اور پھر مجھے لگا میری زبان لڑکھڑانے لگی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خیال بھی ـــ

"اچھا سوچوں گا۔ تم کب جاؤ گے ؟" تھوڑی دیر بعد چچا نے مجھ سے پوچھا ہے۔

"کل دوپہر کو۔ میں آپ کو لینے آؤں گا۔ اور سوچنا کیا ہے۔ آپ کو چلنا ہوگا"

جیسے میں نے اپنے اس خیال کا گلا گھونٹ دیا ہے اور یہ انتقاماً کہا ہے۔

رات میں دیر تک انھیں کے بارے میں سوچتا ہوں۔ سوالیہ نشانوں کے قافلے صف بہ صف کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں۔

کل تمھارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو ؟ کیا سچ مچ تم لے جانا چاہتے ہو؟ انھیں لے جا کر تم ان کے علاج پر خرچ کر سکو گے ؟ اپنے اُسی بوسیدہ کمرے میں رکھو گے؟؟ تمھاری بے سروسامانی دیکھ کر وہ کتنے اُداس ہوں گے۔ انھیں یا کسی اور کو تمھاری ـــ ـــــ سفید پوشی کے بارے میں کیا پتا ۔ وہ کیا جانیں تم کس طرح رہتے ہو ؟ ؟

ڈرتے ڈرتے دل ہی دل میں سوچتا ہوں اگر اس بار نہ چلتے تو اچھا تھا۔ مگر اس خوف سے کہ ابھی میرا "میں" ہی میرا مذاق نہ اُڑانے لگے، میں اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیتا ہوں اور آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔

دوسرے دن سویرے ہی ان کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ بڑی دبی ہوئی آواز میں کہتا ہوں۔

"لائیے آپ کے کپڑے وغیرہ ٹھیک کر دوں"

جانے کیوں مجھے یہ الفاظ بڑے کھوکھلے اور بے جان سے لگے۔

"ابھی بہت کمزور ہوں۔ سردی بھی کافی پڑ رہی ہے۔ اس بار تو نہیں، ہاں دوبارہ جب تم آؤ گے تو ضرور چلوں گا ـــ اور یہاں کی دوا سے مجھے فائدہ بھی ہے"

"ہاں ہاں یہ ڈاکٹر کافی ہوشیار ہے اور دوائیں بھی لکھنؤ سے منگاتا ہے۔

میں اس کی تعریف کر جاتا ہوں اور آپ ہی آپ یہ سوچ کر ڈر جاتا ہوں کہ کہیں میرے

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

جامِ نَو

محروم

۱۸۸۷ —— ۱۹۶۶

تلوک چند نام، محروم تخلص، گاجراں والا، ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے خاندان کے لوگ چھوٹے موٹے کاشت کار تھے یا دکان دار، محروم کے والد ایک فقیر منش بزرگ تھے۔ پانچ برس کی عمر میں اپنے بزرگوں کے ساتھ آبائی وطن سے نکل کر عیسی خیل میں آکے آباد ہوگئے۔ بچپن کے دن مسلمان لڑکوں کے ساتھ کھیل کود اور تیراکی کے شوق میں گزارے، چھے سات سال کی عمر میں عیسی خیل کے ورناکلر مڈل اسکول میں داخل کرائے گئے۔ ابتدائی جماعتوں سے لے کر آٹھویں جماعت تک ہر امتحان میں اوّل آتے رہے اور وظیفہ حاصل کرتے رہے۔ وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی اسکول (بنوں) سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرکولیشن کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد مدرّسی یا معلمی کے پیشے سے وابستہ ہوگئے۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحانات ملازمت کے دوران میں پاس کیے۔ محروم نے معلمی کا پیشہ محض کھانے کمانے کی غرض سے نہیں اختیار کیا تھا بلکہ صحیح معنوں میں ایک استاد کی جملہ خوبیاں اور صفتیں ان کے اندر موجود تھیں اور ان اوصاف میں مرتے دم تک اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جب تک وہ راولپنڈی نہیں آگئے اور اسکولوں کی مدرّسی اور ہیڈ ماسٹری سے باقاعدہ طور پر اور اعزاز کے ساتھ ریٹائر نہیں ہوگئے، ساتھیوں اور افسروں کی سازش اور ریشہ دوانیوں کے بھی شکار رہے۔ پیشے کا احترام اور اس کی عظمت کے مقابلے میں انھوں نے مخالفوں کی ہر طرح کی مخالفتیں برداشت کرلیں۔ لیکن اپنی عزتِ نفس اور ایمان داری پر حرف نہیں آنے دیا۔ کچھ عجیب اتفاق ہے کہ جس فرقے کے لوگ ان کے بدخواہ اور دشمن بنے اسی فرقے کے لوگ ان کے مداح اور قدرشناس بھی ثابت ہوئے۔ دشمنوں کی دشمنی کو انھوں نے نظر انداز کیا اور دوستوں کی دوستی کا دم

ہوتے رہے، ۱۹۴۳ء میں "بہ سگاں ادب نموم بہ خراں سلام کردم" کہہ کر جیسے ہی وہ ریٹائر ہوئے تو گارڈن کالج راولپنڈی میں اردو فارسی کے لکچرر مقرر ہوئے گویا بقول مولانا تاجور نجیب آبادی جہاں ان کو پہلے پہنچنا تھا وہاں آخر میں پہنچے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کی افراتفری کے باعث ان کو دہلی آنا پڑا، یہاں کچھ دن وہ اخبار تیج کے عملۂ ادارت سے وابستہ رہے۔ پھر پنجاب یونیورسٹی کے کیمپ کالج نئی دہلی میں اپنے سابقہ عہدے پر کام کرنے لگے اور وفات سے تھوڑے دنوں پہلے تک واقعی وہ "ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک پوری نسل کے معلم اخلاق رہے"۔

شاعری کے معاملے میں نہ انھوں نے کسی کو اپنا استاد بنایا اور نہ کسی کو شاگردی کا شرف بخشا۔ وہ ایک حسّاس طبیعت، موزوں سرشت، دردمند، تنگ نظری اور کوتاہ بینی سے کوسوں دور رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔ اپنے عقائد، اعمال اور افکار میں پختگی اور استقامت کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کا بھی ان کے یہاں یکساں احترام پایا جاتا تھا، اسی بنا پر ہر فرقے اور مسلک کے افراد اور نوجوان ان کے دوستوں اور شاگردوں میں موجود ہیں۔

شاعری انھوں نے اوائل عمر ہی سے شروع کر دی تھی، عمر کے ساتھ مطالعہ اور دقتِ نظر میں بھی وسعت اور گیرائی پیدا ہوتی رہی چناں چہ جلد ہی ان کو اس میدان میں بھی شہرت اور مقبولیت حاصل ہونے لگی اور عمر کے ساتھ ان میں اضافہ ہی ہوتا رہا، پنجاب اور یوپی کا ہر ادیب اور شاعر ان کی زندگی میں بھی عزت کرتا تھا اور آج بھی لوگ ان کی خدمات کے اعتراف کے ساتھ ان کا نام ادب سے لیا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال، سر عبدالقادر، سشی دیا نرائن نگم، حفیظ، جوش اور نئی نسل کے سب ہی بڑے چھوٹے شاعر اور انشا پرداز محروم کے مداح معترف اور ان کے شاعرانہ کمالات نیز انسانی خوبیوں کے قائل اور مداح ہیں۔

ملک کے وہ چند بہت ہی محدود اور مخصوص شعرا جنھوں نے ملک و قوم کے نونہالوں کو اپنے پاکیزہ خیالات سے سنوارنے اور ان کو ایک بلند کردار انسان بنانے کی مخلصانہ کوششیں کی ہیں محروم کا نام اس فہرست میں بھی بہت نمایاں ہے۔ ان کی نظموں، غزلوں رباعیوں اور قطعات میں شاعرانہ محاسن، بلندیٔ فکر، صاف ستھری زبان، شائستگی

اور پختگیٔ کلام کے جملہ اوصاف اور التزامات پائے جاتے ہیں مسلسل پچاس ساٹھ سال تک انھوں نے اپنے شاعرانہ کمالات اور رشحاتِ فکر سے چمن اُردو کی آب یاری کی ہے گنج معانی، سباحیاتِ محروم، کاروانِ وطن، بہارِ طفلی، نیرنگ معانی، شعلۂ نوا، بچوں کی دنیا اور ساٹھ سالہ کلام کا نچوڑ "انتخاب کلام محروم" یہ سب ان کی روداتی سیاسی، وطنی، قومی، ملکی اور ملّی شاعری کی زندہ اور تابندہ یادگاریں موجودہ دنیا اور آئندہ نسلوں کے لیے ایک قابلِ قدر اور باعثِ فخر سرمائے کی صورت میں موجود ہیں۔

انتخاب

دریائے سندھ

بھولا نہیں عالم تری امواج رواں کا — وہ ماضیٔ رقصاں مری عمرِ گزراں کا
تو اور تلاطم وہ مرے ذوقِ نہاں کا — افسوس کہاں میں ہوں یہ قصّہ ہے کہاں کا

گو رشتہ کناروں سے ترے توڑ کے آیا
طفلی بھی جوانی بھی وہیں چھوڑ کے آیا

تقدیسِ چمن سے مجھے انکار نہیں ہے — گو پاک نہیں اس سے سروکار نہیں ہے
کیا کیجیے وہ آر نہیں پار نہیں ہے — آسودہ کسی طور دلِ زار نہیں ہے

وہ ہمہمہ وہ جوش و خروش اس میں کہاں ہے
افسردہ سی بے جان سی اک نہرِ رواں ہے

گو جور و جفا کی مجھے عادت بھی رہی ہے — فطرت تری کچھ مائلِ وحشت بھی رہی ہے
مضمر ترے طوفاں میں آفت بھی رہی ہے — ساتھ اس کے نمایاں یہ حقیقت بھی رہی ہے

دیہات اُجاڑے ہیں بسائے بھی ہیں تونے
نقشے جو بگاڑے تو بنائے بھی ہیں تونے

ہاں میرے تصوّر میں ہے آباد جو قریہ — آتا ہے ابھی مجھ کو بہت یاد جو قریہ
تھا جلوہ گہِ حسنِ خداداد جو قریہ — ہر قید تکلّف سے تھا آزاد جو قریہ

بستا ہے کنارے پہ ترے اب بھی کہیں اور
مضمون تو ہوگا وہی ہو گرچہ زمیں اور

علّامہ اقبال کی موت پر

ظاہر کی آنکھ سے جو نہاں ہو گیا تو کیا — احساس میں سما گیا دل میں اتر گیا

کنجِ مزار میں تنِ خاکی کو چھوڑ کر
قدسی نژاد اوجِ سماوات پر گیا

کاشانۂ بقا میں مسافر پہنچ گیا
ویرانۂ فنا سے سلامت گزر گیا

باغِ جہاں میں صورتِ گلہائے تر رہا
باغِ جناں میں مثلِ نسیمِ سحر گیا

خاکِ چمن میں گوہرِ شبنم نہاں نہیں
خورشیدِ جلوہ بار سے پوچھو کدھر گیا

"ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق"
روشن تر اس حقیقتِ روشن کو کر گیا

محروم کیوں ترے حرماں نصیب کو
یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبال مر گیا

غزلیات

چلو اب لطف ہی کو آزماؤ
تمھیں آنا نہیں بیداد کرنا

وہیں تک ضبط وحشت میں دل بیتاب کوشاں تھا
ترے کوچے سے ہم نکلے تو پھر کوسوں بیاباں تھا

آپ کو مجھ سے کدورت نہیں کیا فرمایا
صدقے اس صاف بیانی کے بجا فرمایا

دنیا میں اے زباں روشِ صلحِ کل نہ چھوڑ
جس سے کسی کو رنج ہو ایسا بیاں نہ چھیڑ

ترکِ عشقِ بتِ خود کام غلط
ہم پہ دانستہ یہ الزام غلط

کس سے سنوں جو تم نہ کرو بات پیار کی
کس سے کہوں جو تم نہ سنو ماجرائے دل

کوہ و صحرا و ساحلِ دریا
بے ٹھکانوں کے سو ٹھکانے ہیں

نہ میرے اشک ہیں شامل نہ ان کے دامن پر
میں کیا بتاؤں انھیں خونِ آرزو کیا ہے

سخن ہو شمع خراشی تو خامشی بہتر
اثر کرے نہ جو دل میں وہ گفتگو کیا ہے

وہ شام کی صورت ہے نہ وہ رنگِ سحر ہے
کس کوکبِ منحوس کا یارب یہ اثر ہے

روئی ہوئی آنکھوں میں ہیں غرقابِ تبسم
پنجاب ہے دلی میں جواب راہ گزر ہے

کوئی سوتا ہو جیسے ڈوبتی کشتی کے تختے پر
اگر کچھ ہے تو بس اتنی ہے اس دنیا کی راحت بھی

ہم گلشنِ دہر میں اے ہمدم آزارکشِ بے داد رہے
سبزے کی طرح پامال ہوئے نکہت کی طرح برباد رہے

رباعیات

انکارِ گناہ بھی کیے جاتا ہوں
تکرارِ گناہ بھی کیے جاتا ہوں

حاصل ہو ثواب مفت اس لالچ میں
اقرارِ گناہ بھی کیے جاتا ہوں

ہر چند بُری میں نے روش رکھی ہے
فطرت پہ نگاہِ بے خلش رکھی ہے

گر بے ادبی نہ ہو تو اتنا پوچھوں
کیوں تو نے گناہ میں کشش رکھی ہے

نئی مطبوعات

دلّی کی شام (ناول) احمد علی ترجمہ: بلقیس جہاں　دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ　۷/۵۰
پریم چند کے خطوط　مرتبہ: مدن گوپال　„ „ „ „　۶/۵۰
فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ (نیا ترمیم شدہ ایڈیشن) سید ضمیر احمد دہلوی　„ „ „　۳/۰
خوابوں کے شکاری (ناول) مظہر الحق علوی　لکھنؤ، نسیم بک ڈپو　۱۰/-
ڈراکیولا کی واپسی　„ „ „ „ „ „　۵/-
لاج　(ناول) بلقیس صادق علی　„ „ „　۶/۰
آزاد نظم اُردو شاعری میں (ادبی) کنول کرشن بالی　„ کتاب پبلشرز　۴/-
عکس ریز　مظفر حنفی　„ „ „　۲/۵۰
اصناف ادب اُردو　مرتبہ: ڈاکٹر قمر رئیس　علی گڑھ سرسید بک ڈپو　۲/۵۰
اردو مثنوی کا ارتقاء　عبدالقادر سروری　„ ایجوکیشنل بک ہاؤس　۳/۵۰
کھلونے　مسعود مفتی　لکھنؤ کتاب پبلشرز　۳/۰
اُردو مرثیے کا ارتقاء　ڈاکٹر مسیح الزماں　„ کتاب نگر　۱۴/۰
مثنوی دریائے عشق　مرتبہ اطہر مسعود رضوی　„ „ „　-/۵۰
قلمی مکتوب مبارک و تبلیغی تقریر　مولانا محمد یوسفؒ　دہلیؒ کتب خانہ انجمن ترقی اُردو　-/۲۰
پاپی (ناول) عارف مارہروی　„ پنجابی پستک بھنڈار　۲/۰
تاریخ آصفی　مرزا ابو طالب اصفہانی　„ مکتبہ صبح ادب　۵/۰
روشن آرا (ناول) عذرا جمال　„ مشہور تاج کمپنی　۷/-
خواب تماشا　(نظم) کمار پاشی　„ نازش بک سنٹر　۴/۰
کٹی پتنگ　(ناول) گلشن نندہ　„ ہند پاکٹ بکس　۳/۰
بڑی بڑی آنکھیں　„ اوپندر ناتھ اشک　„ „ „　۲/۰
اُردو شاعری کی رنگینیاں　مرتبہ: پرکاش پنڈت　„ „ „　۲/۰
چھلاشیں (ناول) کرنل رنجیت　„ „ „　۱/۰

جائزے

مصنف: یحییٰ بھائی جسدن والا
سنہ اشاعت: ۱۹۶۷ء
سائز: ۲۰×۲۶/۸ صفحات: ۳۲۰
قیمت: سات روپے ۵۰ پیسے
ملنے کا پتا: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ بمبئی ۳

سوزِ حیات

(مجموعہ کلام)

جناب یحییٰ بھائی جسدن والا کا مجموعۂ کلام "سوزِ حیات" پیشِ نظر ہے۔ اِس سے پہلے موصوف کے دو مجموعے سیلِ غم اور مضرابِ غم شائع ہو چکے ہیں۔ اگر یہ قول صحیح ہے کہ "ناموں کا انتخاب افتادِ طبع کی آئینہ داری کیا کرتا ہے" تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مجموعوں کا مصنّف گدازِ دل کی دولت سے بھی مالامال ہے جو غزلیہ شاعری کے لیے جزوِ لازم ہے۔ اِس کتاب کے دیباچے میں مصنّف نے شاعری سے متعلق تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان خیالات میں جو پاکیزگی، وضاحت اور سادہ بیانی ہے اُس سے مزید ثبوت ملتا ہے اس بات کا کہ اس شخص کے مزاج میں وہ سادگی موجود ہے جس سے بات میں تاثیر کی چمک پیدا ہوتی ہے اُس کے ذہن و فکر میں وہ پاکیزگی کارفرما ہے جو انسان کو مثبت اندازِ نظر بخشا کرتی ہے اور اُس کے دل میں سوز و گداز کی وہ کیفیت تہ نشیں ہے جس سے "حسنِ فروغِ شمعِ سخن" ملا کرتا ہے۔ اس زمانے میں جب کہ دل کی دھڑکنیں مشینوں کے شور میں ڈوبی جا رہی ہیں، خیالوں میں نفرتوں کی سیاہی اس طرح پھیلتی جا رہی ہے جیسے انسانیت کی آنکھوں میں پاکیزگی کا نور باقی نہ رہا ہو اور فطرت نے اچھائیوں کے سارے دروازے انسانیت پر بند کر دیے ہوں، ایسے لوگوں کا وجود بہت غنیمت ہے اور ضروری بھی ہے جن کا انسانیت پر ایمان ابھی تک باقی ہو اور جو فطرت کی نوازشوں سے مایوس نہ ہوئے ہوں۔ شعر و ادب کا ایک بڑا کام یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو تسکین کی دولت عطا کرے کیونکہ اس دنیا میں مصیبتوں کے اندھیرے بہت گہرے ہیں۔ یہ بات ہم کو یاد رکھنی چاہیے کہ ایسی کوئی دنیا اس زمین پر کبھی نہیں تھی جب کہ مصائب نہ ہوں اور آئندہ بھی ایسی کسی خیالی دنیا کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو اس سرزمین پر موجود ہو اور مصائب سے یکسر خالی ہو۔ انسان کی سب سے بڑی کوشش

یہ رہی ہے اور یہی رہے گی کہ مصائب کا اندھیرا ہمہ گیر نہ ہونے پائے اور مسرتوں کی روشنی اپنا کام کرتی رہے۔ فنونِ لطیفہ کا وجود انسان کی اسی کوشش کا ایک رخ ہے۔ اِن کے واسطے سے مصیبتوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں وہ پناہ گاہیں فراہم کرتے ہیں جہاں انسان کچھ دیر کے لیے دم لے کر کاروبارِ حیات میں حصّہ لینے کے لیے پھر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ حصولِ مسرّت کے مواقع اگر نہ ہوتے تو شاید انسانوں کے اندر سے جذبے کی لطافت ہوا ہو چکی ہوتی۔ شعر و ادب سب سے زیادہ اس مقصد کے حصول میں مدد کرتے ہیں۔ اِس لحاظ سے شاعری اور ادب کا وجود انسانیت کے لیے سب سے بڑی ضرورت ہے۔

اب یہ بھی واضح ہے کہ ایسی شاعری اور ایسا ادب جس میں منفی اندازِ نظر کارفرما ہو، جس کو پڑھ کر زندگی ناقابلِ برداشت بوجھ معلوم ہونے لگے اور اس بھری دنیا میں اندھیرے کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے، اور جس کا مآل یہ ہو کہ آدمی گھبرا کر خودکشی کے لیے آمادہ ہو جائے؛ ظاہر ہے کہ ایسی شاعری اور ایسا ادب اُس مقصد کو پورا نہیں کرے گا جس کے لیے وہ عالمِ وجود میں آیا ہے اور صحیح الفاظ میں اس کو انسانیت دشمن اگر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

یحییٰ صاحب کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر زندگی سے نفرت کرنے کے بجائے، اس سے محبت کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اُن کی غزلوں میں افکار کی وہ پیچیدگی اور گہرائی نہیں ہے جس سے فلسفیانہ حقائق کی عقدہ کشائی کی طرف ذہن منتقل ہو، اس کے بجائے ایسی سادہ خیالی اور سادہ بیانی ہے جس سے جذبے کی گرمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی بڑی بات ہے۔ چند اشعار سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

فقط عنوان بدلے ہیں محبت کے مگر اب تک
نہ دل بدلا کسی کا اور نہ دل کی داستاں بدلی

اب نہ گھبراؤں گا انجامِ وفا سے ہرگز
اب تو ہر رازِ محبت کا عیاں ہے دل پر

جیسے جیسے ٹوٹتی جاتی ہیں امیدیں مری
ویسے ویسے رازِ ہستی مجھ پہ کھلتا جائے ہے

مطمئن کر نہ سکے جو مرے ٹوٹے دل کو
اُس یقیں سے تو مرا وہم و گماں اچھا ہے

جتنا مجھے بھلانے کی کوشش کرے گا دل
اتنا تری جدائی کا غم ہوگا اور بھی

[illegible] سے جذبۂ شوق کا اظہار دیکھنا
پھر تمنا اُٹھے نہ رخِ یار دیکھنا

عشق کی قسمتِ محرومِ الٰہی توبہ — یہ بھی اب یاد نہیں ہم کو کہ کیا بھول گئے
گر خزاں رہتی تو ہوتے پامال — فصلِ گل آئی تو بدنام ہوئے
زردا کا ہے مدار تمنائے مرگ پر — حسرت نکل گئی تو نہ فردا نہ حال ہے
ذوقِ نظارہ کا سرمایہ بہت تھا پھر بھی — تم کو گر دیکھ نہ لیتا تو کمی رہ جاتی

کتاب اس حُسن کے ساتھ چھپی ہے کہ "عروسِ جمیل و لباسِ حریر" کا مقولہ اس پر صادق آتا ہے۔ ان کے پہلے مجموعے بھی ایسے ہی حُسن کے ساتھ چھپے ہیں۔ اس سے ان کے مزاج کی نفاست کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسے نفیس مزاج میں فکر و خیال کی کثافت کا گزر ویسے بھی نہیں ہوسکتا۔ اس مجموعہ کی کتابت میں ضرورت سے زیادہ جلی قلم استعمال کیا گیا ہے اور اس نے حسنِ تناسب میں کمی نمایاں کر دی ہے مجموعہ مصوّر ہے لیکن بعض تصویریں بے جوڑ سی معلوم ہوتی ہیں مثلاً صفحہ ۱۶۸ پر۔ اس غزل میں ایسا کوئی شعر نہیں جو اس نقش کے کسی پہلو سے کوئی مناسبت رکھتا ہو۔ اچھا یہ ہوتا کہ ہر صفحے پر جو نقش مرتسم کیا جاتا اُس کو اُس صفحے کے کسی شعر سے کوئی خصوصی مناسبت ضرور ہوتی۔

یہ کتاب اس قدر دیدہ زیبی کے ساتھ شائع کی گئی ہے کہ مکتبہ جامعہ کے معیارِ حسنِ طباعت پر ایمان لے آنا پڑتا ہے اور اسے ہر خوش ذوق قاری کے کتاب خانے کی زینت ہونا چاہیے۔

سعادت صدیقی

●

تلاش و توازن

مصنف: — ڈاکٹر قمر رئیس
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات: ۲۵۶
سنہ اشاعت: ۱۹۶۸ء
قیمت: چھ روپے ۵۰ پیسے
ملنے کا پتا: ادارۂ خرام پبلیکیشنز، حوض قاضی دہلی ۶

پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، "شخصیت اور کارنامے" مضامین، غرض ان کو مختلف حیثیتوں سے مقبول اور متعارف کراتے رہنے کی وجہ سے خود ڈاکٹر قمر رئیس کے کسی تعارف کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

"تلاش و توازن" مجموعہ ہے ان کے گیارہ مضامین بلکہ مقالوں کا، یہ مضمون بعض رسالوں میں بھی چھپ چکے ہیں اور اب ان کو کتابی صورت میں پیش کرتے وقت نظر ثانی بھی کی گئی ہے یہ تمام مضامین ایک سوچے سمجھے ہوئے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر کے ترجمان ہیں۔ اُن کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور یہ مضمون کب اور کن محرکات کے تحت لکھے گئے ہیں، اُن کا ذکر اور صراحت دیباچے میں موجود ہے۔

مضامین کا بیشتر حصہ افسانوی ادب سے متعلق ہے "پریم چند" اور "افسانوی ادب" ان دونوں پر بحیثیتِ مجموعی' اور الگ الگ' بلحاظ عنوان اور موضوع' ڈاکٹر قمر رئیس کا مطالعہ بہت وسیع ہے ان کی نظر بہت گہری' ان کی لکھی ہوئی باتیں صاف اور سلجھی ہوئی نیز اُن کی رائے بہت مستحکم اور وقیع ہے۔

پریم چند سے پہلے اور بعد کے افسانہ نگاروں اور ناول نویسوں سے متعلق ڈاکٹر قمر رئیس کا جو زاویۂ نگاہ اور اندازِ فکر ہے وہ کم ہی لوگوں کے حصے میں آیا ہوگا تعریف و تنقیص بظاہر جتنی عام اور آسان ہے اتنی ہی زیادہ نازک اور خطرناک بھی۔ اس معاملے میں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ملیں گے جو اس راہ پر چل کر گمراہ بھی ہو گئے ہیں۔ بہر حال! اعتدال اور توازن ہی وہ چیز ہے جو معیار کو گھٹنے اور سطحِ نظر کو پست نہیں ہونے دیتی۔ قمر رئیس کی تحریریں اس وصف سے خالی نہیں کہی جا سکتی ہیں۔ ان کے کسی مضمون کو دیکھ کر یہ گمان نہیں ہوتا کہ انھوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے اس لیے کہ ان کی تعریف میں نہ غلو ہوتا ہے اور تنقید میں شدت اور جانب داری "اردو ناول کا تشکیلی دور" اور "جدید اردو ناول" ان مقالوں میں دورِ اوّل کے ناول نگاروں سے لے کر آج تک کے تمام قابلِ ذکر ناول نویسوں کا ذکر آگیا ہے' محرکات، سماجی اثرات' جائزے اور تبصرے غرض ہر ادبی اور تنقیدی پہلو سے ان کی نگارشات اور نمائندہ ناولوں کو دیکھنے' جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور پھر جو رائے قائم کی گئی ہے اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لکھنے والے کا ذہن اور قلم "تلاش و توازن" کے صحیح مفہوم سے کہیں بھی منحرف یا متجاوز ہو گیا ہے۔ سوچنے کا یہ طریقہ اور لکھنے کا یہ سلیقہ بہت سی حیثیتوں سے ہمارے بزرگوں کے لیے ہمت افزائی اور نوجوانوں کے لیے تقلید کا مستحق ہے۔

غالب، ٹیگور، آزاد انصاری، فراق، ندیم اور شاذ تمکنت ان لوگوں کے بارے

یں بھی تحریریں نے جو کچھ لکھا ہے اس ضمن میں ان کی وسعتِ مطالعہ اور ثابت رائے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ "جدید ازبکی شاعری" میں وہاں کے بعض مشہور شاعروں کے رجحانات اور انداز فکر کی منظوم ترجمانی بڑی خوبصورتی سے کی ہے۔

افادی اور معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کتابت و طباعت میں بھی صحت اور خوش نمائی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ ان اوصاف اور محاسن کی بنا پر اس کتاب کو اہلِ علم اور اربابِ ذوق کے حلقے میں مقبول ہونا چاہیے۔ (رشید نعمانی)

دلّی والا

چیف ایڈیٹر: صابر دت
معاون: سب پڑھنے والے
سائز: ۲۰×۳۰/۴ صفحات: ۸
قیمت سالانہ: چھ روپے، فی پرچہ ۲۵ پیسے
پتا: پوسٹ بکس نمبر ۳۰۱۱، نئی دہلی

"دلّی والا" ایک پندرہ روزہ اخبار ہے اور اب تک اس کے دس گیارہ شمارے منظرِ عام پر آ چکے۔ تعریف کی بات یہ ہے کہ نئے اخبار رسالوں کی روایات کے برخلاف یہ ابھی تک بند نہیں ہوا ہے اور خلاف توقع نہ صرف یہ کہ برابر شائع ہو رہا ہے بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ وقت پر شائع ہو رہا ہے اور اس کا ہر شمارہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور دلچسپ سے دلچسپ تر بنتا جا رہا ہے۔ لیکن اگر اس کے سب شمارے ایک ساتھ دیکھ ڈالے جائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار یا تو ابھی تک پوری طرح اپنی پالیسی کا تعین نہیں کر سکا ہے یا اسی غیر متعین پالیسی کو ہی اس نے اپنا شعار بنا یا ہے۔ شائد اسی لیے اس کے نویں شمارے کے ایڈیٹوریل میں اور باتوں کے علاوہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ "..... ہم اور ہماری پالیسی کسی خاص شخص یا کسی خاص سرپرست کی پابند نہیں ہے ہم نے اب تک جو درست اور صحیح سمجھا ہے وہی شائع کیا ہے اور آیندہ بھی یہی رویہ اختیار کیے رہیں گے ..." شائد اسی پالیسی کی وجہ سے "آخری صفحہ" کے نام سے مستقل عنوان کے تحت فکر تونسوی صاحب کے مزاحیہ خاکے یا مضمون کے علاوہ، جو البتہ پابندی سے شائع ہو رہا ہے، اس اخبار میں کوئی مضمون، خبر یا سلسلہ مستقل شائع نہیں ہو رہا۔ ادبی اور

سیاسی خبریں، خبروں پر تبصرے، خاکے، ذاتی اور ادبی خطوط، شعر و شاعری، مشاعروں، ادبی محفلوں اور نشستوں کی رپورٹ، غرض یہ اور اس طرح کی بہت سی چیزیں پڑھنے کو ملیں گی لیکن بغیر کسی التزام کے۔ ہو سکتا ہے بہت سے پڑھنے والے خود بھی ہلکی سی پابندی کے قائل نہ ہوں، اور اخبار کا یہی انداز انھیں پسند بھی ہو لیکن ان کی پسند کا احترام کرتے ہوئے بھی اگر اخبار کے نام کی مناسبت سے ایک یا دو صفحے دلّی اور دلّی والوں کے لیے وقف ہو جائیں تو بڑی اچھی بات ہوتی، اس طرح وقت کی ایک بڑی ضرورت بھی پوری ہو جاتی اور اس کے پڑھنے اور پسند کرنے والوں کا ایک نیا حلقہ بھی بن جاتا۔

دلّی کی تاریخی عمارتیں یہاں کے میلے ٹھیلے، قومی تہوار، نئے نئے دفاتر، سڑکیں، بسیں، یہاں کے رہنے والے اور ان کے شب و روز غرض اس طرح کے بہت سے موضوع ہیں جن پر لکھا جا سکتا ہے اور مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ زیادہ نہیں تو صرف یہی ہو جاتا کہ دلّی کی بولی ٹھولی میں یہاں کے روزمرہ کے حالات پر طنزیہ مضامین کا ایک مستقل سلسلہ ہی شروع کر دیا جاتا تو اس طرح ادب کی خدمت بھی ہو جاتی اور اخبار کی افادیت بھی بڑھ جاتی ۔۔۔۔ ریحان احمد عباسی

عرشیہ

معنف : نوشابہ سیدناز

صفحات : ۱۹۰ سائز : $\frac{20 \times 30}{16}$

قیمت : تین روپے ۵۰ پیسے

ناشر : نسیم بک ڈپو، لکھنؤ

عرشیہ ایک ایسی لڑکی کی داستان ہے جو بیک وقت دو روپ میں اجاگر ہوتی ہے ایک روپ ہے جاہل اور کند ذہن لڑکی کا اور دوسرا ایک مایہ ناز ادیبہ کا۔ دراصل یہی ہستی، جو دو متضاد پارٹ ادا کرتی ہے اس ناول کا مرکزی کردار ہے جس کے گرد کہانی کے تانے بانے بنے گئے ہیں اور بالآخر جسے ایک بہترین اور دلچسپ داستان کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ یہ دو کردار حسن خوبصورتی اور چابک دستی سے نوشابہ سیدناز نے ادا کرائے ہیں یہ اُن ہی کا حصہ ہے جس کے لیے بے اختیار داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ کہانی کا انداز اس کے واقعات اور حادثات اتنے دلچسپ اور برمحل ہیں کہ پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس میں قہقہوں کی پھوار بھی ہے اور جذبات کی حرارت بھی۔ زبان سادہ اور بامحاورہ ہے

ادبی خبریں

انجمن ترقی اُردو ہند نے اپنی نئی پانچ منزلہ عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں، جس کا سنگ بنیاد نئی دہلی میں رکھا جا چکا ہے، اُردو دوستوں سے چندے کی اپیل کی ہے۔ اس سلسلے میں انجمن نے ایک روپیہ، پانچ روپے، دس روپے، بیس روپے اور پچاس روپے کی رسیدیں چھپوائی ہیں اور اس مقصد کے لیے طریقہ کار یہ تجویز کیا ہے کہ خود اراکینِ انجمن اور انجمن کی دوسری شاخوں کے ذمہ دار حضرات ملک بھر میں گھوم کر چندہ جمع کریں۔ جو صاحب بھی چندہ جمع کرنے کے مجاز ہوں گے اُن کے اور ان کے معاونین کے ناموں کا باقاعدہ "ہماری زبان" اور دوسرے اخبارات میں اعلان کیا جائے گا لیکن چونکہ ان حضرات کی تعداد زیادہ نہیں ہوگی اور وہ ہر جگہ پہنچ بھی نہیں پائیں گے اس لیے محبانِ اُردو سے یہ اپیل بھی کی ہے کہ وہ رقوم براہِ راست انجمن کے صدر دفتر علی گڑھ کے پتے پر بذریعہ منی آرڈر، چیک یا ڈرافٹ بھجوانے کا کرم فرمائیں۔ رقم بھیجنے کے لیے اتنا پتا کافی ہوگا۔ جنرل سکریٹری۔ انجمن ترقی اُردو ہند، علی گڑھ۔ جو رقوم براہ راست یا بہ توسط دفتر پہنچیں گی، انجمن کے دفتر سے ان کی ایک رسید بھی جاری کی جائے گی اور اُن کے اسمائے گرامی کی فہرست ہفتہ وار "ہماری زبان" میں شائع کی جائیں گی۔

●

مورخہ ۳ راگست ۱۹۶۸ء بوقت ۸ بجے شب "ادارہ بزمِ شفا" سیجوا (دھنباد) کے زیرِ اہتمام جناب شاہد جمال صاحب کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مشہور و معروف شاعر استادِ سخن حضرت شفاؔ گوالیاری کی اچانک موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ اس موقع پر مرحوم کے دو عزیز شاگردوں جناب عابدؔ عزیزی اور شاںؔ بھارتی کے علاوہ پروفیسر اُلفتؔ مظفر پوری، ڈاکٹر راہیؔ، مضطر جوادی ادیب کامل (علیگ) اور شاہد جمال نے مرحوم کی نجی زندگی، ان کے حسنِ اخلاق اور ان کی شاعری پر اپنے اپنے مضامین پڑھے اور مندرجہ ذیل شعراء نے مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے منظوم تخلیقات سے اپنے رنج و الم کا اظہار کیا۔

شاہد جمال، پروفیسر اُلفت مظفر پوری، مضطر جوادی ادیب کامل (ملیگ) عابد عزیزی، شان بھارتی، سرور نگینوی، انجم مونگیری، ڈاکٹر راہی، قدوس بسمل، صبا اُناؤی،

آخر میں پروفیسر اُلفت مظفر پوری نے ایک تعزیتی قرارداد پیش کی جس میں مرحوم کی اچانک موت پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا گیا اور خدا سے دعا کی گئی کہ وہ ان کی روح کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم کے لیے دُعائے مغفرت کے بعد جلسے کا اختتام ہوا (منیر ہاشمی پروپیگنڈہ سکریٹری "بزم شفا")

●

وسکانسن یونیورسٹی کے شعبۂ علوم ہند نے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو ایک سال کے لیے اردو زبان و ادب کی وزیٹنگ پروفیسر شپ کی پیش کش کی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ اس سے پہلے بھی وسکانسن میں کام کر چکے ہیں، جہاں ان کی مرتب کی ہوئی کتاب Readings in Literary Urdu Prose حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ وسکانسن میں وہ تعلیمی کام کے علاوہ اُردو صوتیات پر ایک کتاب بھی لکھیں گے۔

●

"تاشقند ۲۸ اگست۔ ایک مقامی اشاعت گھر نے افریشیائی ادیبوں کی تاشقند کانفرنس کی دسویں سال گرہ کے سلسلے میں ہندوستانی ادیبوں کی متعدد کتابوں کے ازبک تراجم کا اجرا کیا ہے۔ ان میں پریم چند کا ناول "نرملا" اور انا بھاؤ سلٹھے کی کہانی "چترا" شامل ہیں۔ جن کتابوں کے تراجم کی اشاعت کی تیاریاں ہو رہی ہیں، ان میں بھوانی بھٹاچاریہ کا ناول "ٹائگر سوار" اور رضیہ سجاد ظہیر کا ناول "سمن" شامل ہیں۔ بھوانی بھٹاچاریہ کے ناول "ٹائگر سوار" کا اُردو ترجمہ "دلدل" کے نام سے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے شائع ہو چکا ہے جس کا ترجمہ بیگم رضیہ سجاد ظہیر نے کیا ہے۔

●

ہندوستان کے عظیم شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کی سو ویں برسی ۱۵ فروری کو سوویت یونین میں بھی منائی جائے گی۔ سوویت ادیبوں نے ۱۹۶۹ء کو مرزا غالب کا سال قرار دیا ہے۔ اور منصوبہ بنایا ہے کہ اس سال غالب پر اور بھی زیادہ کتابیں شائع کی جائیں۔

REGD. NO. D56 SEPT. 1968

KITAB NUMA
Jamia Nagar, N. Delhi-25.

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے جمال پریس، دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ماہنامہ

اکتوبر ۱۹۶۸ء

کتاب

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

قاعدہ

یَسَّرْنَا الْقُرْآن

یہ قاعدہ مکتبہ جامعہ نے تعلیمی اصولوں کے پیشِ نظر نئی ترتیب کے ساتھ نئے سرے سے مرتب کیا ہے۔ غیر ضروری چیزیں کم کی گئی ہیں سبقوں اور مشقوں میں مفید اضافے کیے گئے ہیں۔

ہر سبق کے شروع میں پڑھانے والوں کے لیے آسان اور مختصر ہدایتیں دی گئی ہیں جن کی مدد سے معمولی اُردو جاننے والے والدین بھی اپنے بچوں کو آسانی کے ساتھ بہت کم مدت میں قرآن مجید پڑھا سکتے ہیں۔

اِن خوبیوں کی وجہ سے اِس قاعدے کی افادیت بازار میں ملنے والے عام قاعدوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

سفید گلیز کاغذ .... آفسٹ کی چھپائی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
اردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

منیجنگ ایڈیٹر:-
غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول:-
مجیب احمد خاں

ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی

اکتوبر ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۱۰
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ بیس پیسے

اشاریہ

۲ اکتوبر کو مہاتما گاندھی کی سویں سالگرہ منانے کے سلسلے میں پورے ہندوستان میں بڑے زور شور سے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ بیرونِ ہند سے بھی اس قسم کی خبریں آرہی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بار پوری دنیا میں یہ دن بڑے جوش و خروش اور خاص اہتمام سے منایا جائے گا۔ اس موقع پر ہزاروں جگہ بڑے پیمانے پر جلسے جلوس تو ہوں گے ہی، اس کے علاوہ گاندھی جی کے اقوال و افکار اور ان کی سیرت و شخصیت سے متعلق بھی جگہ جگہ مختلف زبانوں میں بہت سی کتابیں شائع کی جائیں گی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔

ہر سال گاندھی جی کے یومِ پیدائش اور وفات دونوں موقعوں پر پرارتھنا سبھائیں ہوتی ہیں جن میں ہر مذہب و ملت کے ماننے والے شریک ہوتے ہیں اور سب لوگ اور خاص طور سے وہ بڑے آدمی جنھیں خیر سے اس وقت حکومت چلانے کا فخر حاصل ہوتا ہے، بڑی عقیدت اور احترام سے گاندھی جی سے اپنے مخصوص لگاؤ کی طرف اشارہ کرتے ہیں بعدہٗ اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا عہد از سر نو کرتے ہیں۔

"آتم کتھا" کے نام سے بھی ہم روزانہ ہی ان کے خیالات ریڈیو پر سنتے ہیں اور جگہ جگہ نیتاؤں کے فرمودات اور دیواروں پر ان کے اقوال بھی پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ آج سے نہیں بلکہ پچھلے بیس سال سے قائم ہے جب سے وہ شہید ہوئے۔ لیکن افسوس کہ بجز معدودے چند، زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی نظر آتی ہے جو صرف دکھاوے کے لیے ہر سال یہ ڈرامہ کھیلتے ہیں اور ان عہد و پیمان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور جو کہتے ہیں اس پر کبھی عمل

—

نہیں کرتے۔

گاندھی جی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اُن کے قول و عمل میں تضاد نہ تھا۔ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیتے اور حق کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے ہر وقت سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ وہ جب کسی بات کو ایک بار مان لیتے تو پھر اس سے کبھی پیچھے نہ ہٹتے تھے چاہے اس میں انھیں کتنی ہی دشواری اور پریشانی کیوں نہ اُٹھانی پڑتی۔ اربابِ حکومت ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ کیا وہ بھی یہی انداز یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ اور باتوں کو چھوڑیئے صرف زبان ہی کے معاملے میں کیا انھوں نے گاندھی جی کے خیالات کا لحاظ رکھا ہے؟ کیا انھوں نے سب زبانوں کے ساتھ انصاف سے کام لیا ہے؟ گاندھی جی جس طرح کی زبان کو سرکاری زبان بنانے کے حق میں تھے کیا آج وہی زبان رائج ہے؟

ہم تو بس اتنا ہی کہتے ہیں کہ خدا کرے کہ طفل تسلیوں اور جھوٹے وعدوں کا یہ سلسلہ اب کسی طرح بند ہو جائے اور اس بار جو بھی عہد کیے جائیں وہ سچے دل سے ہوں اور خدا اس پر عمل بھی کرنے کی توفیق عطا کرے۔

یو پی میں بہت جلد ضمنی انتخابات ہونے والے ہیں۔ سنا ہے کہ کانگریس پارٹی نے وعدہ کیا ہے کہ اگر اس بار یو پی میں برسرِ اقتدار آگئی تو وہ اُردو کو اس کا جائز حق دلائے گی۔

مجھے دے رہے ہیں تسلیاں وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آکے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے

(جگر)

تعارف

دلّی کی شام

احمد علی کا ناول Twilight of Delhi پہلی بار ہوگارتھ پریس لندن سے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ اسے بہت جلد ساری مغربی دنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ ای۔ ایم فارسٹر اور ایڈون میور، جیسے اصحاب نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اُسے سراہا۔ خود ہندوستان میں اُسے بے حد پسند کیا گیا پھر بھی اس شہرۂ آفاق ناول کا ترجمہ اُردو میں شائع نہیں ہوا۔ بڑی مسرّت کی بات ہے کہ اب ہندوستان کے اُردو داں طبقے کو اس مقبول و معروف ناول سے لطف اندوز ہونے کا موقع نصیب ہو رہا ہے۔ یہ ترجمہ بلقیس جہاں کے قلم کا رہینِ منت ہے جو مصنف کی رفیقۂ حیات ہیں اور خود اس زبان و تہذیب کی نمایندہ کہلانے کی مستحق ہیں جس سے یہ ناول عبارت ہے۔ خود مصنف نے اس ترجمے کے بارے میں اپنے نہایت ہی مختصر دیباچے میں فرمایا ہے کہ "میں خود اس سے اچھا ترجمہ اُردو میں پیش نہیں کرسکتا تھا"۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ 'دلّی کی شام' ترجمہ نہیں بلکہ اصل ناول ہی ہے جس تہذیب کی آئینہ داری اُس میں کی گئی ہے' اسی عہد کی زبان کا چٹخارہ بھی اس میں موجود ہے۔ وہی انداز، وہی لہجہ، وہی محاورے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ "ناول کے کردار اور اس کا قصہ فرضی ہیں لیکن واقعاتِ زندگی اور دلّی کے حالات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں"۔ دراصل یہ یادگارِ زمانہ اور نمایندہ کردار ہیں جو اپنے پیچھے تہذیبی ورثے کے آخری امین تھے جس کے آثار بھی اب مشکل سے نظر آتے ہیں۔

'دلّی کی شام' ایک تہذیب اور ایک عہد کی داستان ہے۔ وہ خود مجسّم دلّی شہر ہے ۱۹۱۱ء کے آس پاس کی دلّی، دہلی دربار، پہلی جنگ عظیم اور ترکِ موالات کے زمانے کی دلّی۔

اس رقت کے شادی بیاہ، موت وزیست، مشغلے اور مرحلے سب ہی کچھ اس میں سموئے ہوئے ہیں اور اس طرح پیش ہوئے ہیں کہ ایک مربوط کہانی بن گئے ہیں جو ایک خاندان کی کہانی ہے، ایک محلّے اور ایک شہر کی کہانی بھی، ایک تہذیب اور ایک معاشرے کی کہانی بھی۔ ناول پڑھتے وقت جیتے جاگتے مناظر آنکھوں کے سامنے سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں اس حقیقت کا بیان ہے جو آج افسانہ بن چکی ہے۔ اس میں اُن افراد سے نیاز حاصل ہوتا ہے جن کے شناسا بھی آج دہلی میں بمشکل ہی نظر آئیں گے۔ اس اُن گلی کوچوں کا ذکر ہے جن کا کچھ نہ کچھ نام تو باقی ہے لیکن بوباس مٹ چکی ہے۔ اور یہ سب کچھ احمد علی نے اس دل کے ساتھ لکھا ہے جس کے لیے دلّی کی شام، متاعِ عزیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں خلوص کی گرمی اور محبت کی نرمی پائی جاتی ہے۔ ایک لٹی ہوئی تہذیب کے مٹتے ہوئے نقوش کی مصوّری میں خونِ جگر کے چھینٹے بھی ہیں اور خود داستان کی اپنی حسرت ناکی بھی۔ یہاں ایک ایسا تاثر اور تاسف موجود ہے جو ناول پڑھنے کے بعد بھی دیر تک قائم رہتا ہے۔

اب ذرا دیکھیے کہ "اس تھکے ہوئے نظام کی یہ شام بھی کہاں ہوئی":-

دلّی کا حال سنیے:

"یہ سرزمین کبھی شہنشاہوں، تاجداروں، امرا و رؤسا، داستان گو اور شاعروں کا مسکن تھی۔ مگر اب نہ کوئی بادشاہ ہے نہ محافظ، نہ شاعروں کے وہ قدردان۔ یہ اپنے باسی گو آج بھی زندہ ہیں مگر غیروں کے محکوم، اپنا فخر و اقتدار، اپنا نام و نمود اور تمکنت سب کچھ لٹا بیٹھے ہیں۔

شہر آج بھی آباد ہے۔ قلعے، مقبرے اور محلات اور عمارتیں جو گزرے دنوں کی یاد تازہ کرتی ہیں، جو ان کی تون زندگی کا دامن اس اعتماد سے تھامے کھڑی ہیں جو ادراک اور گمان سے بالاتر ہے۔"

ذرا میر نہال سے بھی متعارف ہو جائیے، یہی اس ناول کا مرکز ہیں۔

"میر نہال اندر آئے۔ یہ دراز قد اور دُہرے بدن کے جامہ زیب آدمی تھے۔ سفید تنزیب کا انگرکھا پہنے ہوئے تھے اور کڑھی ہوئی گول ٹوپی بھوؤں پر بانکپن سے ترچھی رکھی ہوئی تھی۔ ان کی بنی سنوری چڑھی ہوئی سفید داڑھی کی مانگ کا ایک بال بھی بے جگہ نہ تھا۔ ان کے چہرے پر رعب و دبدبہ اور ان کی چال میں وجاہت اور شاہانہ وقار تھا۔

"آج تم بغیر کھائے پیے ہی چلے گئے۔" بیگم نہال نے ذرا تنک کر کہا۔ "کون وقت ہوگیا کب سے راہ دیکھ رہی ہوں۔"

"ابھی تو صرف گیارہ بجے ہیں۔" میر نہال نے دبے لہجے میں جواب دیا: "گلی کے نکڑ پر گھنٹہ کی آواز آئی تھی۔"

اتنے میں دکھین سینی میں کھانا لے آئی۔ بیگم نہال نے تخت پر دسترخوان بچھا کر کھانا چن دیا۔ میر نہال نے انگرکھا اتار کر گاؤ تکیہ پر رکھ دیا۔ جاکر ہاتھ دھوئے اور اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ بیگم نہال قریب بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگیں اور پھر میاں سے بولیں:

"اصغر اللہ رکھے بائیسویں میں ہے۔ اب تمھیں اس کے بیاہ کی فکر کرنی چاہیے خدا نہ کرے کہیں ایسے ویسے فعلوں میں نہ پڑ جائے۔"

اور ذرا میاں بیوی کی گفتگو بھی سنتے جایئے، وہی محبوب مشغلہ، بیٹے کی شادی:

"اں بلا ہر کہ دین ملا! ہر بات میں تم مجھی کو قصور وار ٹھہراتی ہو۔ تمھاری ان باتوں سے تو مجھے مرچیں لگتی ہیں۔ آخر وہ تمھارا بھی تو بیٹا ہے۔ تم خود کیوں نہیں کہتے؟" اور اسی لیے میں اس کی شادی کا کہہ رہی تھی۔" پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے بولیں: "تم اللہ رکھے باہر کے پھرنے والے۔ گھر کی تمھیں خبر نہیں۔ میری جان کو ایک فکر ہو تو کہوں۔ سیکڑوں غم لگے ہیں۔ تمھاری مہردی کا فکر کھائے جاتا ہے۔ لو تم سے کہنا ہی بھول گئی۔" پھر انھوں نے مڑ کر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی۔ جوں ہی وہ مڑیں لالٹین کی روشنی ان کے چہرے پر پڑی اور ان کی محراب دار پیشانی پر تین بل نمایاں ہوگئے۔ "ہاں تو میں کہہ رہی تھی بھوپال سے خط آیا ہے۔ ان لوگوں کو جلدی ہے۔"

ان دونوں کا محبوب مشغلہ کبوتر بازی تھا ایک جھلک آپ بھی دیکھیے:

"میر نہال کے دو ران کبوتر کوٹھے پر لیے ہوئے تھے۔ انھوں نے جاکر کبوتر کھولے۔ وہ ابھی جال میں سے نکلے ہی تھے کہ چھیپی لے میر نہال ان کی طرف لپکے اور زور سے ہش گو کی آواز لگائی۔ کبوتر اڑ گئے۔ ان کی ٹکڑی میں ہر طرح کے جانور تھے کاسنی ازرلال بند، کھیرے اور چپ، جنگلے اور شیرازی۔ کبوتروں نے چھت کا چکر لیا پھر جھنڈی کا اشارہ دیکھ کر مشرق کی سمت تیر کی طرح چل دیے جہاں خواجہ اشرف علی کے رنگین اڑ رہے تھے۔ خواجہ صاحب کی ٹکڑی کے قریب پہنچتے ہی انھوں نے ایک کڑ کی لی اور ان کبوتروں سمیت پلٹ گئے۔ ہر

اور فوراً گھر کا رُخ کیا۔ انھیں آتا دیکھ کر میر نہال نے دو انگلیاں مُنہ میں ڈالیں اور سیٹی بجانے لگے۔ آواز سنتے ہی کبوتروں نے رُخ پھیرا اور دور نکل گئے۔"

روزانہ زندگی کا یہ رنگ ڈھنگ بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ:

"گردشِ روز جہاں سے بے خبر نازک اور معصوم زندگیاں گزرتی رہتیں، ایک دن آتا اور دوسرا چلا جاتا۔ صبح ہوتی شام ہوتی۔ ماہ و سال صدیاں بن جاتے مگر زندگی کی آزمائشوں سے برسرِ پیکار رہتے، مردانہ توتیں تلخئ حیات کا مقابلہ کرتیں اور یہ موتیں دنیا کی آفتوں سے پناہ میں رہتیں۔ ان کا وقت گھر کے روزمرہ کے کام کاج، سینے پرونے میں کٹ جاتا۔"

اور

"دونوں وقت سقہ آواز لگاتا: "پانی لے آؤں"؟ اور جواب ملے بغیر مُنہ پر اندھیری ڈال اندر آجاتا۔ اس کی کمر مشک کے بوجھ سے جھکی رہتی۔ اس کے ہاتھوں کی جلد بارہ مہینے پانی میں بھیگنے سے موٹی اور سخت پڑ گئی تھی اور گھائیاں پھٹ کر سفید سفید کھپرے جم گئے تھے۔ وہ مشک کا تسمہ کھولتا اور غلل غلل پانی مٹکوں میں بھر دیتا . . . ."

دہلی کی جامع مسجد آج بھی بدستور اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس کی سیڑھیاں اب بھی آباد رہتی ہیں۔ لیکن اُس وقت:

"مشرق کی طرف نیچے سیڑھیوں پر چڑی مار طرح طرح کی چڑیاں بیچ رہے تھے۔ جن میں الو، بٹیر، بلبل اور طوطے مینا سے لے کر شین باز، نقرئی، لال، پدڑیاں اور ہُدہُد سب ہی کچھ تھے۔ نچلی سیڑھیوں پر بساطی تھے جن کے پاس رنگ برنگی لنگیاں، کارچوبی ٹوپیاں، موتی اور گوٹے کی، ہیروں کے ازاربند اور چھلے تھے۔ ان سے ذرا ہٹ کر کباڑیے ہر قسم کا سامان لیے بیٹھے رہتے تھے۔ ان میں بوسیدہ کتابوں کے قلمی نسخوں کے علاوہ چینی کے برتن، تابیں، طشت جاناں، غوریاں اور گلدان، قرنوں پُرانے شمع دان، ہنڈیاں اور فانوس، شیشے کی صراحیاں، تیل سوز، دوشاخے اور سہ شاخے، اور یہاں تک کہ چھپر کھٹ اور میز کرسیاں، بڑے بڑے کاٹھ کے صندوق جن پر پچی کاری، جست کی چادروں پر پھول پتی اور رنگین نقش و نگار بنے ہوئے تھے سب ہی کچھ تھا۔

شمالی سیڑھیوں اور مقابل کے میدان میں دوا فروش اور جڑی بوٹی وا-

سانڈھوں اور حواصل کا تیل، شیر کی چربی، ریچھ کے دانت، لومڑی کی دُم اور مگرمچھ کے منہ اور ریڑھ کی ہڈیاں لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ بعضوں کے پاس زندہ گرگٹ، گوہ، سانپ، بچھو، کنکھجورے، نیولے اور جھمگادڑیں تار کے پنجروں اور کاٹھ کے ڈبوں یا بانس کی پٹاریوں میں بند تھیں، ان عطائی نیم حکیم طبیبوں کی جڑی بوٹیاں اور نیل عرقیات کی بوتلیں، چٹکی ڈبکی کی ڈبیاں اور گولیوں اور ٹکیوں کی تھیلیاں، زمین پر پھیلے ہوئے کپڑوں پر بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔"

یوں تو گھروں کے اندر کی زندگی میں کوئی تموج نہ تھا لیکن شادی بیاہ سے تو رونق بڑھ ہی جایا کرتی۔ میر نہال کے لڑکے کی شادی کا دن بھی اپنی گہما گہمی ساتھ لایا:

"آخر جس نیک گھڑی کے لیے بیویوں نے یہ ساری تیاریاں کی تھیں وہ بھی آ پہنچی نکاح سے تین روز پہلے ظہر کے وقت سے ساچق کی ہاڑ نابڑ پڑ گئی۔ وحیدہ بیگم نے کوٹھری کھول کر رنگین کاٹھ کے صندوقوں میں سے چڑھاوے کے سارے جوڑے نکالے کہنے کو تھے تو کل گیارہ مگر سب کے سب بھاری اور زنلواں۔ زربفت اور کمخواب کے بیجامے، گلبدن کے کرتے اور دوپٹے، کسی پر مقیش کے ماہی پشت کے جال اور کسی پر گوکھرو کی دیکمت بھول کی بیل، کسی پر دھنک کی چھڑیاں اور کسی پر کیری کی ترنج، زیور بھی دوہرا تہرا تھا، سادہ کاری اور کندن، نورتن اور ساری الگ گلے میں گلوبند اور چمپاکلی اور چندن ہار، ہاتھوں میں نوگریاں اور جوشن، بازوبند اور پہنچیاں کانوں میں نگر جوڑ دانیاں، کرن پھول اور بالی پتے، پیروں میں جھانجن اور پازیب، ناک کی نتھ اور سر کا جڑاؤ جھومر اور سیس پٹی، وحیدہ بیگم نے سب کو چڑھاوا دکھا دکھا کر لکڑی کے ہشت پہل خوانوں میں سجوا دیا۔ اوپر سے کھیلیں اور مرمرے ڈال جھمک جھمک کرتے ہوئے پٹا پٹی کے خوان پوشوں سے ڈھنک کر شرف اللہ کے حوالے کر دیے۔ بیگم جمال حسب معمول ہدایتیں دینے لگیں:

"اے منجھلی دُلہن، بی چھوڑ دینے کو۔ وقت ہوا جا رہا ہے، اور ابھی تک کسی نے سہاگ پڑے کی خبر بھی نہیں لی۔" اور وہ خود سہاگ پڑا اپنے سامنے چاندی کی سینی میں منگوانے لگیں۔"

یہ تو چند جھلکیاں ہی ہوئیں۔ اسی طرح صفحے صفحے پر ایسا کچھ موجود ہے جو

حسرت ناک بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ تاریخ بھی ہے اور کہانی بھی۔

احمد علی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ 'دلّی کی شام' کے دیباچے میں آخری جملہ یہ ہے کہ "گو آج ہم دلّی کی گہما گہمی سے محروم اور اس کی یاد سے بھی دور ہیں مگر اس کو بھول نہیں سکتے :

گرچہ یاراں فارغند از یادِ من
من از ایشاں راہزاراں یاد باد

احمد علی صاحب نے 'یاراں' کہہ کر کسے پکارا ہے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے 'دلّی کی شام' کی اب ایک حیثیت ہمارے لیے اور بڑھ گئی ہے کہ ہم اُسے "تحفۂ حبیب" بھی سمجھتے ہیں۔

(بقیہ خبریں)

عادل جعفری صاحب 'گلہائے عقیدت' کے نام سے ان نظموں، قطعات و رباعیات کو ترتیب دے رہے ہیں جو شعرائے اُردو غالب کی شخصیت و شاعری سے متاثر ہو کر وقتاً فوقتاً کہتے رہے ہیں۔ شعرائے کرام سے درخواست ہے کہ اپنی اپنی تخلیقات مع مختصر سوانح ذیل کے پتے پر مرحمت فرما کر شکر گزار کریں۔

عادل جعفری صاحب۔ ۹۔ اوشا گنج۔ اندور ۱
(ایم پی)

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ . . . . . سے آپ کی مدت خریداری ختم ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ کتاب نما کی سرپرستی جاری رکھیں گے اور مبلغ دو روپے زرِ چندہ منی آرڈر ۱۵ اکتوبر تک بھیج دیں گے تاکہ یہ سلسلہ قائم رہے۔ آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو ہم سمجھیں گے کہ کتاب نما آپ کی سرپرستی سے محروم ہو گیا، مجبوراً آپ کا پرچہ بند کر دیا جائے گا۔

منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے گا۔ آپ کا خریداری نمبر ہے . . . .

منیجر

جامِ نو

اثرؔ لکھنوی

۱۸۵۵ء — ۱۹۶۷ء

مرزا جعفر علی خاں نام، اثرؔ تخلص، ان کے جدِّ امجد مرزا محمد شفیع، اصفہان (ایران) سے اکبر آباد (آگرہ) آکر مقیم ہوئے تھے، بڑے ماہر طبیب تھے، اس فن میں اپنی مہارت اور شہرت کی بنا پر نواب وزیر شجاع الدّولہ نے ان کو لکھنؤ بلوا لیا۔ شجاع الدّولہ کے بعد نواب صف الدّولہ کے عہد میں بھی ان لوگوں کی بڑی قدر و منزلت رہی طبیبوں کے اس سلسلے کی خری کڑی جناب اثرؔ کے والد ماجد حکیم مرزا فضل حسین خاں تھے، لیاقت، وجاہت اور وسرے اوصاف و کمالات کی بدولت حکیموں کا یہ خاندان لکھنؤ کے نہایت با عزّت و متمول لوگوں میں شمار ہوتا رہا ہے۔

اثرؔ جس زمانے میں پیدا ہوئے لکھنؤ کی بزمِ نشاط افسردہ ہو چکی تھی، مگر اس دور بعض اچھی قدریں، علمی صلاحیتیں اور تہذیبی خوبیاں اثرؔ کے زمانے میں باقی اور برقرار ہیں۔ اسی فضا اور ماحول میں انھوں نے آنکھ کھولی اور پلے بڑھے

۱۸۹۶ء میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جوبلی اسکول میں داخل کرائے گئے۔ ۱۹۰۲ء میں انٹرنس پاس کیا۔ ۱۹۰۶ء میں کیننگ کالج (موجودہ لکھنؤ یونیورسٹی) سے بی۔ اے کیا۔ اور ۱۹۰۹ء میں یو۔پی پراونشل گورنمنٹ میں ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء میں ومتِ برطانیہ کی طرف سے خان بہادر اور اس کے تین سال بعد او۔ بی۔ ای کے خطابات صل کیے اور ڈپٹی کمشنری کے عہدے سے ۱۹۴۰ء میں ریٹائر ہو گئے، نیک نامی اور ن کارکردگی کی بدولت کچھ دن الہ آباد کے اڈیشنل کمشنر اور پھر ریاست جموں کشمیر کے

ہوم منسٹر اور وزیر تعلیم بھی رہے بعد ۱۹۴۶ء کے بعد ان تمام سرکاری اور ریاستی خدمات سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن لکھنؤ میں فروکش ہو گئے، علمی اور ادبی شغلہ عمر بھر رہا، مگر ملازمت کے بعد سے پھر تو سارا وقت شعر و شاعری اور زبان و ادب کی اصلاح و خدمت ہی میں صرف ہونے لگا۔

اخلاق، مروت، عالمانہ انکسار، وضع داری، خوش مزاجی اور نیک نفسی جو قدیم شرافت اور مشرقی تہذیب و تمدن کا جوہر ہیں وہ سب شروع سے آخر تک اثر صاحب کی سیرت، کردار، نیز روزمرہ کے معمول اور معاشرت کا نمایاں جزو بنی رہیں۔

شعر گوئی میں وہ جناب عزیز لکھنوی مرحوم کے شاگرد تھے۔ بڑے پُر گو اور قادر الکلام۔ غزل کے علاوہ اور بھی بہت سی اصناف سخن میں انھوں نے داد سخن دی ہے، فن شعر پر ان کو عبور تھا، زبان دانی میں وہ اپنے تمام ہم عصر اور ہم وطن شعرا میں مستند تھے۔ مشاقی، پختگی، زبان دانی، اور سلاست زوق ان کے کلام کی مسلمہ خوبیاں ہیں۔

شعر و ادب کے معاملے میں وہ کسی سقم یا بے راہ روی کو قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے، اس ضمن میں خود اپنے زمانے کے لوگ ہوں یا اپنے سے پہلے کے، جب اور جس کے یہاں کوئی خامی یا کمی ان کو نظر آئی اُس پر انھوں نے بغیر کسی تکلف کے تنقید بھی کی ہے اچھے سے اور اچھے شاعر کو جی بھر کے سراہتے تھے بہر حال ایک مشاق اور پختہ کار شاعر کے ساتھ ساتھ نقد و نظر کے میدان اور معاملات میں آپ کی ایک رائے اور جگہ تھی۔

اُردو کے علاوہ مشرق و مغرب کی آٹھ نو زبانوں کی بعض مشہور بلکہ شاہکار نظموں کے (منظوم) ترجمے بھی انھوں نے بڑی استادی اور خوب صورتی کے ساتھ کیے ہیں۔ زبان و بیان کے علاوہ اکثر شعری محاسن بھی ان ترجموں میں موجود ہیں۔

مرحوم کی نظم و نثر کی جملہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

اثرستان، بہاراں (غزلوں کے مجموعے)، نوبہاراں (منتخب غزلیں)، رنگ بست (دوسری زبانوں کے شاہکار نظموں کے ترجمے)، چھان بین (تنقیدی مقالات)، اثر کے تنقیدی مضامین، مطالعۂ غالب، انیس کی مرثیہ نگاری اور فرہنگ اثر (سرمایۂ زبان اردو اور نور اللغات کا ناقدانہ جائزہ)

انتخاب

تغزّل

اُسی شخص کو میں نے انسان جانا　　کہ احسان کر کے نہ احسان جانا

جن خیالات سے ہو جاتی ہے وحشت دونی　　کچھ انھیں سے دلِ دیوانہ بہلتے دیکھا

شوق تھا تیغ آزمائی کا　　کہیے! کیا حال ہے کلائی کا؟

کبھی ہے تکیہ ترے کرم پر، کبھی ہے خوفِ عتاب دل میں
یہی ہے جنت، یہی ہے دوزخ، عذاب کیسا، ثواب کیسا

آغازِ محبت ہو کہ انجامِ محبت　　ہے دور، ہمیشہ لبِ ساحل سے کنارا

اُن کی حسرت نہ پوچھو جو تارے　　دامنِ صبح میں بکھر جائیں

مطلب جو شیخ کا ہے وہی برہمن کا ہے　　یونہیں سا اختلاف ہے وہ بھی کبھی کبھی

پھول ڈوبا ہوا گلاب میں تھا　　اُف وہ چہرہ حجاب آلودہ

اس واسطے کہ چین نہ آئے لگی رہیں
دو چار حسرتیں دلِ بے خانماں کے ساتھ

جہاں مل گئے دو محبت بھرے دل　　کہا اک فسانہ سُنا اک فسانہ

چمن سے بھی بڑھ کر جنھیں جان پیاری　　چمن سے اُٹھا لے گئے آشیانہ

ادب لاکھ تھا پھر بھی اس کی طرف　　نظر میری اکثر بہکتی رہی

کچھ دن کی اور کشمکشِ زیست ہے اثر　　اچھی بُری گزرنی تھی جیسی گزر گئی

تمھیں چاہا؟ خطا دل کی، وفا کیوں کی؟ سزا دل کی
گنہگارِ محبت ہوں، نہ کھلواؤ زباں میری

جھپکی ذرا جو آنکھ جوانی گزر گئی　　بدلی کی چھاؤں تھی اِدھر آئی اُدھر گئی

یہ کس کی جدائی میں ہر اک آنکھ ہے پُرنم
یہ کس کو زمانے کی نظر ڈھونڈھ رہی ہے

میرے بھی سیہ خانے میں دم بھر کو چلا آ
میری بھی شبِ تار، سحر ڈھونڈھ رہی ہے

اس انداز سے پہلے کھلتی نہیں تھی　　کلی نے تری مسکراہٹ چُرا لی

سوال آپ کرنا جواب آپ دینا　　یہ فرقت میں تسکیں کی صورت نکالی

مقصودِ زندگی نہیں حُبِّ وطن ابھی　　اپنا سہاگ ڈھونڈھ رہی ہے دُلھن ابھی

جو بھول ہو بہار کا چشم و چراغ ہو　　مالی ترا چمن نہیں ایسا چمن ابھی

پامال ہوتے ہوتے بھی خوشبو لٹا گئے　　سیکھا نہیں بشر نے گلوں کا چلن ابھی

نکہت میں رنگ، رنگ میں مستی شراب کی
تصویر ایک یہ بھی ہے تیرے شباب کی
اس لعل لب پہ یوں ہے تبسم کی اک جھلک
جیسے شفق میں ڈوبی کرن آفتاب کی
اک دوسرے کے حسن و محبت ہیں رازداں
حاجت سوال کی نہ ضرورت جواب کی

ہم کو اپنا تو کہا ساقیٔ دریا دل نے　　بہتی گنگا میں مگر ہاتھ نہ دھونے پائے

خواب کیا کیا تھے سُہانے مگر اُن کی تعبیر　　کھیلنے کے لیے بچوں نے کھلونے پائے

آنکھ میں اشکِ ندامت ڈبڈبا کر رہ گئے
ہم یونہیں اکثر دعا کو ہاتھ اٹھا کر رہ گئے
اُن پہ ہنسیے شوق سے جو مائلِ فریاد ہیں
اُن سے ڈریے جو ستم پر مُسکرا کر رہ گئے

بھلانا جو چاہا تو یاد اور آئے　　وہ عشرت کے لمحے وہ بیتے زمانے

منظومات

سبھی پیتے ہیں

دھرتی پیتی ہے مینہ کا پانی　　اور شجر پیتے ہیں نمی اس کی

خود سمندر ہوا کا پیاسا ہے　　اور سمندر کا چاند ماتا ہے

بندہ بھی مہربان پیتا ہے　　جب کہ سارا جہان پیتا ہے

(یونانی)

یاد اُس جانِ تمنا کی رلاتی ہے مجھے

اُف انوکھی وہ سجاوٹ وہ رسیلی چتون　　چمپئی رنگ پہ چندن کی وہ بندی کی پھبن

کِھل گیا جیسے چمن، یہ تھا ہنسی کا نقشہ تازہ اک پھول کنول کا تھا شگفتہ چہرہ
بسترِ ناز سے اٹھنے پہ یہ تھا جس کا حال چھوئی موئی کی طرح دردِ جدائی سے نڈھال
یاد اس جانِ تمنا کی رُلاتی ہے مجھے

جیسے پیغامِ سحر پر کوئی نرگس کی کلی مُسکراتی ہے کبھی اور لجاتی ہے کبھی
یہی اُن انکھڑیوں میں نیند کا نقشہ دیکھا خوابِ رنگیں کے تصوّر کا کرشمہ دیکھا
یاد اُس جانِ تمنا کی رُلاتی ہے مجھے

وصل کے بعد یہ تھا شرم سے اُس کا عالم سُرخی آنکھوں کی نہ تھی خونِ کبوتر سے کم
اور کندن سے دمکتے ہوئے چہرے پہ عرق گُل کے رُخسار پہ غازہ ملے جس طرح شفق
یوں تھی اک بوند پسینے کی لبِ نازک پر جھلملاتا ہو ستارا کوئی ہنگامِ سحر
یاد اُس جانِ تمنا کی رُلاتی ہے مجھے

بھولی صورت پہ غضب اُس کا وہ اندازِ حجاب جس سے مدہوش ہو عالم وہ شراب اُس کا شباب
جیتے جی اُس کو جو پھر ایک نظر دیکھ سکوں عیشِ لافانیٔ فردوس کو قرباں کر دوں
یاد اُس جانِ تمنا کی رُلاتی ہے مجھے

کیوں کٹھن ہو نہ مجھے زیست کا اک اک لمحہ دور جب اُس سے رہوں لطف نہیں جینے کا
کاٹ دے کاٹ دے اے موت گلے کا پھندا صبر جاوید سکونِ ابدی کر کے عطا
یاد اُس جانِ تمنا کی رُلاتی ہے مجھے		(سنسکرت دوہے)

چوری

چاندنی چھائی تھی اُدھر گلشن میں محوِ گلگشت اُدھر رشکِ چمن گلشن میں
"کنج میں کیجیے آرام" نزاکت نے کہا بچھ گئے چار طرف دامِ نظر گلشن میں
ناز سے اُس نے اُدھر بندِ قبا کھول دیا
اور غنچوں نے اِدھر دستِ دُعا کھول دیا

دل سے مجبور تھا جھونکا تو بھلا کیا دیکھا ایک نازک سی کرن کا یہ تماشا دیکھا
دبکی دبکی بڑھی، عارض کی بلائیں لے لیں لعلِ لب چومے، نہ چونکی، یہ سلیقا دیکھا
چپکے سے اُڑ گئی، وہ رقص کناں سوئے فلک
مجھ پہ لے دے ہے، نہیں جاتا گماں سوئے فلک		(بھرتری ہری)

طفیلؔ ہوشیارپوری

غزل

مرحلہ دید کا تکرار تک آپہنچا ہے
طور سے چل کے جنوں دار تک آپہنچا ہے

بات آپہنچی ہے اندیشۂ رسوائی تک
جذبۂ دل لبِ اظہار تک آپہنچا ہے

شعلۂ عشق جو روشن ہے مرے سینے میں
رنگ بن کر ترے رخسار تک آپہنچا ہے

نام کو بھی نہیں اب دل میں کدورت کا نشاں
آئینہ عکسِ رخِ یار تک آپہنچا ہے

حسنِ مستور اسے اپنی تجلی سے نواز
ایک سایہ تری دیوار تک آپہنچا ہے

شعلے نے لے لیا آغوش میں پروانے کو
جب یہ سمجھی مرے معیار تک آپہنچا ہے

اُن کی سرشار نگاہوں کا تصور جیسے
میکدہ خود لبِ میخوار تک آپہنچا ہے

اب کسے منزلِ جاناں پہ رسائی کا خیال
ہر قدم کوششِ بے کار تک آپہنچا ہے

برملا کہتی ہے یہ وقت کے ماتھے کی شکن
دَور یہ کیفرِ کردار تک آپہنچا ہے

مطمئن قبر کی آغوش میں ایسے ہے طفیلؔ
راہرو جیسے درِ یار تک آپہنچا ہے

(دستۂ گل" (رودادِ انڈو پاک مشاعرہ) صفحات ۶۰، سائز ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۔/۱ (حوالہ صد ۲۴)

مرتبہ: مدن موہن گوپال

پریم چند کے تین خط

خط بنام دیا نرائن نگم

ستمبر ۱۹۱۰ء

برادرم آج ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ اب مفصل خط لکھ رہا ہوں۔ اب کی میں نے "وکرما دت کا تیغہ" ایک قصہ لکھنا شروع کیا ہے۔ بارہ تیرہ صفحے ہو چکے ہیں، شاید پانچ چھ صفحے اور چلیں۔ جلد ہی ختم کر کے بھیجوں گا۔ پریم چند اچھا نام ہے۔ مجھے بھی پسند ہے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ پانچ چھ سالوں میں نواب رائے کو فروغ دینے کی جو کچھ محنت کی گئی۔ وہ اکارت ہو گئی۔ یہ حضرت قسمت کے ہمیشہ لنڈورے رہے ہیں اور شاید رہیں گے۔ یہ قصہ میرے خیال میں کئی مہینے سے تھا۔ میں نے اپنے خیال میں رو بندر ناتھ[1] کے طرز کی کامیابی کے ساتھ پیروی کی ہے مگر بری نقل نہیں ہے۔ پلاٹ بالکل اوریجنل ہے۔ میں نے کئی قلم توڑ دیے اور دس پانچ ورق بھی کالے کر ڈالے معلوم نہیں آپ کو بھی پسند آتا ہے یا نہیں۔ یہ قصہ ملا کر میرے پانچ قصوں کا مجموعہ نکلنے کا مسالہ ہو جائے گا۔ اگن کنڈ۔ سیر۔ سازندھا۔ بے غرض محسن (جو ادیب میں نکلے گا) اور وکرما دت کا تیغہ۔ اگر آپ اس مجموعے کو نکالیں گے تو میں اس میں کاغذ اور لکھائی کے متعلق جس قدر صرفہ آپ تجویز کریں گے، دوں گا۔ اور اگر آپ خود نکالیں تو اور بھی اچھا ہے جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ مگر ایسا ہو کہ نئے سال تک تیار ہو جائے۔ اس مجموعے کا نام "برگ سبز" سوچا ہے، شاید آں جناب کو پسند آئے۔ شاید اس لیے کہ میں ناموں میں آپ کی پسند کا قائل ہوں۔

رام سرن کا خط مجھے اس وقت ملا، جب ڈراما لکھنے کے لیے ایک ہفتہ کی مہلت

---

[1] رابندر ناتھ ٹیگور

بھی نہ تھی کہ جا میں اور کہاڈرا ما۔ گانا بالکل نہیں جانتا۔ اگر کوئی گانا ملا دے تو میں اپنے ڈرامے کے تیسے کو ڈراما بنا سکتا ہوں۔

اب کچھ روپیہ پیدا کرنے کی بات چیت! اب کی ایجوکیشنل گزٹ الہ آباد نے میگہ میں ساون کی یاد اور مرزا سلیمان قدر کے حالات 'زمانہ' سے نقل کیے ہیں۔ مگر حوالہ نہیں دیا۔ خیر وہ زمانہ کے قائل ضرور معلوم ہوتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کی طرف سے میں اس کے لیے کبھی کبھی مضامین لکھا کروں۔ میرے لیے کلکٹر کو ہر ایک مضمون دکھانے کی ایسی بُری پخ لگی ہے کہ ایک مضمون مہینوں میں لوٹ کر آتا ہے اور چھٹویں مہینے چھپتا ہے، ریاست بھوپال اب جا کر چھپا ہے۔ مگر ایڈیٹر صاحب طویل مضمون نہیں لیتے۔ چار پانچ کالم سے زیادہ کے مضمون لیتے ہی نہیں۔ اگر آپ اس میں کوئی امر خلاف شان نہ سمجھیں تو میں کبھی کبھی ایک آدھ مضمون اُردو اور ہندی میں لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں۔ اور آپ اسے اپنی جانب سے انسپکٹر صاحب نارمل اسکولز کے پاس بھیج دیں یہی اس گزٹ کے ایڈیٹر ہیں۔ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور نہ کوئی علمی بے ایمانی ہے۔ اس کا جواب ضرور دیجیے گا۔ پریم چند کا نام میں وہاں نہیں دینا چاہتا۔ نہیں معلوم یہ حضرت ہاتھ پیر سنبھالنے پر کیا لکھیں پڑھیں۔ انھیں نفقہ گو ہی رہنے دیجیے۔ بیٹھے بیٹھے پریم اور بیر رس کے قصے لکھا کریں۔ دسمبر میں الہ آباد میں ضرور ملاقات ہوگی۔

نوبت رائے نے مجھ سے ۲۵ (۲۵ روپے) طلب فرمائے۔ میں نے لکھا علمی دنیا میں اس طرح کی بات چیت مناسب نہیں۔ اس پر آپ نے مجھے وعدہ شکن کہا۔ اور دھمکی دی کہ میں اس کی تشہیر کر سکتا ہوں۔ دیکھا یہ سینہ زوری ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تب سے پھر لکھا پڑھی نہیں ہے۔ آج ایسے تین مضامین کابل بھیجتا ہوں۔

ناول شروع کر دیا ہے۔ مگر اس کے لیے راجستھان کے مطالعے کی ضرورت ہے۔

آپ کو خانگی تردّدات سے فرصت ملی یا نہیں۔ دو مہینے سے زمانہ میں رنگین تصویر اچھی نہیں نکلی۔ روی ورما اب گر گئی ہیں۔ رویندر رناتھ سے بہ حیثیت ایک قدردان فن تصویر کے کیوں خط و کتابت نہیں کرتے۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو تصویروں کا خاص انتظام کرنے کے لیے ایک بار کلکتہ جا کر بیس تیس روپے کا صرفہ برداشت کر لیتا۔ سعدی کی تصویر ادیب کو کہاں سے مل گئی۔

اور تو کوئی خاص حال نہیں۔ بیگم صاحبہ کی ہوا کھا رہی ہیں۔ میں تیزی کے ساتھ بوڑھا ہو رہا ہوں۔ شاید چالیس تک دلی کھنگر ہو جاؤں۔
مجھے زمانہ میں رفتار نہیں نظر آتا۔ یہ چھکلے جو آپ لکھتے ہیں رفتار نہیں کہلا سکتے اب کے مہینہ سے میں نے مصمم ارادہ کیا ہے کہ چار صفحوں کا نوٹ ماہوار زمانہ کی نذر کیا کروں۔
اکتوبر نمبر میں انشاء اللہ ضرور ہوگا۔ سرور مر گئے کہ زندہ ہیں۔
ستمبر کب تک آوے گا۔

نیازمند نواب

بنام امتیاز علی تاج

گورکھپور۔ ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء

جناب مشفق تسلیم۔ نوازش نامہ صادر ہوا۔ آپ اپنے سلسلۂ اشاعت کی توسیع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ امر میرے لیے خاص طور پر باعث اطمینان ہے۔ اُردو میں رسالے اور اخبارات تو بہت نکلتے ہیں۔ شاید ضرورت سے زیادہ۔ اس لیے کہ مسلمان ایک لٹریری قوم ہے اور ہر تعلیم یافتہ شخص اپنے تئیں مصنف ہونے کے قابل سمجھتا ہے۔ لیکن پبلشروں کا یکسر قحط ہے سارے قلمرو ہند میں ایک بھی ڈھنگ کا پبلشر موجود نہیں۔ بعض جو ہیں ان کا عدم اور وجود برابر ہے۔ کیونکہ ان کی ساری کائنات چند رذی ناول ہیں۔ جن سے ملک یا زبان کو کوئی فائدہ نہیں۔ عرصہ ہوا "دائرۃ الادب" دہلی میں قائم ہوا تھا۔ اور بڑے طمطراق سے چلا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اس کے ناظم صاحب کا جوش فرو ہو گیا اور وہ کچھ اس طرح غائب ہو گئے کہ معاملہ داروں کا حساب تک صاف نہ کیا۔ اس لیے میں آپ کی اس تجویز سے بالکل مطمئن ہوں۔ لیکن معاف فرمائیے گا۔ ایک ادبی رسالہ کا بار اپنے سر پر رکھتے ہوئے آپ اپنی نئی تجاویز میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس میں مجھے شک ہے۔ ایک اوّل درجہ کا اردو رسالہ ایک آدمی کو ہمہ تن مصروف رکھنے کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ ورنہ اس کا معیار سے گر جانا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں آپ دونوں کام کامیابی سے نہیں کر سکتے تاوقتیکہ آپ کو کوئی ہوشیار اسسٹنٹ نہ مل جائے۔ اور چونکہ آج کل لاہور میں بلا

معقول معاوضہ کے ہوشیار آدمی نہیں مل سکتا۔ اور کہکشاں کے لیے یہ بار شاید نا قابل برداشت ہو۔ اس لیے آپ کو اس کے سوا اور مفر نہیں۔ کہ یا تو اشاعت کے ہوں یا کہکشاں کے۔ میری ناچیز رائے ہے کہ اگر آپ اشاعت کا کام سرانجام دے سکتے ہیں تو کہکشاں کو خیرباد کہیے۔ کہکشاں جو کام کر رہا ہے۔ وہی کام اور بھی کئی ممتاز رسالے کر رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر پبلشنگ کا میدان بالکل خالی ہے اور زبان کی خدمت کرنے کے جتنے موقعے اشاعتِ کتب کے ذریعے مل سکتے ہیں ماہوا رسالہ سے ممکن نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماہواری صحائف سے زبان کی خدمت نہیں ہوتی۔ مگر رسائل کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔ اور اس کے حدود اسے تصنیف کے اکثر شعبوں سے بے فیض رکھتے ہیں۔ اُردو رسالوں میں آپ کوئی ضخیم اور محققانہ تاریخی تصنیف نہیں شائع کر سکتے۔ تاوقتیکہ وہ آپ کے روبرو خوردبینی صورت میں نہ پیش کی جائے۔ علیٰ ہذا "فلسفہ"، "شعر"، "نظریات"، "کیمیات"، وغیرہ وغیرہ سبھی اصناف کلام کا دروازہ آپ کے لیے بند ہے۔ آپ کو چلتے ہوئے مضامین "تفریح بخش چٹکلے"، "دلچسپ شاعرانہ تذکرے"، "رنگین قصے چاہئیں۔ یہاں تک کہ آپ کوئی ضخیم ناول ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈرتے ہیں تو جناب جھٹ پٹے مضامین سے ناظرین کی ضیافتِ طبع چاہے ہو جائے لیکن زباں کی کوئی مستقل خدمت نہیں ہو سکتی۔ ایسے مضامین سے زبان کے مستقل سرمایہ میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں ہوتا۔

اُردو کو ہر ایک شعبہ کی اچھی اور مستند کتابوں کی جتنی ضرورت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں اور حالانکہ اس بے بضاعتی کا باعث ایک بڑی حد تک ہماری سیاسی بے دست و پائی ہے۔ تاہم ہم نے اپنے لٹریچر کی طرف ابھی اتنی توجہ نہیں کی جس کا وہ مستحق ہے۔ اگر ہمیں اپنی لاج رکھنی ہے تو اپنے لٹریچر کو فروغ دینا پڑے گا اور چاہے یہ کام افراد کریں یا مجموعہ افراد۔ مگر اسے کاروباری اصولوں پر کیے بغیر استحکام نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ ایک مشترکہ سرمایہ سے کوئی پبلشنگ کا کام جاری کر سکیں تو کیا کہنا۔ لاہور جیسے تجارتی مقام پر ایسی کمپنی کھولنی بہت مشکل نہ ہونی چاہیے۔ بہرحال اگر آپ اشاعت کے کاروبار میں ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو کہکشاں کو بند کیجیے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ آپ کو اس کے جاری رکھنے میں سراسر خسارہ ہے۔ یہی میری دوستانہ صلاح ہے۔ امید ہے

آپ میری صاف گوئی کو معاف فرمائیں گے۔

خاکسار پریم چند

بنام شورانی دیوی

کاسی

پریہ رانی

میں تمھیں چھوڑ کر کاشی آیا۔ مگر یہاں تمھارے بنا سونا سونا لگ رہا ہے۔ کیا کہوں تمھاری بہن کی بات کیسے نہ مانتا۔ نہ ماننے پر تمھیں بُرا لگتا جس سے پر تمھیں انھوں نے روکا جی مسوس کر رہ گیا۔ تم تو اپنی بہن کے ساتھ وہاں خوش ہوگی۔ مگر میں یہاں پریشان ہوں۔ جیسے ایک گھونسلے میں دو چڑیاں رو رہے ہوں اور ان میں سے ایک کے نہ رہنے پر ایک پریشان ہو۔ تمھارا یہی خیال ہے کہ تم وہاں موج کرو اور میں تمھارے نام کی مالا پھیرا کروں۔ تم میرے پاس رہتی ہو تو میں کبھی بھول کر بھی کہیں باہر جانے کا نام نہیں لیتا۔ تم آنے کا نام نہیں لیتیں۔ میں ۵ تاریخ کو پریاگ یونیورسٹی میں بلایا گیا ہوں یہی بات ہے کہ میں ابھی تک نہیں آیا۔ نہیں تو اب تک کبھی کا پہنچ گیا ہوتا۔ اسی لیے میں صبر کیے بیٹھا ہوں۔ اب تم پندرہ تاریخ کو آنے کے لیے تیار رہنا۔ سچ کہہ رہا ہوں گھر مجھے کھائے جا رہا ہے۔ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ کیا سبھی کی طبیعت اسی طرح چنچل ہو جاتی ہے یا میری ہی۔ تمھارے پاس روپے پہنچ گئے ہوں گے۔ اپنی بہن کو میرا نمستے کہنا۔ بچوں کو پیار۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پتر کے ساتھ ہی میں بھی پہنچوں۔ جواب جلد لکھنا۔

تمھارا دھنپت

("پریم چند کے خطوط" ۲۴×۲۰/۱۶ صفحات ۳۹۰ قیمت ۵۰/۶ (حوالہ صفحات ۹ تا ۲۱ ستمبر ۸ تا ۸۶، ۳۰۳ تا ۳۱۴)

(صفحہ ۲۶ کا بقیہ) کتابیں زیادہ سے زیادہ شائع ہوں اور انھیں زیادہ سے زیادہ خریدا جائے تاکہ اس طرح ان لوگوں کے ہاتھ بھی مضبوط ہوں جو اس برائی کو دور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں

ریحان احمد عباسی

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف / مترجم	ناشر	قیمت
تلاشِ حق (آپ بیتی) مہاتما گاندھی	مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین	دہلی، گاندھی سمارک ندھی	
تذکرہ [illegible]	مولانا ابوالحسن امیر الدین احمد مترجمہ ڈاکٹر مجیب قریشی	دہلی، علمی مجلس کتب خانہ	۵/-
رباعیات غالب فارسی مع اردو ترجمہ	مرتبہ امیر حسن نورانی	لکھنؤ، ادارہ فروغ اردو	۳/-
کلیاتِ غالب فارسی مع مقدمہ	〃 〃	〃 راجہ رام کمار بکڈپو	۱۵/-
جدید نظمیں	ساجد عابدی	اندور سٹی، پاپولر بکس کارنر	۱/-
نجم آفندی ایک نظر میں	ڈاکٹر خلیل احمد مشیر	〃 〃 〃	۱/۰
مضامین نو	خ۔ احمد بیگ اور ش۔ احمد صدیقی	〃 〃 〃	۱/۷۵
ہفت تماشا	مرزا قتیل	دہلی، مکتبہ برہان	۹/-
ابتدائی اسکول میں تعلیم کے طریقے	مترجم: جلیس عابدی	〃 چمن بکڈپو	۱/۵۰
امراؤ جان ادا (ناول)	مرزا رسوا	〃 〃 〃	۴/۵۰
اپنے بیگانے	〃 عارف مارہروی	〃 پنجابی پستک بھنڈار	۲/۵۰
عالیہ	〃 زبیدہ خاتون	لکھنؤ، مکتبہ اردو	۸/-
حمیرا	〃 〃 〃	〃 کتابی دنیا	۱۲/-
کاوش	〃 مسعود جاوید	〃 〃 〃	۱۲/-
اردو شاعری میں منظر نگاری	سلام سندیلوی	〃 نسیم بک ڈپو	۱۰/-
انشائے ماجد اول (نیا اڈیشن)	عبدالماجد دریابادی	〃 〃 〃	۵/۵۰
سبزۂ بیگانہ (شعری مجموعہ)	طالب دہلوی	دہلی، طالب دہلوی	۴/-
کشمیر کی سیر	〃 〃 〃	〃 〃 〃	۱/۰
سمندری جوان اور دوسرے اور جرمن افسانے	ترجمہ: منور لکھنوی	〃 آدرش کتاب گھر	۶/-

جائزے

(تبصرے کے لیے کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

مولانا ابوالکلام آزاد

از: عابد رضا بیدار
صفحات: ۲۹۴ سائز ۲۲×۱۸/۸
قیمت: ۲۰ روپے
سنہ اشاعت: ۱۹۶۸ء
پبلشر: انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز
رام پور، یوپی

مرتب کے الفاظ میں: "یہ کتاب میری اب تک کی منتشر کوششوں سے بنی ہوئی ایک حد تک ذہنی شیرازہ بندی کی جانب پہلا قدم ہے"۔ انہیں کے الفاظ میں "اس کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت، سوانح اور افکار کے تجزیاتی مطالعے کی ایک بھرپور کوشش کی گئی ہے"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیدار صاحب نے بڑی دل سوزی اور محنت کے ساتھ اس مبحث پر مواد جمع کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ اس مواد کی مدد سے جس کا بیشتر حصہ خود مولانا آزاد کی تحریروں ہی پر مشتمل ہے، مولانا کی شخصیت کا ایسا نقش ابھارا جائے، جس میں اُن کے ذہن، اندازِ فکر اور طرزِ احساس کی جھلکیاں صاف صاف نظر آجائیں۔ یہ بھی ایک انداز ہے کسی اہم شخصیت کو سمجھنے سمجھانے کا، لیکن اس کے لیے یہ شرط ہے کہ لکھنے والا ایسی جذباتی وابستگی سے بے تعلق سا رہے جس سے اندازِ بیان میں غیر حقیقی رنگ کی آمیزش ہو جایا کرتی ہے۔ ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب میں متعدد جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود اسی اندازِ بیان کے اسیر ہو گئے ہیں، جس کی زیریں لہریں مولانا آزاد کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ شروع میں ۵۰ صفحات کا مقدمہ ہے۔ اس میں وہ خطوط بھی ہیں جو مرتب کے نام دوسروں نے لکھے تھے بعض مباحث کے سلسلے میں۔ یہ غیر ضروری جزو ہے۔ اور اس سے ترتیب میں اور سلسلہ مطالب میں انتشار سا پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مرتب کا اپنا لہجہ تجزیاتی

کم اور معانی زیادہ ہے اور اس سے جو صورتِ حال پیدا ہو سکتی ہے وہ موجود ہے۔ رومانی عناصر، منطقی استدلال اور منطقی طرزِ استخراجِ نتائج کی راہ میں ہمیشہ حائل ہوا کرتے ہیں یہ مسلمات میں سے ہے۔

کتاب کا انتساب قاضی عبدالودود صاحب کے نام کیا گیا ہے، انتساب کی عبارت میں نیاپن ہے اور مرتب نے جو انداز اختیار کیا ہے اور جس طرح مختلف افراد کا ذکر کیا ہے وہ بہت خوب ہے۔ اس سے قاضی صاحب کی عظمت کے ساتھ ساتھ، مرتب کتاب کی صحتِ فکر کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ مولانا آزاد کے خطوط میں جن اختلافاتِ عبارت کی نشان دہی کی گئی ہے وہ بے حد عجیب اور کام کی چیز ہے۔ مرتب نے صاف صاف تو نہیں لکھا ہے لیکن اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ خود مولانا آزاد نے ان خطوں پر اس خیال کو پیش نظر رکھ کر نظرِ ثانی کی ہے کہ وہ چھپیں گے اور عبارت کو باضابطہ بنایا ہے اس سے خود غبارِ خاطر کے متعلق بھی رائے قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہے اور مولانا آزاد کے اندازِ نظر کو سمجھنے میں بھی یہ معاون ہو سکتے ہیں۔ ص ۲۳۰ پر "موج زخود رفتہ تیز خرامید و گفت" کو رباعی کا مصرعہ بنایا گیا ہے۔ یہ رباعی کا وزن نہیں، ص ۳۳ پر ایک جملہ ہے: "یہ ایک انفرادی سوچ ہے"۔ عابد رضا بیدار جیسے خوش ذوق سے اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ لفظ سوچ کو اس طرح استعمال کریں گے۔ ایسی ایک دو مثالیں اور بھی ہیں۔ بیدار رضا صاحب شہزاد اور احمد فراز کی شاعری کے مداح ہیں اور یہ اثر وہیں کی دین معلوم ہوتا ہے۔

۲۴۹ صفحے کی اس کتاب کی قیمت بیس روپے ہے۔ جب کہ کتاب نہایت معمولی ہے اور کاغذ وہی جو عام طور پر ایسی کتابوں میں معمولی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ یہ زیادتی ہے بلکہ بڑی زیادتی ہے اس سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرتب کی زیادہ توجہ قیمت کے تعین پر مبذول رہی ہے۔ گرد پوش سادہ، مضبوط اور عمدہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا آزاد کے سلسلے کی قابلِ ذکر کتابوں میں اس کتاب کو بھی جگہ ملے گی۔

سعادت علی صدیقی

●

ریت کے پھول

آرم نصرت

صفحات : ۹۴ سائز : ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت : ۲ روپے پچاس پیسے

پبلشر : کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ بمبئی ۹

یہ اقوال و افعال کا مجموعہ ہے جسے ایک شاعرانہ اور فلسفیانہ ذہن نے تخلیق کیا ہے۔ یہاں فکر و فن کی آمیزش ہے اور زندگی کو نکھارنے کا حوصلہ پایا جاتا ہے۔ عبارت میں صناعی دکھائی دیتی ہے اور جذبات میں طہارت۔ لیکن یہ فکر کی اکائیاں اپنی سطح رکھتی ہیں۔ بعض واضح ہیں، بعض مبہم بعض بالکل سپاٹ اور بعض مجسّم اسرار و رموز۔ چند ملاحظہ ہوں:۔

— تڑپنے میں مزہ ضرور ہے
لیکن مزے کی خاطر تڑپنے والے مزہ نہیں اٹھا سکتے۔

— میں نے سمندر کے آگے اپنے آپ کو عریاں کر دیا اور دیکھنے والوں نے مجھ پر قہقہے لگائے۔

— قول و فعل دو خطوط ہیں، متوازی، جو آپس میں نہیں مل سکتے۔

— مفت خورے کا نام سا ہوگا۔ یہ محنت کشوں کی دنیا کا پروردگار ہے۔

— تلفظ کی غلطیاں، اندازِ تحریر پر اثرانداز نہیں ہو سکتیں۔

— انسان عقل کا تابع ہے، حالانکہ اُسے عمل کا تابع ہونا چاہیے۔

— بعض تصادم بڑے حسین ہوتے ہیں۔

اس فیصلے پر قاری کے اپنے مذاق و مزاج کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ اسے کچھ اقوال و افکار 'زریں' نظر آئیں گے اور کچھ محض 'ذرے' لیکن اتنا بھی کچھ کم نہیں، کیونکہ انہی کاوش سے اُردو کا دامن وسیع ہوتا ہے۔

آدم نصرت، خلیل جبران کے معتقد اور معترف ہیں۔ اس مجموعے میں راجندر سنگھ بیدی کا ایک مختصر 'ابتدائیہ' بھی شامل ہے جس کی شروعات ان جملوں سے ہوتی ہے:

"آدم نصرت احساسات کی اس انتہائی منزل تک پہنچے ہیں جہاں حوصلے کے پر جلتے ہیں۔ جہاں ہونٹ، آنکھیں، اور کان بند کرنا پڑتے ہیں اور پھر ایک ملکوتی نغمہ، ایک ید بیضا آپ کی رہنمائی کرتا ہوا آپ کو ایسی دنیا میں لے جاتا ہے۔ جہاں کی سیر کے بعد اس کثیف کرۂ ارض کے سب رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں اور یہاں کے رشتے جھوٹے نظر آتے ہیں اور آدمی، علم سے زیادہ عرفان کی اساس کو پا لیتا ہے۔"

یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو خود ایک بڑا فن کار ہے۔ اس لیے ہم سب کے لیے بہت کچھ وقعت رکھتی ہے — کتاب، صاف ستھری چھپی ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

فرقہ پرستی نہرو کی نظر میں

مرتبہ: نندلال گپتا　مترجم: عنایت اللہ
سائز: ۱۸×۲۲　صفحات: ۲۸۰
قیمت: -/۶　ناشر: فرقہ واریت ورودھی کمیٹی
۱۵-بی والسن مارگ، راجندر نگر، نئی دہلی ۵

فرقہ پرستی یا فرقہ واریت کی وجہ سے جمہوریت کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ وہ ہماری قوم، ہماری تہذیب اور ہمارے معاشرے کو جس طرح اور جتنی تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہی ہے اور اس طرح پورے ہندوستان کی سالمیت اور بقا کو جو سخت ترین خطرہ پیدا ہو گیا ہے اسے اگر اب بھی نہ روکا گیا تو خدا نہ کرے یہاں وہ سب کچھ ہو جانے کے آثار نظر آنے لگے ہیں جس کو لکھتے ہوئے بھی قلم تھرآتا ہے۔

فرقہ واریت کے زہر کو پھیلنے اور پھیلانے میں کون لوگ یا کون جماعتیں مدد دیتی ہیں یا حکومت کی کہاں تک ذمہ داری ہے یا اس کی کیا مجبوریاں یا مصلحتیں ہیں، اس پر پہلے سے ہی بہت کچھ کہا اور لکھا جاتا رہا ہے لیکن شاید یا تو کہنے اور لکھنے والوں کی تحریروں اور باتوں میں اثر ہی نہ رہا یا پھر فرقہ واریت کے مجرم اتنے سیاہ دل، اتنے بے حس اور اتنے خود غرض ہو گئے ہیں کہ وہ ایسی نصیحتوں سے قطعی متاثر نہیں ہوتے اور نتیجے سے بے پروا اپنے سیاہ کرتوتوں میں اب بھی برابر لگے ہوئے ہیں۔

آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اپنی زندگی میں اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی اور نہایت صفائی اور بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اصل مجرموں کی نشان دہی کی اور انھیں اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ جناب نندلال گپتا نے پنڈت جی کی ایسی ہی تقریروں اور تحریروں کو بڑی کاوش سے مرتب کیا ہے اور جناب عنایت اللہ خاں نے اسے سلیس اور بامحاورہ زبان میں ترجمہ کر کے اردو داں طبقے پر واقعی احسان کیا ہے جس کے لیے دونوں حضرات ہی شکریے کے مستحق ہیں۔ فرقہ واریت کے بارے میں پنڈت جی کا کیا تصور اور کیا نظریہ تھا اور ان کے نزدیک کون مجرم ہیں، ان سب باتوں پر تو اس کتاب سے روشنی پڑے گی ہی لیکن کوئی تعجب نہیں کہ وہ آواز جسے سننے کے لیے ہمارے کان ترستے ہیں، اب اپنا اثر دکھلا دے اور اسے پڑھ کر ہی ہماری آنکھیں کھل جائیں۔

فرقہ واریت کو ختم کرنے کے سلسلے میں جو حضرات اور ادارے کام کر رہے ہیں وہ بہرحال ہمت افزائی اور تعریف کے مستحق ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس طرح کی (باقی ص۱۲ پر)

ادبی خبریں

اُردو کے مایۂ ناز ادیب پروفیسر نجیب اشرف ندوی کا ۶ر ستمبر ۱۹۶۸ء کو بعمر ۶۸ سال بمبئی میں اُن کی رہائش گاہ اندھیری پر انتقال ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون
ندوی صاحب ایک متبحر عالم، ایک صاحب طرز ادیب، ایک عظیم انشا پرداز اور ایک انتہائی رفیع المنزلت انسان تھے۔ انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو جس خلوص، محنت اور لگن سے انھوں نے پروان چڑھایا اور اُسے جو بین الاقوامی شہرت نصیب ہوئی وہ سب مرحوم کی اَن تھک محنت اور خدمت کا ہی نتیجہ ہے۔ ادارہ کتاب نما دعائے مغفرت کے بعد پس ماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

●

لاہور۔ علامہ اقبال کے کلام کا مصوّر اڈیشن عمل چغتائی، اشاعت کے آخری مرحلوں میں ہے۔ اس اڈیشن کو عبدالرحمٰن چغتائی نے بیس سال کی محنتِ شاقہ کے بعد مکمل کیا ہے۔ اس کی اشاعت پر کم و بیش تین لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ اس اڈیشن میں کم و بیش سَو تصویریں رنگین لوح، جمیل صفحات، قدیم ایرانی اور مغل رقعوں کی صورت میں شامل ہیں۔ اس اڈیشن میں بعض تصاویر ایسی ہیں جو علامہ کی زندگی میں بنائی گئی تھیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو ان کے مطالعے میں رہی ہیں　　(افکار)

●

علمی حلقوں کے لیے یہ اطلاع باعثِ مسرت ہوگی کہ مرزا غالب کا مکمل فارسی کلام ہندوستان میں پہلی مرتبہ یک جا شائع ہو گیا ہے۔ اس فارسی کلیات میں دیوان مطبوعہ ۱۸۴۵ء اور مطبوعہ ۱۸۶۳ء کے علاوہ سبد چین، باغ دودر اور متفرقاتِ غالب کے نام سے بہت سے ایسے اشعار بھی شامل کیے گئے ہیں جو قدیم رسائل یا بیاضوں سے دستیاب ہوئے۔ کلیات کی ترتیب امیر حسن نورانی صاحب شعبۂ اُردو دلی یونیورسٹی نے دی ہے اور اسے وارث مطبع نولکشور، راجہ رام کمار بک ڈپو، لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سب سے پہلے

اسی ادارے سے خود غالب نے ۱۸۶۳ء میں اپنا فارسی کلام شائع کرایا تھا۔

●

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نئی دہلی سے حاصل شدہ اطلاع کے مطابق ہندوستان میں ۶۸-۱۹۶۷ء میں ایم۔ اے اردو (سال اوّل دوم) کے طلبا کی مجموعی تعداد ۳۷۲ ہے۔ پچھلے سالوں کی تعداد اس طرح ہے

۱۹۶۱-۶۲ء	۲۵۵	۱۹۶۲-۶۳ء	۲۵۰
۱۹۶۳-۶۴ء	۲۵۰	۱۹۶۴-۶۵ء	۳۳۱
۱۹۶۵-۶۶ء	۳۳۱		

ریسرچ اسکالر کی تعداد درج ذیل ہے۔ اس میں ڈی لٹ کے اسکالر شامل نہیں ہیں۔

۱۹۶۱-۶۲ء	۵۴	۱۹۶۲-۶۳ء	۵۸
۱۹۶۳-۶۴ء	۷۲	۱۹۶۴-۶۵ء	۹۵
۱۹۶۵-۶۶ء	۸۴	۱۹۶۶-۶۷ء	۱۰۴

یو۔جی۔سی کے مطابق اس وقت ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں اردو کے اساتذہ کی تعداد یہ ہے (بعض یونیورسٹیوں میں عربی، فارسی اور اردو کے شعبے ملے جلے ہیں لہٰذا اس تعداد میں وہ بھی شامل ہیں)

پروفیسر	ریڈر	لکچرر	ٹیوٹر	میزان
۲۱	۳۹	۱۶۲	۴	۲۶۶

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی تجویز ہے کہ چوتھے پلان کی مدت میں مختلف یونیورسٹیوں میں مندرجہ ذیل تقرر کیے جائیں اور مالی امداد دی جائے

الہ آباد ا ریڈر ۵ ہزار روپے (کتابوں کے لیے)　　لکھنو (شعبہ اردو فارسی) ۲ لکچرر ۱۰ ہزار روپے (کتابوں کے لیے)

دہلی ا ” ا لکچرر ۱۰ ہزار ” ” ” ”　　جموں کشمیر ۲۰ ہزار ” ” ” ”

مدارس شعبہ عربی فارسی، اردو ا ریڈر ا لکچرر　　ا پروفیسر ۲ لکچرر ½۱ لاکھ (عمارت کے لیے)

۱۰ ہزار ” ” ” ”　　گورکھپور ۱۰ ہزار روپے (کتابوں کے لیے)

مگدھ یونیورسٹی گیا ا ریڈر ۲ لکچرر ۳ ” (سامان کے لیے)　　میسور ۲۰ ہزار ” ” ” ”

سری وینکٹیشور ۲۵ ” (کتابوں کے لیے)　　علی گڑھ ا ریڈر ۱۰ ہزار ” ” ” ”

۱

(شکریہ "آجکل" دہلی)

تازہ ہندوستانی مطبوعات

موضوع	کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
ادبی	داستان زبان اردو	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۴/۰
"	مقدمہ شعر و شاعری	خواجہ الطاف حسین حالی	۲/۵۰
"	تعلیمی نفسیات	رالف گیری	۷/۵۰
"	اردو کی تین مثنویاں	خان رشید	۳/۵۰
"	فارسی گرامر	فیضی نظامپوری	۲/۵۰
"	ہماری کائنات و اشرف المخلوقات	ڈاکٹر اختر احمد	۳/۶۰
"	آبِ حیات (جدید اڈیشن)	مولوی محمد حسین آزاد	۱۰/۰
"	یادگارِ نظر	مرتبہ جگر بریلوی	۶/۵۰
"	کہانی میری زبانی میری (غالب کی آپ بیتی)	مرتبہ حفیظ عباسی	۴/۵۰
"	عظیم ولازوال	عابد رضا بیدار	۴/۰
"	مباحث	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/۰
"	نذرِ ذاکر	مرتبہ مجلس نذرِ ذاکر	۴۰/۰
"	ڈاکٹر ذاکر حسین (انگریزی)	" "	۴۰/۰
"	منشورات	برجموہن دتاتریہ کیفی	۶/۰
"	ایران صدیوں کے آئینے میں	ڈاکٹر امرت لعل عشرت	۱۳/۰
"	داستانے چند	باقر چاندپوری	۱/۰
"	اردو کے چاند تارے	مرتبہ امیر حسن نورانی	۵/۰
"	مرزا غالب کے لطیفے	واقی آسی و ساجد صدیقی	۲/۵
"	اقبال کا تصورِ خودی	ڈاکٹر غلام عمر خان	۳/۰
"	اسلام اقبال کی نظر میں	" "	۲/۰
"	ملی محور	" " "	۴/۰
"	تعلی سرطرف	مجتبیٰ حسین	۳/۰
"	مخدوم ایک مطالعہ	داؤد اشرف	۲/۵۰
"	شرح غزل دستہ	مرتبہ مظفر حنفی	۸/۰
"	جوش و تونل	ڈاکٹر قمر رئیس	۶/۵۰
"	بہادر شاہ ظفر فن و شخصیت	پروفیسر خواجہ احمد حسین	۵/۷۵
"	ریاست	ڈاکٹر ذاکر حسین	۱۲/۵۰
"	اصنافِ ادب کا ارتقاء	سید صفی مرتضیٰ	۱/۵۰
شعرو	کلیاتِ مصحفی اول دوم	مرتبہ ڈاکٹر نورالحق نقوی	۲۳/۹۵
"	ریت کے پھول	آدم نصرت	۲/۵۰
"	نہرو نامہ	ساغر نظامی	۱۳/۰
"	غزال	کرشن موہن	۷/۰
"	دیوان شاکر ناجی	مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق	۷/۰
"	دستِ گل ۳ حصے	بلند پایہ شعرا کا منتخب کلام	۳/۰
"	دیوان شاہ نیاز بریلوی	مرتبہ ڈاکٹر انوار الحسن	۳/۲۵
"	دیوان امیر خسرو	" " "	۲۸/۰
"	سوزِ حیات	یحییٰ بھائی اے جیون والا	۱۲/۵۰
"	آتش پارے	سرفراز افسر	۰/۵۰
"	سوادِ منزل	کشور زاہدی	۳/۰
"	شرابِ کہنہ	مرتبہ رشید نعمانی	۳/۲۵
"	جلتے کنول	شمس فرخ آبادی	۲/۰
"	حسرتیں	حلش دہلوی	۵/۰
تاریخ	اہلِ ہند کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر تارا چند	۵/۵۰
"	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	مولانا قاضی اطہر مبارکپوری	۹/۰
"	سوانح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ	ڈاکٹر حنیفہ رضی	۸/۰
مذہبی	مناجاتِ مقبول	مرتبہ محمد سراج الحق مچھلی شہری	۳/۷۵
"	سیرتِ طیبہ	قاضی زین العابدین	۵/۵
ناول	دلی کی شام	احمد علی	۷/۵
"	تاباں	مسعود جہاں	۶/۰
"	ڈریکولا کی واپسی	مظہر الحق علوی	۵/۰
"	آج	طلعیس صادق علی	۶/۰
"	لمحات کی باہوں میں	خواجہ احمد عباس	۴/۵
"	صبا	نکہت عمر	۳/۰
"	حسن افزا	فاطمہ انیس	۴/۰
"	کٹھ پتلی	عارف مارہروی	۶/۰
"	محبت نام ہے غم کا	عفت موہانی	۵/۵۰
"	خزاں کے بعد	زبیدہ خاتون صدیقی	۵/۵۰

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ نزد جے جے ہسپتال بمبئی ۳ (بی آر)

پاکستانی مطبوعات

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
انوار اقبال	مرتبہ بشیر احمد ڈار	۱۵/۰
اسلام کا نظریۂ جنگ	مولانا ابوالکلام آزاد	۲/۲۵
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد شریف معتمد خاں	۶/۷۵
البرامکہ	مولانا عبدالرزاق کانپوری	۱۵/۰
افعال مرکبہ	تمنا عمادی	۳/۰
ادب اور تنقید	ڈاکٹر سید شاہ علی	۶/۰
ادب	ڈاکٹر طٰہٰ حسین	۵/۰
افادات مہدی	مرتبہ بیگم مہدی	۷/۵۰
احسن الکلام	احسن مارہروی	۸/۷۵
اصول فقہ اسلام	سر عبدالرحیم	۱۰/۰
انگلش اردو ڈکشنری	مرتبہ میر ولد سنز	۱۶/۰
اصغر گونڈوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۴/۵۰
اردو کی عشقیہ شاعری	فراق گورکھپوری	۳/۰
برق و مقناطیس	پروفیسر حمید عسکری	۱۲/۵۰
بابر	وحشی محمود آبادی	۱۳/۰
بستان العارفین	امام ابوزکریا محی الدین	۶/۲۵
بہار دانش	مرزا جان طپش	۳/۷۵
بیتال پچیسی	مظہر علی خان ولا	۵/۰
بہارستان ناز	حکیم فصیح الدین رنج	۵/۷۵
بیاض	سلیم احمد	۴/۵۰
بچوں میں جرائم پسندی	شیلڈن	۵/۰
برگ خزاں	عبدالعزیز خالد	۷/۵۰

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
تفسیر حقانی کامل ۸ حصے	مولانا حقانی	۵۵/۰
تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمٰن علی	۱۹/۰
تحفۂ اثنا عشریہ	شاہ عبدالعزیزؒ	۱۹/۰
تاریخ اندلس	عبدالقوی ضیاء	۲۲/۰
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲/۵۰
ثانوی مدارس میں دستکاری کی اہمیت	یونسکو	۳/۷۵
ثقافت و انتشار	میتھو آرنلڈ	۷/۵۰
جوہر اخلاق	جیمز فرانسس کارکرن	۲/۰
جنسی معلومات	احسان سرحدی	۳/۷۵
جامع الحکایات ہندی	شیخ محمد صالح ضوی	۳/۷۵
چہرے	شورش کاشمیری	۶/۲۵
خدائے سخن میر تقی میر	ادریس صدیقی	۷/۰
دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں انشا	۳/۰
رباعیات انیس	مرتبہ عمر فیضی	۳/۷۵
سیاست نامہ	نظام الملک طوسی	۸/۷۵
شبلی نقادوں کی نظر میں	مرتبہ محمد واصل عثمانی	۲/۲۵
شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں	عبداللطیف اعظمی	۴/۵۰
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۴/۵۰
میر و سودا کا دور	ثناء الحق صدیقی	۱۵/۰
ہم اور ہماری نفسیات	مرتضیٰ شفیع	۴/۰

ملنے کا پتہ: **مکتبہ جامعہ لمیٹڈ**
پرنسس بلڈنگ۔ نزد جے جے ہسپتال۔ بمبئی ۳ بی آر

غالب ـــ غالب

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
ذکرِ غالب	مالک رام	۴/۲۵
آئینۂ غالب	پبلیکیشنز ڈویژن	۵/۰
غالب شناسی	ظ۔ انصاری	۳/۰
تلامذۂ غالب	مالک رام	۷/۵۰
خطوطِ غالب	" "	۷/۵۰
مکاتیبِ غالب	امتیاز علی عرشی	۴/۰
غالب کی نادر تحریریں	خلیق انجم	۴/۵۰
فکرِ غالب	پرتھوی چند	۳/۵۰
غالب	خورشید الاسلام	۶/۰
مطالعۂ غالب	اثر لکھنوی	۱/۵۰
محاسنِ کلامِ غالب	عبدالرحمٰن بجنوری	۱/۲۵
یادگارِ غالب	مولانا الطاف حسین حالی	۳/۰
مشکلاتِ غالب	نیاز فتحپوری	۲/۵۰
اردوئے معلیٰ	غالب	۴/۰
عودِ ہندی	غالب	۲/۰
غالب نام آورم	نادم سیتاپوری	۲/۵۰
غالب نامہ	محمد اکرم	۶/۵۰
محاسباتِ غالب	نریش کمار شاد	۱/۵۰
چھیڑ غالب کی چلی جائے	اکبر علی خاں	۳/۰
غالب [illegible] کے ساتھ	احمد جمال پاشا	۴/۵۰
مرزا غالب کی شوخیاں	عبدالباری آسی	۴/۵۰
ادبی خطوطِ غالب	حسن عسکری	۴/۵۰
غالب کے کلام میں الحاقی عنصر	نادم سیتاپوری	۴/۵۰
غالب	ڈاکٹر سید عبداللطیف	۳/۵۰
کہانی میری ـ زبانی میری (غالب کی آپ بیتی)	مرتبہ حفیظ عباسی	۴/۵۰
شارحِ غالب	وجاہت علی سندیلوی	۴/۵۰
غالب کچھ جائزے	وقار رومانی	۲/۵۰
دیوانِ غالب	غالب مرتبہ شاہراہ دہلی	۱۰/۰
دیوانِ غالب	غالب ، سردار جعفری	۳۰/۰
دیوانِ غالب	غالب ، مالک رام	۶/۰
دیوانِ غالب	غالب " امتیاز علی عرشی	۲۰/۰
دیوانِ غالب	غالب ، علمی پبلشنگ ہاؤس	۳/۰
دیوانِ غالب فارسی	غالب	۵/۰
دیوانِ غالب	غالب ، منشورہ پاکٹ بکس	۱/۰
مرقعِ غالب	غالب مرتبہ پرتھوی چند	۱۲/۰
جہانِ غالب	غالب " شمس علوی	۷/۵۰
باقیاتِ غالب	غالب وجاہت علی سندیلوی	[illegible]
بیانِ غالب	آغا محمد باقر	۶/۵۰
مرآۃ الغالب	بیخود دہلوی	۶/۰
شرحِ دیوانِ غالب	جوش ملسیانی	۶/۰
مزاحیہ شرحِ دیوانِ غالب	غلام احمد فرقت کاکوروی	۸/۰
شرحِ دیوانِ غالب	نظم طباطبائی	۴/۵۰
اندازِ غالب	نریش کمار شاد	۲/۵۰
شرحِ دیوانِ غالب	یوسف سلیم چشتی	۱۵/۰
شرحِ دیوانِ غالب	حسرت موہانی	۴/۵۰
فرہنگِ غالب	امتیاز علی عرشی	۴/۶۰
کنز المطالب شرحِ دیوانِ غالب	مولانا ابوالحسن ناطق	۴/۵۰
حیاتِ غالب	شیخ محمد اکرم	۳/۰
مرزا غالب کے لطیفے	ساجد صدیقی، عبدالباری آسی	۲/۵۰
کلیاتِ نظمِ غالب	غالب مرتبہ امیر حسن نورانی	۵/۰

ملنے کا پتہ:۔ **مکتبہ جامعہ لمیٹڈ**

پرنسس بلڈنگ نزد جے جے ہسپتال ۔ بمبئی ۳ (بی آر)

Regd. No. 58 October 1968.

KITAB NUMA

Jamia Nagar, N. Delhi-25.
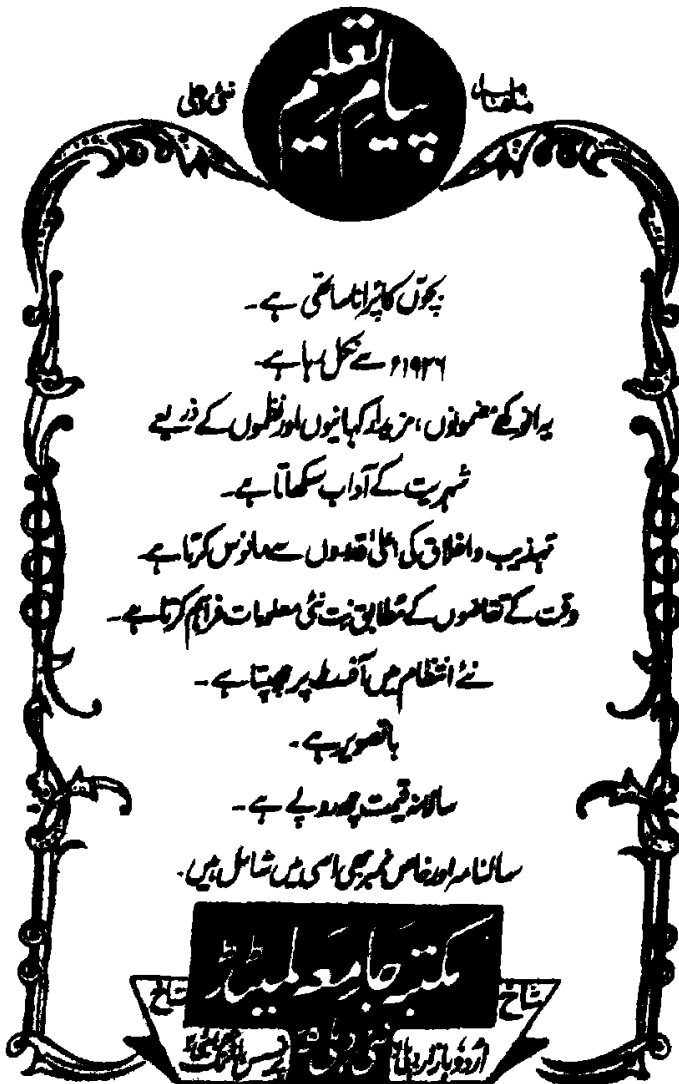
پرنٹر پبلشر سید احمد دہلوی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ماہنامہ

نومبر ۱۹۶۸ء

کتاب
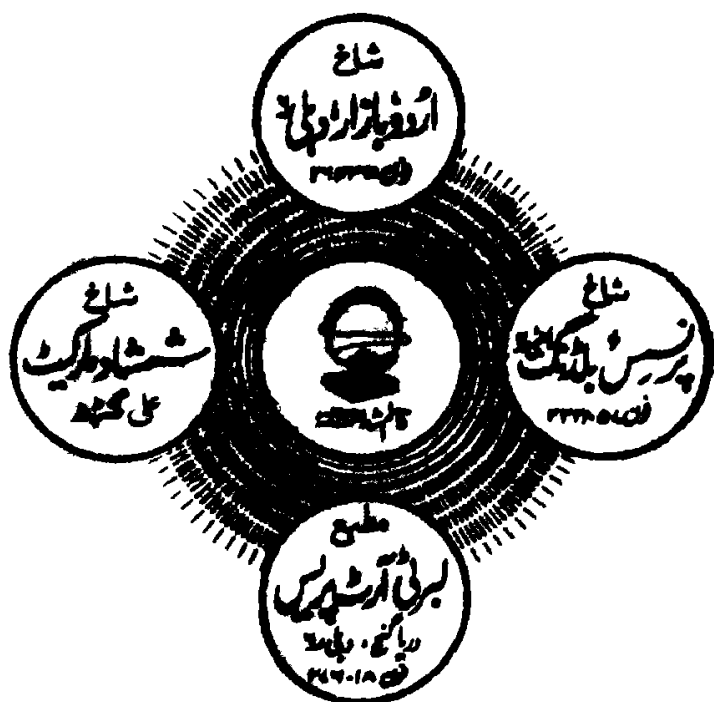
نئی دہلی
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
صدر دفتر
جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخ
اردو بازار دہلی ۶
شاخ
شمشاد مارکیٹ
علی گڑھ
شاخ
پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳
مطبع
لبرٹی آرٹ پریس
دریا گنج، دہلی

ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی

منیجنگ ایڈیٹر:
غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول:
مجیب احمد خاں

نومبر ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۱۱
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ بیس پیسے

اشاریہ

زندگی اور فکر و پریشانیاں لازم و ملزوم ہیں۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تکلیف کے احساس کے باوجود مسلسل جد و جہد ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اگر یہ احساس مٹ جائیں اور صابر و شاکر ہو کر ترقی کی کوششیں ترک کر دی جائیں تو سمجھیے کہ آخری حد آ گئی اور ختم ہو جانے کا وقت قریب آ گیا۔ اُردو آج کل اسی تکلیف کے دور سے گزر رہی ہے۔ حالات نے اسے ایک الجھا ہوا مسئلہ بنا دیا ہے اور زمانے نے اس کے لیے ترقی کے دروازے بند کرنے میں اپنی سی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ ہم آئے دن مختلف خبریں سنتے رہتے ہیں جنھیں سُن کر کبھی تو ہم خوش ہو جاتے ہیں اور ہمیں امید کی کرن نظر آنے لگتی ہے اور کبھی ناامیدی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور ہمارے دلوں میں بُرے بُرے خیالات گھر کرنے لگتے ہیں۔

تکلیف کا احساس جب ہی ہوتا ہے جب ترقی کا جذبہ اور صلاحیتیں اپنا کام کر رہی ہوں اور اُن کے سامنے کچھ رکاوٹیں آ جائیں۔ اُردو کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اس کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کی گئی ہیں لیکن چونکہ یہ ایک ترقی پذیر زبان ہے اس لیے ہمیں تکلیف کا احساس بھی اسی شدت سے ہو رہا ہے اس تکلیف کے اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی بقا کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر جس طرح بھی ہو ہر ممکن کوشش جاری رکھی جائے اور دامے، درمے، قدمے، سخنے جیسے بھی ممکن ہو اس بُرے وقت میں نہ صرف اسے بچانے بلکہ اسے پھیلانے اور بڑھانے میں سب جی جان سے لگے رہیں۔ لیکن ان سب باتوں سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم ناامیدی کی باتیں ختم کر دیں ناامیدی موت کی علامت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حالات اتنے ناسازگار نہیں ہیں کہ ہم اُردو کے معاملے میں اسے دل برداشتہ ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ زبان ختم ہو گئی۔ حالات اگر خدانخواستہ اور زیادہ خراب بھی

ہو جائیں تب بھی گھبرانے کی کوئی بات نہ ہونا چاہیے۔ زبانیں اس طرح ختم نہیں ہوا کرتیں۔ بھلے ہی کسی وجہ سے اُردو سرکاری اعزاز نہ پا سکے لیکن وہ صرف یہ کہ ختم نہیں ہوگی بلکہ برابر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بولی اور سمجھی جاتی رہے گی۔

تعارف

فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ

اُردو ادب کے ابتدائی دَور کی تصانیف میں "باغ و بہار" اور "فسانۂ عجائب" کو جو فوقیت اور مقبولیت حاصل ہے، اس کی دوسری مثالیں پیش نہیں کی جا سکیں۔ اگر ایک طرف سادہ اور بے تکلف زبان لکھنے کا سہرا میر امّن کے سر ہے تو مقفّٰے نثر میں رجب علی بیگ سرورؔ اپنی مثال آپ ہیں۔ اُن کی عبارت میں صنائع و بدائع، استعارات اور تشبیہات، قافیہ بندی کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ فسانۂ عجائب نہ صرف انشا پردازی کی ایسی ہی خصوصیات کے لیے ممتاز ہے بلکہ وہ، اُس زمانے کے لکھنؤ کی معاشرت کی عمدہ عکاس بھی کہلانے کی مستحق ہے۔ اسی بنا پر اس کے اقتباسات آج بھی تعلیم کی ثانوی منزل سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ہر جماعت میں التزام کے ساتھ اُردو کے نصاب میں شامل کیے جاتے ہیں اور صاحبانِ ذوق لطفِ زبان کی خاطر اسے یوں بھی پڑھا کرتے ہیں۔ سید ضمیر حسن دہلوی نے اپنی کتاب کے مقدمے میں اس کتاب کے بارے میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ

"فسانۂ عجائب اُردو کے چند ایسے شاہکار کے زمرے میں آتا ہے جو رد و ابطال پر مبنی دعوے کے باوجود خود زندہ روایت ہیں۔ سرورؔ کی حقیقت پسندی، ماحول سے گہرے روابط اور مشاہدے کی بے پناہ وسعت نے اُسے وہ جداگانہ رنگ بخشا ہے جو ہمیں اس سے پہلے کے افسانوی ادب میں کہیں نہیں ملتا۔ البتہ زبان و بیان کے اعتبار سے اس میں شگفتگی اور سلاست کی جو کمی پائی جاتی تھی وہ یقیناً فسانے کا عیب ہے۔ مگر صرف اس عیب کی وجہ سے فسانے کا معتوب ہونا جرم بھی ہے اور ظلم بھی۔ زیرِ نظر مقالہ دراصل اسی جارحانہ تنقید اور تشدد کے خلاف غیر جانب دارانہ احتجاج ہے۔"

جس طرح زبان و بیان ہی کو سب کچھ سمجھنا صحیح نہیں اسی طرح زبان و بیان کو کچھ نہ سمجھنا بھی غلط ہے۔ زبان اظہار کا آلہ ہے اور جب تک اس کی نوک پلک پر مناسب توجہ نہ کی جائے اس میں لطافت اور نشتریت کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ تاثر واقعات کے بیان سے نہیں، پیرایۂ بیان سے

پیدا ہوتا ہے ۔ فسانہ عجائب میں زبان پر جو غیر معمولی توجہ کی گئی ہے۔ وہ اسی حقیقت کی وضاحت ہے۔
اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرور کی نظم جا بجا شدت پسندی کی زد میں آگئی ہے۔ مگر یہ بھی
حال رہے کہ فورٹ ولیم کالج میں سہل نثر نگاری کی جو تحریک چلائی گئی تھی لکھنؤ میں اس کا جذباتی
رد عمل ہونا بھی ناگزیر تھا۔ کیونکہ یہاں نہ صرف شعراء و ادبا نے بلکہ پورے معاشرے نے الفاظ
کی ٹک و اصلاح پر خونِ دل اور خونِ جگر صرف کیا تھا"

ضمیر صاحب نے اپنے مقالے میں فسانہ عجائب کے مختلف پہلوؤں پر بڑی خوبی سے روشنی
ڈالی ہے۔ اُن کے بیان میں توازن ہے اور فکر میں گہرائی۔ انھوں نے مسائل کو بڑی دیانت داری
سے میزانِ نقد پر تولنے کی کوشش کی ہے اور سے کھلے انداز میں اس کے اہم گوشوں کو اُجاگر کیا ہے
اُن کی زبان صاف ستھری اور رواں ہے۔ اس مقالے کے اہم ابواب یہ ہیں۔

۱۔ دہلی سے لکھنؤ تک ۲۔ ہماری داستانیں اور ان کی افادیت ۳۔ فسانہ عجائب
کی کردار نگاری ۴۔ فسانۂ عجائب کے مکالمے ۵۔ فسانہ عجائب کی منظر نگاری ۶۔ فسانہ عجائب
کی زبان ۷۔ فسانہ عجائب کا معاشرتی اور تہذیبی پس منظر ۸۔ فسانہ عجائب کا ادبی اور
تاریخی مرتبہ۔ آخر میں فرہنگ فسانہ عجائب اور کتابیات کا بھی مفید اضافہ موجود ہے۔ اس طرح
کتاب کی افادیت میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

ضمیر صاحب دلی کالج میں اُردو کے اُستاد ہیں۔ اور اُردو ادب سے اُن کی وابستگی
محض رسمی اور منصبی ہی نہیں ہے بلکہ حقیقی دل بستگی اور فریفتگی کی غماز کہی جا سکتی ہے۔ اس مقالے
سے قبل اُن کی کتاب دلی سے دلی تک منظرِ عام پر آ چکی ہے جو اُن کی زبان دانی اور انشاپردازی
پر دلالت کرتی ہے۔ موجودہ مقالہ اُن کے ادبی ذوق کی ایک مثال ہے۔ امید ہے کہ اپنی مختلف
خصوصیات کی بنا پر اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اردو ادب کے طالب علموں کے لیے
خاص طور پر مفید ثابت ہوگا۔ اس مقالے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

قصوں کا مقصد

"ہماری داستانوں اور قصوں کا مقصد محض وقت گزاری اور دل بہلانا ہی نہیں
بلکہ اُن کے ذریعہ ہمیں خاص خاص چیزوں کی تعلیم بھی دی گئی ہے" البتہ اس طرح کہ لاشعوری
طور پر ہم اس درس کو قبول تو کرلیں لیکن اس کا انداز ناصحانہ نہ ہونے پائے اور پند و وعظ

کے باعث کہانی اور قصہ میں گرانی بھی پیدا نہ ہو۔

قصوں نے ہمیشہ حکمراں طبقے، راجوں، نوابوں اور شہزادوں کو سخاوت، فیاضی اور دریا دلی کی تعلیم دی ہے۔ انھیں تجارت اور سیاحت کا شوق دلایا ہے۔ ان کی شادی کو کسی مشکل سوال کے حل کرنے پر قرار دے کر ان میں جواں مردی اور جاں بازی کے جوہر کو ابھارا ہے داستانوں نے مایوس اور نا امید لوگوں کو امید کے سبز باغ دکھا کر انھیں محنت اور جستجو پر کمربستہ کیا ہے۔ تقریباً تمام داستانوں کا مقصد تمثیلی اعتبار سے زندگی کے کسی نہ کسی نصب العین پر توجہ دلانا ہے۔ کہیں یہ مقصد ابدی زندگی اور چشمۂ حیواں ہے، کہیں یہ محبوب مجازی کا وصال، اور کہیں کسی طلسمی عجائبات کی تسخیر۔ داستانوں میں ایک انسان متعدد مہمات سر کرکے انسانی ذہن کو عمل کی دعوت دیتا ہے اور اسے بار بار کوشش کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

داستانوں کا ایک اور سبق یہ ہے کہ انسان کو ناکامی پر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ سوچ کر خاموش ہو جانا چاہیے کہ دنیا میں اس ظاہری نظام کے علاوہ ایک پوشیدہ یا مخفی نظام اور بھی ہے۔ غرض جب کسی انسان کو پے در پے مصائب کا سامنا ہوتا ہے اور وہ اس سے تنگ آکر اپنے تئیں ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کوئی بزرگ اور مقدس روح اس کی دستگیری کرتی ہے۔ یہ مقدس روح ہی دراصل حیاتِ جاوید کا ایک راز ہے جو انسان میں بے پناہ قوتِ اعتماد پیدا کرکے اسے ہوئے تیر لانے کی صلاحیت بخشتی ہے۔ داستانوں نے ہمیں اٹل ارادے اور راسخ الاعتقادی کی تعلیم دی ہے۔ داستان کا ہر خطرناک منزل سے گزر کر ثابت کر دیتا ہے کہ ؎

راہ دم تیغ پر ہی کیوں نہ ہو
جی پہ رکھیں گے تو گزر جائیں گے　　　(ظہیر)

اور دراصل اسی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔"

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی تازہ مطبوعات

شہر آشوب

ڈاکٹر نعیم احمد

شہر آشوب اُردو شاعری کی ایک ایسی کلاسکی صنف سخن ہے جس میں ہیئت کی کسی خاص پابندی کے بغیر سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی بحران اور عوام و خواص کی بربادی کا حال بیان کیا گیا ہے اس لیے یہ زندگی پر تبصرہ بھی ہے اور تنقید بھی۔ شہر آشوب میں انسان دوستی کا جذبہ کارفرما ہے اور مصیبت زدہ انسانوں کے اجتماعی دکھ درد کا بیان جذبات نگاری کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ کتاب کے شروع میں مفصل دیباچہ ہے جس میں اس کی تاریخی اہمیت اور فنی نکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

قیمت: ۲۵/۷

دلی کی شام

مصنف: احمد علی مترجم: بلقیس جہاں

'دلی کی شام' ایک تہذیب اور ایک عہد کی داستان ہے۔ 'دلی کی شام' خود مجسم دلی ہے۔ وہی جنگِ عظیم اور ترکِ موالات کے زمانے کی دلی۔ اس زمانے کے شادی بیاہ، موت و زیست کے مسئلے اور مرحلے غرض سب ہی کچھ اس ناول میں سموئے ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کا بیان ہے جو آج افسانہ بن چکی ہے۔ ان گلی کوچوں کا ذکر ہے جن کا کچھ نہ کچھ نام تو باقی ہے لیکن بو باس بالکل مٹ چکی ہے۔ دلی کی شام ایک ایسا ناول ہے جس کے لیے بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ آپ اسے پڑھ کر محظوظ ہوں گے۔

قیمت ۵۰/۷

فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ (تنقید)

سید ضمیر حسن دہلوی

رجب علی بیگ سرور کی کتاب 'فسانۂ عجائب' اُردو نثر کی شاہراہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے یہ مقفّٰی و مسجّع نثر بھی ہے اور ایک مخصوص سماج کی آئینہ دار بھی۔ ضمیر صاحب نے سرور کی اس مقفّٰی و مسجّع عبارت کے تمام پہلوؤں پر نہایت جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے اس کا نیا اڈیشن بعد نظرثانی ابھی حال میں ہی شائع کیا ہے۔

قیمت -/۳

آتشِ گل

جگر مرادآبادی

رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی کا یہ دیوان پُرکیف اور بہار آفریں غزلوں کا وہ مجموعہ ہے جس کا نام شعری ادب میں سرِفہرست ہے۔ ایک ایسا مجموعۂ کلام جو اپنے اندر بے پناہ رنگینیاں اور بہاریں سمیٹے ہوئے ہے اور جس کی ہر غزل اور ہر شعر خود بخود نغمہ بن کر لبوں پر آجاتا ہے۔

قیمت ۵۰/۵

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی تازہ مطبوعات

پریم چند کے خطوط — مرتبہ: مدن گوپال

اس مجموعے میں پریم چند کے ۲۴۲ خطوط شامل ہیں جو پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں مرتب ہو کر شائع ہوئے ہیں۔ ان نجی اور کاروباری خطوط نے شائقین ادب اور خاص طور سے طلبا کے لیے واقعی بڑی آسانیاں فراہم کر دی ہیں کیونکہ خطوط ہی، ان کی سیرت و شخصیت سے آگاہی حاصل کرنے کا وہ بڑا اور مستند ذریعہ ہیں جس کے بعد پھر کسی اور حوالے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ قیمت ۶/۵۰

ڈاکٹر ذاکر حسین (سیرت و شخصیت) — مرتبہ: عبد اللطیف اعظمی

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین پر اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں اردو کے نامور ادیبوں پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ ڈاکٹر عابد حسین۔ پروفیسر محمد مجیب۔ خواجہ غلام السیدین۔ پروفیسر آل احمد سرور اور دوسرے اصحاب کے ذاکر صاحب پر بہترین مضامین شامل ہیں۔
ذاکر صاحب کے کردار، اُن کی صفات اور قومی و تعلیمی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ قیمت ۵/۵۰

شراب کہنہ — رشید نعمانی

قلی قطب شاہ سے لے کر آج تک دورِ متقدمین کے ۵۰ شاعروں کے حالات، اُن کے کلام پر تبصرہ اور نمونہ کلام۔ ماہنامہ "کتاب نما" میں "شراب کہنہ" کے نام سے شائع ہونے والا وہ مشہور سلسلہ جو ہر جگہ پسند کیا گیا اور جو اب نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے تاکہ خاص طور سے طلبا اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ قیمت ۳/۲۵

یادگار شخصیتیں — پنڈت جواہر لال نہرو — ترجمہ: رفیق محمد شاستری

جواہر لال نہرو کی ایک بڑی صفت یہ بھی تھی کہ وہ ایک نہایت غیر جانبدار انسان تھے شخصیات کا مطالعہ انھوں نے کسی جذباتی تعلق یا روایتی عقیدے کے ساتھ نہیں کیا ہے بلکہ سب کو ان کے تاریخی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں اہم شخصیتوں کا ذکر ہے جن میں اوتار، پیغمبر، مصلح، مفکر، فلسفی، حکمران، سیاسی رہنما، ادیب اور شاعر، غرض دنیا کے قریب قریب سب ہی قابلِ لحاظ افراد کا تھوڑا بہت ذکر آ جاتا ہے۔ قیمت: ۵/۵۰

کچھ نئی کتابیں
جو
مکتبہ جامعہ کو ایجنسی پر حاصل ہوئی ہیں

نذرِ ذاکر (اردو) (مجموعہ مضامین جو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی خدمت میں ان کی ۷۱ ویں سالگرہ ۴۰/-

" " (انگریزی) پر پیش کیا گیا۔ مرتبہ: مجلس نذرِ ذاکر، نئی دہلی) ۴۰/-

اکبر (سوانح) (قومی سوانح حیات کے سلسلے کی کتاب) لارنس بینن ۳/۵۰

کبیر (") " " " " ڈاکٹر پارس ناتھ تِواری ۲/۵۰

پنڈت وشنو دگمبر " " " " وی آر۔ اُٹھاولے ۲/۲۵

آبادی (آبادی سے متعلق اعداد و شمار اور نظریات) ایس۔ این۔ اگروال ۵/۲۵

گاندھی جی کثرت میں وحدت (گاندھی جی کے اقوال) انتخاب کنندہ۔ نیشنل کمیٹی گاندھی صدی ۲/۲۵

عکس و شخص (۱۱ شخصیتوں پر تنقید و تبصرہ) عنوان چشتی ۵/-

اسرار کائنات و اشرف المخلوقات ڈاکٹر اختر احمد ۳/۶۰

نوائے سرور (سرور جہاں آبادی کا منتخب کلام) ڈاکٹر حکم چند نیّر ۶/-

بے بات کی بات (۱۳ افسانوں کا حسین مجموعہ) سیدہ نسیم چشتی ۴/-

سرورِ سرمدی (شعری مجموعہ) ناشاد کانپوری ۴/۵۰

افکارِ محروم (محروم کی شخصیت اور ادبی خدمات سے متعلق مضامین) مرتبہ: مالک رام ۵/-

شعلۂ نوا (شعری مجموعہ) شاعر: تلوک چند محروم ۶/-

متنی تنقید (اصولِ فن تنقید پر پہلی کتاب) خلیق انجم ۴/۵۰

فن اور تنقید (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) مرتبہ: انور کمال حسینی ۹/-

نویدِ عصر لینن (انقلابی نظموں کا مجموعہ) نیاز حیدر ۱/-

تلاشِ منزل (شعری مجموعہ) کرشن سونی نشاؔ ۴/-

جامِ سہ آتشہ " " پروفیسر پریم رنگپوری ۳/-

درسِ تبلیغ (مذہبی) مولٰنا مقبول احمد سیوہاروی ۲/۵۰

مثنوی حیات کائنات (انسانی تاریخ نظم میں) عبدالمجید ۳/

شہاب جعفری

غزل

مٹ گئے ہم، سرخرو دنیا ہوئی
اے محبت تو کہاں رسوا ہوئی

لو حریمِ دل کے پردے جل گئے
لو وہ جانِ شوق بے پردا ہوئی

ایک اک کر کے امیدیں چل بسیں
دشتِ دل میں آرزو تنہا ہوئی

آج رسوائی تجھے روتا ہوں میں!
ایسی تنہائی بھری دنیا ہوئی

سبزہ اُگتا ہے مگر جل جائے ہے
گھر کی دیواروں کی حالت کیا ہوئی

کیسے کیسے قافلے گزرا کیے
چشمِ حسرت مٹ کے نقشِ پا ہوئی

(سورج کا شہر" شاعر شہاب جعفری سائز ۲۲×۱۸/۸ مجلد صفحات ۲۴۸ قیمت -/۶ ح. الہ صفحہ ۱۳۷)

پروفیسر محمد مجیب

ذاکر صاحب اور تعمیر جامعہ

مجھے حال ہی میں معلوم ہوا ہے کہ جامعہ ملیہ کو قائم کرنے کی تحریک قوم کے ان رہنماؤں نے نہیں کی تھی جن کے نام اس سلسلے میں بتائے جاتے تھے۔ مہاتما گاندھی استادوں اور طالب علموں کو اس پر آمادہ کرنے کے لیے کہ وہ سرکاری درس گاہوں کو چھوڑ دیں، ملک کا دورہ کر رہے تھے۔ ایک خاص تاریخ کو وہ علی گڑھ آنے والے تھے اور یونین میں ان کی تقریر ہونے والی تھی۔ ذاکر صاحب جو اس وقت آدھے طالب علم آدھے اُستاد تھے اور طالب علموں میں ممتاز اور ان کے حامی، وہ بیں ہر دل عزیز تھے، چاہتے تھے کہ اس جلسے میں ضرور شریک ہوں۔ لیکن انھیں اپنے علاج کے لیے دلی بھی آنا تھا۔ جہاں وہ ڈاکٹر انصاری مرحوم سے وقت لے چکے تھے اور اتفاق سے جو تاریخ انھوں نے دلی جانے کے لیے مقرر کی تھی، اسی تاریخ کو علی گڑھ میں مہاتما گاندھی کی آمد ہوئی۔ انھوں نے بہت کوشش کی کہ جلسے کا وقت ایسا طے ہو کہ وہ دلی سے واپس آکر اس میں شریک ہو سکیں، مگر جب وہ اسٹیشن پہنچے تو ان کے کئی دوست ان کے استقبال اور انھیں یہ خوش خبری سنانے کے لیے آئے ہوئے تھے کہ مہاتما جی کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مہاتما جی کی تقریر کا بنارس ہندو یونیورسٹی کے طالب علموں اور اُستادوں پر بھی کارگر اثر نہیں ہوا تھا، لیکن وہاں مدن موہن مالویہ جلسے میں موجود تھے۔ علی گڑھ میں کوئی بات آداب کے خلاف جلسے میں تو نہیں ہوئی، البتہ جلسے کے بعد مہاتما جی کا بہت مذاق اُڑایا گیا۔ ذاکر صاحب علی گڑھ اسٹیشن پر اترے، تو مذاق اُڑانے کا سلسلہ جاری تھا اور اس میں ان کے بعض ایسے دوست بھی شریک تھے۔

ذاکر صاحب کو اس وقت مہاتما گاندھی سے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ مہاتما جی نے اپنی اخلاقی حکومت رفتہ رفتہ قائم کی۔ پہلے ان کے ماننے والے بہت کم تھے، وقت کے ساتھ بڑھتے گئے۔ مسلمان تقریروں میں جس اندازِ بیان کو پسند کرتے تھے اسے دیکھتے ہوئے

اس کا امکان بہت کم تھا کہ مسلمانوں میں وہ اپنی قوتِ بیان کی وجہ سے اثر پیدا کر سکیں اور ہمیں علی گڑھ کے ان طالب علموں کو قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہیے جنھیں ان کی تقریر سننے کے بعد ان سے عقیدت پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن تمسخر اور تحقیر کے جس انداز سے مہاتما جی کی تقریر اور ان کے مقصد پر فقرے چست کیے گئے، اس سے ذاکر صاحب کو بہت تکلیف ہوئی۔ ایسی فضا میں جیسی کہ اس وقت علی گڑھ میں تھی، اعتراض یا نصیحت کرنا یا سیاست اور تہذیب کا دوسرا رخ پیش کرنا بے کار تھا؛ پھر بھی ذاکر صاحب اگلے دن اس جلسے میں گئے، جس میں طالب علم مہاتما جی کی اس تحریک پر بحث کرنے والے تھے کہ استاد اور طالب علم سرکاری درس گاہوں کو چھوڑ دیں۔ انھیں بخار تھا اور وہ بحث میں حصہ نہیں لینا چاہتے تھے، مگر اس فریق کی تائید کیے بغیر نہ رہ سکے جو مہاتما گاندھی کی تحریک کے موافق تھا۔ اسی فریق کی مخالفت میں کسی نے طعنہ کے انداز میں کہا کہ جو لوگ موجودہ درس گاہوں کو چھوڑنے کی تلقین کر رہے ہیں انھیں یہ بھی تو بتانا چاہیے کہ ان درس گاہوں کو چھوڑنے والے کہاں جائیں؟ یہ علی گڑھ کے مقابلے میں ایک قومی درس گاہ قائم کرنے کا چیلنج تھا جسے ذاکر صاحب نے دل میں قبول کر لیا۔ وہ دلی آئے اور حکیم اجمل خاں مرحوم اور دوسرے لیڈروں سے مل کر انھیں یقین دلایا کہ علی گڑھ میں ایک قومی درس گاہ قائم کی جا سکتی ہے اگر قوم کے رہنما ان استادوں اور طالب علموں کو سہارا دیں جو اس میں تعلیم دینے اور تعلیم پانے کے لیے تیار ہیں۔ قومی لیڈر بغاوت کے ایسے ہی آثار کے تو منتظر تھے۔ انھوں نے بہت گرم جوشی کے ساتھ ایک قومی درس گاہ قائم کرنے کی تجویز کو اسا لیا اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ وجود میں آگئی۔

جامعہ میں ذاکر صاحب کا کام فروری، مارچ ۱۹۲۶ء سے شروع ہوا۔ اس وقت عبدالمجید خواجہ صاحب مرحوم شیخ الجامعہ تھے، اور جامعہ کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کیا جا چکا تھا۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء سے اس وقت تک یہ بات رفتہ رفتہ ظاہر ہو گئی تھی کہ جامعہ میں کون بغیر شرط کے کام کرنے پر تیار ہے کون نہیں ہے، اور ان شرطوں میں جن کے بغیر کام کرنا شرط تھا ایک یہ بھی تھی کہ چاہے جامعہ کے مقصد پر گفتگو اور بحث کی جائے، اس کے کاموں کو لاحاصل قرار دے کر اسے چھوڑا نہ جائے۔ غالباً اکتوبر ۱۹۲۰ء اور ستمبر ۱۹۲۲ء کے درمیانی زمانے میں یہ بات واضح ہو گئی کہ جامعہ کی غیر مشروط خدمت کرنے والوں میں سب سے زیادہ صلاحیت ذاکر صاحب میں ہے؛ اور انھوں نے جرمنی سے واپسی پر شیخ الجامعہ کے فرائض بھی اس طرح انجام دینا شروع کر دیے، گویا وہ رخصت

سے واپس آئے ہوں۔

جامعہ میں اس وقت تھا کیا؟ اسکولوں اور کالجوں کو ملا کر قریب ۸۰ طالب علم اور پچیس تیس اُستاد جن میں سے ہر ایک کی اپنی جداگانہ شخصیت اور نفسیاتی مسائل تھے ایک بیرک نما عمارت ہوسٹل اور بیشتر اُستادوں کے رہنے کے لیے تھی اور کتاب خانے، دفتروں اور کلاسوں کے لیے تین اور کرایے کی عمارتیں جن میں سے دو کے ساتھ چند کوٹھریاں تھیں۔ مہاتما جی جامعہ کے علی گڑھ سے منتقل ہوتے وقت ایک سال کا خرچ دے چکے تھے۔ اس کے بعد سے جامعہ کی مالی ضرورتوں کو پورا کرنا امیرِ جامعہ حکیم اجمل خاں مرحوم نے اپنے ذمّے لے لیا تھا۔ طالب علموں کی تعداد اک معمولی مدرسہ سے بھی کم تھی، مگر ۱۹۲۶ء کے شروع کے طالب علموں میں سے بیشتر اور استادوں اور کارکنوں میں سے تقریباً سب ایسے تھے جو اس وقت جب علی گڑھ میں جامعہ کے بند کرنے کا مسئلہ زیرِ غور تھا اس کا اعلان کر چکے تھے کہ وہ جامعہ کو بند نہ ہونے دیں گے چاہے لیڈروں میں سے کوئی بھی ان کا سرپرست اور مددگار بننے کو تیار نہ ہو۔ یہی عزم جامعہ کا اصل سرمایہ تھا اسی کے بل پر اپنے آپ کو اور دوسروں کو یقین دلاتا تھا کہ جامعہ ملیہ آزاد قومی تعلیم کا نمونہ اور تعلیم کی ایک نئی تحریک کا پیش خیمہ ہے۔

کسی تاریخی شخصیت کے عمل کو سمجھنے کے لیے سب سے مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس کی جگہ پر تصوّر کریں اور تمام حالات اور تمام لوگوں کی نظر میں رکھ کر سوچیں کہ ہم ہوتے تو کیا کرتے۔ اپنے آپ کو اس "مسند" پر تصور کیجیے جس پر ذاکر صاحب صبح آٹھ بجے سے سہ پہر ساڑھے چار پانچ بجے تک بیٹھتے تھے۔ بعض اُستادوں کا دستور ہے کہ گھنٹہ خالی ہوا تو آ کر شیخ الجامعہ کے دفتر میں بیٹھ جائیں گے اور اِدھر اُدھر کی باتیں یعنی گپ کریں گے۔ یہ بزرگ ہیں ان کا لحاظ کرنا ضروری، خود ان سے کام کی بات نہیں کی جا سکتی، ان کی موجودگی میں بھی وہی باتیں ہو سکتی ہیں جن سے ان کو دلچسپی ہو۔ ان کے علاوہ جو لوگ ملنے آتے ہیں وہ یا تو ضرورت بیان کر کے روپے کا مطالبہ یا ساتھیوں میں سے کسی کی شکایت کرتے ہیں۔ آمدنی کا ذریعہ بس یہ ہے کہ کسی فرض شناس باپ نے بیٹے کی فیس بھیج دی یا مکتبہ کی کچھ کتابیں بک گئیں۔ حکیم اجمل خاں مرحوم کو جامعہ کی مالی حالت کا بڑا دکھ ہے مگر ان سے اصرار کے ساتھ کہا بھی نہیں جا سکتا کہ جو کچھ کرنا ہے جلد کیجیے۔ وہ ضرور سوچتے رہتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ کس سے، کس وقت اور کہاں ملنا چاہیے؟ اصول اور عقیدے کی خلاف ورزی کیے بغیر جامعہ کی قوم پرستی اور حکومت دشمنی سے کس طرح نظر اور توجہ ہٹا کر جامعہ کی اہمیت کو واضح کرنا چاہیے؟ جامعہ کی نازک مالی حالت پر پردہ ڈال کر کس طرح دینے والے کو یقین دلانا چاہیے کہ اس کا روپیہ ایک ترقی پذیر کام میں صرف ہوگا۔ ان سب باتوں کے بارے میں غور کرنے کے لیے

ملاقات کی ضرورت ہے، اور اس وقت بڑے آدمیوں سے ملنے کی یہی صورت ہے کہ ان کی مصاحبت کی جائے۔ حکیم صاحب جب کبھی بلا بھیجتے ہیں، تو امید بندھتی ہے کہ روپے کا کچھ انتظام کیا جائے گا مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مشورے کے لیے وقت نہیں ملا، اس لیے حکیم صاحب کی ذمہ داریاں اور مجبوریاں بہت ہیں اور جانے آنے میں اپنی جانب سے کچھ خرچ ہو گیا۔ حکیم صاحب جن لوگوں سے روپیہ حاصل کرنے کے خیال سے ملاتے ہیں، ان کے پاس غریب بن کر جائیے تو ان کی نظروں سے گر جائیں گے، اور بے غرض بن کر خودداری کے ساتھ ملیے تو انھیں جامعہ کی ضرورتوں کا احساس نہ ہوگا۔ اگر کسی کو جامعہ بلانا اور جامعہ کے کام کو دکھانا ہو تو کیا کیجیے گا؟ جامعہ میں دکھائیے گا تو کب دکھائیے گا، اور جلسے اور نمائش میں کچھ خرچ کرنا ہو تو وہ کہاں سے آئے گا۔ پھر لوگ ہیں کہ وقت بے وقت تقاضا کرتے رہتے ہیں کہ کہیں سے کچھ لائیے تو کام چلے، گویا جامعہ وہ ہیں اور ان کی ضرورتیں۔ کبھی مشورہ کیجیے کہ جامعہ کو ترقی دینے کے لیے کیا کرنا چاہیے، تو سب کہتے ہیں کہ یہ باتیں تو آپ ہم سے بہتر سوچ سکتے ہیں! ایک دو ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں اور جوش آجاتا ہے، تو کہہ بھی دیتے ہیں کہ جامعہ کے کاموں کو ترقی دی جا سکتی ہے، روپیہ مل سکتا ہے اگر چندہ جمع کرنے کی اسکیم بنائی جائے، اور شیخ الجامعہ صاحب دفتر میں بیٹھے رہنے کے بجائے چندہ جمع کرنے میں اپنا وقت صرف کریں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ سہی، مگر جامعہ کا ایک اعلیٰ دینی اور قومی مقصد بھی تھا، جس کی خاطر ہر طرح کی مصیبتیں برداشت کی جا سکتی تھیں۔

جامعہ کو قائم کرنے کا ایک مقصد علم کو دین کے رنگ میں رنگنا تھا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ دین کا تصور واضح ہو اور فنِ تعلیم کے ایسے ماہر موجود ہوں جو علم کو دین کا اور دین کو علم کا رنگ دے سکتے ہوں۔ لیکن دین کو واضح کرنے کا حوصلہ کون کر سکتا ہے؟ عربی اور دینیات کے استادوں میں سے ایک بزرگ وہابی خیال کے تھے، وہ پنج وقتہ نماز اور روزے کے پابندی کے علاوہ سر منڈا رکھنا، لبیں کتروانا اور ٹخنے سے اونچا پائجامہ پہننا لازمی سمجھتے تھے۔ وہ نامحرم عورتوں کی طرف دیکھنے یا ان سے ہاتھ ملانے کو اتنا برا سمجھتے تھے کہ ایک موقع پر مسز نائیڈو انتہائی کوشش کے باوجود انھیں آمادہ نہ کر سکیں کہ وہ ان کی طرف دیکھیں۔ ایک اور مرتبہ جلسے میں جب مرحومہ بیگم بھوپال سے ان کا تعارف کرایا گیا اور بیگم صاحبہ نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انھوں نے یہ کہہ کر مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا کہ میں نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانا غلط سمجھتا ہوں۔ ایک دو شیعی اور غیر مسلم استادوں کو چھوڑ کر باقی سب سنی حنفی تھے، جن میں سے بعض ہر وقت اسلام کی بات کرتے تھے، اگرچہ خود روزہ نماز کے زیادہ

پابند نہ تھے بعض دوسرے روزے نماز کے پابند تھے لیکن اسلام کی بات کم کرتے تھے۔ غرض جیسے عام طور پر دیندار کہتے ہیں اس کی مثال پیش کرنے کا شوق کسی کو نہ تھا۔ ایسی حالت میں زیادہ سے زیادہ یہ کیا جا سکتا تھا کہ جامعہ میں بچوں کو اچھے مسلمان بنا سکھایا جاتا ہے۔ دوسری طرف فنِ تعلیم سے واقفیت رکھنے والے استاد بھی نہیں تھے؛ دینیات کے نصاب میں نئے تجربے کیے بھی جاتے تو شاید اس سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا۔ اس لیے کہ دینیات کے استاد پرانے ڈھنگ پر تعلیم دے سکتے تھے۔ گویا جامعہ کی تعلیم کو دین اور علم کو سمونے کا ایک تجربہ ثابت کرنا تقریباً ناممکن تھا اور دین اور ملت سے دلچسپی رکھنے والے وہ مسلمان جن کی دولت سے مدد حاصل کی جا سکتی تھی جامعہ کے قومی رنگ کو ناپسند کرتے تھے اور اس سے الگ ہی رہنا چاہتے تھے۔ جامعہ کا دوسرا مقصد تعلیم کی ایک نئی تحریک شروع کرنا تھا جس کا سارے ملک پر اثر پڑے۔ یہ کام بعد کو بنیادی تعلیم اور بالغوں کی تعلیم کے سلسلے میں ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں پہلی کی ایک تجویز کے آثار نظر آتے تھے کہ جامعہ میں صنعتی تعلیم دی جائے۔ ان کے آثار میں دو ہینڈ پریس ایک کاتب، ایک مصلح سنگ اور ایک پریس مین تھا کچھ اور سامان تھا، جس سے خیال ہوتا تھا کہ فوٹو گرافی سکھانے کی اسکیم بھی ذہن میں تھی۔ مگر سامان سب اَنمل بے جوڑ تھا؛ کچھ تالے اور اوزار قفل سازی کی اسکیم کی یادگار تھے۔ جامعہ میں بعض لوگ تھے، جن کے نزدیک سب سے اہم کام شبینہ مدرسے قائم کرنا تھا؛ بعض جامعہ کے مدرسوں کے نمونے پر دوسرے مدرسے کھولنا چاہتے تھے؛ جامعہ کی ایک شاخ رنگون میں تھی؛ ایک نیا مدرسہ (اڈہ حیدر دراوڑ دہلی) میں قائم کیا گیا تھا۔ کچھ لوگ ان تجربوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے، مگر انھیں تجربوں پر جامعہ میں لوگ ہنستے بھی تھے۔

یہ ہیں وہ حالات جنھیں ذاکر صاحب کی شخصیت کے سمجھنے کے لیے نظر میں رکھنا چاہیے۔ اب اسی سمجھنے کی کوشش کی تکمیل کے لیے حالات کو ذاکر صاحب کی نظروں سے دیکھیے۔ کسی دل میں گھس کر ساری حقیقت معلوم کر لینا ممکن نہیں ہے؛ اور کوئی شخص خود اپنا سارا حال بتانا چاہے تو بھی نہ بتا سکے گا۔ . . . . (اقتباس)

(ذکرِ ذاکر صفحات ۷۶ سائز ۱۸×۲۲/۱۶ قیمت -/۴ حوالہ صفحات ۵۵ تا ۵۹)

جامِ نو

دل شاہجہاں پوری

۱۸۷۵ — ۱۹۵۹

ضمیرالدین خاں نام، دلؔ تخلص، اصل ونسل کے لحاظ سے افغان۔ سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے شاہ قاسم سلیمانی تک پہنچتا ہے، سلسلۂ قادریہ کے یہ ایک مشہور بزرگ تھے آخری عمر میں مضافات پشاور سے ہندوستان آئے، جہانگیر کا عہد تھا۔ ان کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی کثرت اور تعداد سے حکومت خائف ہوئی۔ قلعۂ چنار گڑھ میں مقید کردیے گئے اور وہیں آپ نے رحلت فرمائی۔

خاندان کے بقیہ افراد شاہ جہاں پور آکر مستقل طور پر آباد ہوگئے۔ حضرتِ دلؔ یہیں پیدا ہوئے، کم سنی میں والد کا انتقال ہوگیا۔ ننھیال والوں کی سرپرستی اور نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ وطن کے بہترین اساتذہ اور علماء سے فارسی اور عربی پڑھی، تفسیر اور حدیث کے درس لیے، پھر اپنے موروثی پیشے یا مشغلے علم طب کی طرف رجوع ہوئے اور اس میں سندِ تکمیل حاصل کی۔

پندرہ سولہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے کچھ دنوں کی مشق کے بعد منشی امیراحمد مینائی کے شاگرد ہوگئے، اور تھوڑی ہی مدت میں اُن کے چند بہت ہی عزیز اور نامور تلامذہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔ آخر عمر تک خود ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہوگیا تھا۔

گھر میں تھوڑی سی زمینداری تھی، کچھ دنوں ٹھیکے اور تجارت میں بھی وقت گزرا۔ شکار، قوالی، صوفیوں اور فقیروں سے ارادت و عقیدت، خلق اللہ کی خدمت کی خاطر مطب اور طبابت۔ غرض انھیں مشاغل اور معمولات میں زندگی بسر کرتے رہے۔

بڑے خوددار، ذی مروّت، دوست دار، خلیق اور انتہائی مہمان نواز بزرگوں میں سے تھے اپنے انھیں خصائل اور خوبیوں کی بنا پر وطن اور وطن کے باہر سب لوگ ان کی عزت اور احترام کرتے تھے۔ آن بان اور وضع داری میں مرتے دم تک فرق نہ آنے دیا۔

شعر و شاعری میں بھی ہر مدرسۂ فکر کے لوگوں میں ان کی خاصی مان دان رہی ۔ ان کی زبان پر لکھنؤ کا اثر اور خیالات میں دہلی کا رنگ جھلکتا ہے ۔

جناب دل نے اپنی توجہ زیادہ تر غزل پر رکھی ۔ کہنہ مشقی اور پختگی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات میں سے ہیں ۔ درد اور گداز کی کیفیتیں بھی ان کے یہاں پائی جاتی ہیں ۔ بحروں کے انتخاب میں ترنم اور نغمگی ، جذبات کی فراوانی میں بھی اسلوب ، شائستگی اور نفاست کا پاس اور لحاظ رکھتے تھے ۔ انھیں محاسن اور فنی کمالات کی بدولت ، اہل ذوق ہر زمانے میں ان کے اشعار کو لطف اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہا کریں گے ۔

کلام کا مجموعہ "نغمۂ دل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

انتخاب

کیا جانے کس خیال سے چھوڑا بحالِ زار ۔۔۔ مجھ پر بڑا کرم ہے مرے چارہ ساز کا
وہ ہم کہ جادۂ تسلیم سے قدم نہ ہٹے ۔۔۔ وہ تم کہ رنگ اڑاتے رہے زمانے کا
مُدام داغِ محبت سے دل رہے روشن ۔۔۔ کبھی چراغ نہ گُل ہو غریب خانے کا
چمنِ دہر میں اک شاہدِ رعنا تو ہے ۔۔۔ ہم نے ہر گل میں ترے حُسن کا جلوہ دیکھا
سُن لیجیے حالِ دلِ مضطر دمِ آخر ۔۔۔ ہو جائے گا ختم آج ہی افسانہ کسی کا

ہر دم ہے اُسی محوِ تغافل کا تصوّر
عشق اور کسی کام کے قابل نہیں رکھتا

وقتِ رخصت تسلیاں دے کر ۔۔۔ اور بھی تم نے بے قرار کیا

کہنے کی ہے کیا حاجت ، احوالِ شبِ فرقت
گزرا ہے جو کچھ ہم پر ، تم نے بھی سُنا ہو گا

سوئے صحرا ، تہہِ تربت ، پسِ دیوارِ حبیب
ہم بھی تقدیر پہ شاکر ہیں جہاں ہو ، جانا

بارہا ڈوب کے اُبھرا مرے دل کا نشتر
راز پھر بھی نہ کُھلا عشق کی گہرائی کا

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب ۔۔۔ دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

گو رازِ حقیقت کا اظہار نہیں ہوتا
ذرّوں میں کوئی ذرّہ بے کار نہیں ہوتا

گرے یوں اُن کے سنگِ آستاں پر　　جبینِ عجز پہنچی آسماں پر
ہم صفیرو موسمِ گل آنے تو دو　　خود بخود ہو جائیں گے تیار پر

او عہد شکن ! حشر میں بھی وعدۂ فردا
آنے کو ہے اِس دن کے سوا کیا کوئی دن اور

دل سوز اگر ہو تو دکھائیں جگر کے داغ　　تم چارہ ساز ہو تو کہیں ماجرائے دل
وہ خود غرض سُنے نہ سُنے اس سے کیا غرض　　کہنا ہے بار بار ہمیں مدعائے دل

جانبِ دیر و حرم کان لگے رہتے ہیں
کاش پردے ہی سے سُنتے تری آواز کہیں

ہم کو بے چین کیے جاتے ہیں　　ہائے کیا شے وہ لیے جاتے ہیں

نہ وہ آرامِ جاں آیا، نہ موت آئی شبِ وعدہ
اسی دُھن میں ہم اُٹھ اُٹھ کر ہزاروں بار بیٹھے ہیں

اُٹھائیں لطف مے نوشی، کُھلے بوتل، چلے ساغر
ہوا سنکی، گھٹا اُٹھی ہے کیوں مے خوار بیٹھے ہیں

مجھے در پہ جو دیکھا بول اٹھے اے دل وہ دربانی
یہ کیا کہتے ہیں، کیا مطلب ہے، کیوں بے کار بیٹھے ہیں؟

جفا کے بعد وہ عہدِ وفا کریں تو سہی　　محال ہے کہ مرے دل کو اعتبار نہ ہو
ستم جو حد کے اٹھاؤ قضا کو یاد کرو　　مآل ہستیٔ اہلِ وفا کو یاد کرو
جو بے حسی کبھی بڑھ جائے تلبِ مضطر کی　　کرشمۂ نگہِ فتنہ زا کو یاد کرو

اُٹھے تو محوِ تمنا، ملے تو غرقِ نیاز
نگاہِ شوق کو فکرِ مآل کار نہ ہو

نگاہِ شوق رہی ہم زبانِ دل لیکن　　کسی طرح نہ بنا شرحِ آرزو کرتے
تلاشِ یار کجا، آرزوئے دید کجا　　ہیں تو عمر ہوئی اپنی جستجو کرتے
مآلِ عشق پہ دل مطمئن اگر ہوتا　　تو چھیڑ چھیڑ کے ناصح سے گفتگو کرتے

دیا تھا عشق تو ہمت بھی یہ خدا دیتا کہ ایک وقت میں ہم ترکِ آرزو کرتے
اندازِ چشمِ تاب شکن تھا کہ الاماں اک نیکھڑی کی چوٹ سے دل چور ہوگئے
نگاہِ مست سے او مڑکے دیکھنے والے
تجھے تو ہے، مجھے اپنی خبر نہیں، نہ سہی
برپا ہوا ہے حشر بس اتنی سی بات پر
اک نازکش کے بس میں طبیعت نہیں رہی
او فتنہ گر! یہ حشر خرامی کی شان ہے
دل خود کہے کہ اب کوئی حسرت نہیں رہی
کافر نظریں، قاتل ابرو، جن کے تیور دل کے دشمن
ہم نے ظالم! تیرے ہاتھوں، مٹتے دل کی دنیا دیکھی
منتکف تیرے آستانے کے کیوں نہ محسود ہوں زمانے کے

نئی مطبوعات

شہر آشوب	(ادبی تحقیق)	ڈاکٹر نعیم احمد	دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	۴/۲۵
عکس و شخص	(مضامین)	عنوان چشتی	〃 ، ادارۂ عارض	۵/-
پیغمبروں کی کہانیاں	(بچوں کے لیے)	شبنم قادری	امروہہ، سیرت پبلشرز	۲/۵۰
عدسہ	(ادبی تحقیق)	ڈاکٹر ش- اختر	گیا ، کلچرل اکادمی	۶/-
آسمانی بلا	(ناول)	مظہر الحق علوی	لکھنؤ، نسیم بکڈپو	۲/۵۰
چنگاری	(ناول، نیا اڈیشن)	رئیس احمد جعفری	〃 〃 〃	۶/-
شعلہ و شبنم	(ناول)	نوشابہ سعید ناز	〃 〃 〃	۲/۵۰
مفلسی میں آٹا گیلا	(ناول)	عبدالمجید سہالوی	〃 〃 〃	۳/-
سرورِ سرمدی	(شعری مجموعہ)	ناشاد کانپوری	〃 〃 〃	۳/۵۰
زین المجالس	(مذہبی)	محمد مسلم	〃 〃 〃	۳/-
رامان باغباں	(نظموں کا انتخاب)	مرتبہ: پریم سنگھ کمار پریمی	دہلی نیشنل اکیڈمی	۵/-
تارا کا ڈنڈا	(بچوں کے لیے، نیا اڈیشن)	محمد شفیع الدین نیر	〃 نیر کتاب گھر	-/۳۰
لونے کا بٹوا	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۰
پری کی چھڑی	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۵
بطخ شہزادی	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۵
بدھو کی بیوی	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۵
یادگار انگوٹھی	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۵
گھر کا آئینہ	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۵
عید کے کھلونے	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۳۵
اسلامی نظمیں	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۶۵
وطنی نظمیں	〃	〃	〃 〃 〃 〃	-/۸۵
تکلف برطرف	(مزاحیہ مضامین)	مجتبیٰ حسین	حیدرآباد، حلقہ اربابِ ذوق	۳/-

مکتبہ جامعہ بک کلب
کا

ممبر بننے کے بعد اردو کی ادبی اور معیاری کتابیں رعایتی قیمت پر حاصل کیجیے

امید ہے کہ اس اسکیم سے شائقین ادب زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے اور ہمیں موقع دیں گے کہ ہم کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ اچھی کتابیں پیش کرتے رہیں۔

"مکتبہ جامعہ بک کلب" کے قواعد وضوابط

(۱) مکتبہ جامعہ بک کلب کی فیس رکنیت ۵ روپے ہوگی

(۲) ایک سال کی مدت گزر جانے کے بعد اگر کوئی ممبر اپنی رکنیت ختم کرنا چاہے گا تو فیس رکنیت واپس کردی جائے گی۔

(۳) ممبری کے دوران ممبر حضرات جتنی بار چاہیں کتابیں منگا سکتے ہیں۔

(۴) ڈاک سے منگانے کی صورت میں ہر بار کم از کم پانچ روپے کی کتابیں منگانا ضروری ہوگا۔

(۵) ڈاک سے منگانے کی صورت میں محصول ڈاک اور صرفہ پیکنگ مکتبہ جامعہ بک کلب ادا کرے گا، اور کتابوں کی اصلی قیمت کا وی، پی کردیا جائے گا۔ کتابیں مکتبہ جامعہ کے تینوں دفتروں سے منگائی جا سکتی ہیں۔

(۶) اگر ممبر حضرات اپنی مطلوبہ کتابیں ہماری شاخ بمبئی، شاخ اردو بازار دہلی، شاخ شمشاد مارکیٹ علی گڑھ یا صدر دفتر میں خود آکر لیں گے تو انھیں ۲۵ فی صدی کمیشن پیش کیا جائے گا۔

(۷) آرڈر کے ہمراہ اپنا کلب کا ممبری کا نمبر دینا ضروری ہوگا۔

(۸) "مکتبہ جامعہ کی بک کلب" کا اطلاق صرف مکتبہ جامعہ کی مطبوعات پر ہوگا۔

(۹) بک کلب کا ممبر بن جانے کے بعد جو صاحب ماہنامہ کتاب نما کا خریدار رہنا چاہیں گے تو انھیں دو روپے سالانہ قیمت کے بجائے صرف ایک ہی روپیہ ادا کرنے پر وہ کتاب نما کے خریدار بن سکیں گے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

جائزے

اُردو زبان کا مذہبی ورثہ

از قیوم صادق احمد پوری
صفحات ۱۱۸ سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت تین روپے
سن اشاعت مارچ ۱۹۶۸ء
علوی بک ڈپو محمد علی روڈ بمبئی ۳

اردو کسی ایک فرقے یا مخصوص طبقے کی زبان نہیں ہے، ہندوستان کا ہر باشندہ خواہ اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو اس نے اپنے مذہبی، سیاسی اور جذباتی خیالات و احساسات کے اظہار یا تبلیغ و اعلان کی خاطر اس زبان سے کام لیا ہے۔

ابتدا سے لے کر گزشتہ صدی تک اس کو متعدد نام دیے گئے ہیں، سلاطین، فقرا، صوفیا، مورخ، شعرا اور ادیبوں نے حسب ضرورت بلا تکلف اس کو اپنایا ہے، اس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا ہے اور ہر موقع پر اس کی ساخت پرداخت میں شریک و معاون رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ آسان اور مفید کوئی اور زبان نہیں تھی۔

یوں تو زبانِ اُردو کی مختلف زاویوں سے بہت سی مبسوط اور مختصر تاریخیں لکھی گئی ہیں لیکن مولوی عبدالحق کی مشہور کتاب "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" کے بعد یہ پہلی کتاب ہے جس میں خاص طور سے اصلاحی ذخیرے کا تاریخی طور پر احاطہ کیا گیا ہے اور اس سلسلے کی ضروری اور مفید معلومات یک جا کر دی گئی ہیں۔

شروع میں اردو زبان کی خوبیوں اور ہمہ گیری سے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کے قابلِ قدر خیالات (کا ترجمہ) اور جگن ناتھ آزاد کی قابلِ تعریف نظم ہے، پھر دس مختلف عنوانوں کے تحت لائق مولف نے جملہ صوفیائے کرام، قرآن و حدیث کے مترجمین، شعرا اور انشا پردازوں کی ادبی خدمات اور تصانیف پر نظر ڈالی ہے جن کی پرخلوص کوششوں کی بدولت اردو میں "مذہبی

لٹریچر کی داغ بیل پڑی اور ایک وسیع ادبی ذخیرہ فراہم ہوا، جس سے عوام و خواص دونوں حسب توفیق مستفیض ہوتے آئے ہیں۔

مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان میں رہنے بسنے والے دوسرے فرقوں کے لوگوں نے بھی اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں اُردو زبان سے جو کام لیا ہے، اس کا ذکر بھی ایک علاحدہ باب میں موجود ہے۔ اچھا ہوتا اگر اس باب کو قلم بند کرنے میں سابقہ ابواب کی طرح اختصار سے کام نہ لیا جاتا۔

بہرحال تھوڑے سے وقت میں بہت ہی ضروری اور کام کی باتیں معلوم کر لینے کے لیے ایسی ہی کتابوں کی ضرورت رہتی ہے۔ ستائش اور ہمت افزائی کے مستحق ہیں جناب قیوم صادق صاحب جنھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ایک ایسی مختصر اور جامع کتاب مرتب کر دی جس سے عام علم دوست اور اردو نواز استفادہ کر سکتے ہیں۔

کتاب کی قیمت کا تعین کرتے وقت اُردو دانوں کی حالت اور حیثیت کا لحاظ بالکل نہیں رکھا گیا ہے۔

رشید نعمانی

●

سرودِ سرمدی
(مطبوعہ جنوری ۱۹۶۵ء)

از ناشاد کانپوری

سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات: ۲۱۰

قیمت ۴/۵۰

پبلشر: ایس، پی، نگم ناشاد

ملنے کا پتہ سریدھر پرشاد نگم ناشادؔ، پانڈو نگر، کانپور

شاعر کا پہلا مجموعہ کلام "کیف سرمدی" ۱۹۵۲ء میں منظر عام پر آیا اور کافی مقبول ہوا "سرودِ سرمدی" جناب ناشادؔ کانپوری کی دوسری تخلیق ہے۔ اس میں ۱۰۸ غزلیں، ۲۲ رباعیات، ۱۱ نظمیں، ۸ قطعے اور تقریباً ۴۰ متفرق اشعار شامل ہیں جن سے شاعر کے نیرنگ فن کی نشان دہی ہوتی ہے۔ فن کار کی ندرتِ خیال، علمی بصیرت، عروض و بیان کی آگہی اور ریاض کا سراغ ملتا ہے۔

غزلوں میں وہ موضوعات داخل ہیں جن کی ایک حساس اور باشعور فن کار سے توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن شاعر کے لب و لہجہ نے ان میں گلاب کی نرمی، چاند سورج کی چمک اور نشتر کی

چبھن پیدا کر دی ہے۔ اس لیے قارئین کو خوشی اور روشنی کے ساتھ متاعِ درد بھی میسر آتی ہے۔ — قطعوں اور رباعیوں میں سنجیدگی اور معنویت کے رنگ جھلکتے ہیں۔ نظموں میں سماجی اقدار، سیاسی افکار، وطن پرستی اور انسان دوستی کے عناصر جلوہ گر ہیں۔ شاعر کے یہاں ہیئت کے کامیاب نمونے ملتے ہیں۔ چھوٹی بحروں میں جو غزلیں اور نظمیں کہی ہیں وہ یقیناً داد طلب ہیں۔ "بیرنگ جستجو" اور "اب تو آنکھیں کھول" اس مجموعے کی بہترین نظمیں ہیں۔ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

بُرا ہو بے خودیٔ عشق کا خبر نہ ہوئی
ہزار بار گلے سے لگا لیا تو نے

جانے کیا آج ہونے والا ہے — دل دھڑکتا ہے کیوں خدا جانے
چاند تارے بھی اب تو سونے لگے — اے غمِ ہجر کتنی رات ہوئی
رکھے ہیں وہ دل پہ ہات اپنا — انگارا جگر دہک رہا ہے
دل کی قیمت رنجِ دو عالم — کچھ تو اس کا مول بڑھانے

ہندوستان اور پاکستان کے نامور ناقدین نے "کیف سرمدی" اور "سرورِ سرمدی" پر اپنی پسندیدگی کی مہرِ ثبت کی ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کا ایک جملہ نقل کرنا کافی ہے
"ان کے لب و لہجہ میں شائستہ تغزل کا ایسا رنگ ملتا ہے جو اس دور میں مفقود ہے"
کاغذ، کتابت، طباعت، سرورق سب چیزیں معقول ہیں۔ آرٹ پیپر پر شاعر کی تصویر شاملِ اشاعت ہے۔ ایسے پاکیزہ اور معیاری مجموعۂ کلام سے کسی لائبریری کو محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اُردو دوستوں کو "سرورِ سرمدی" کے نسخے حاصل کرنا چاہئیں۔

سیفی پریمی

●

پیغمبروں کی کہانیاں
(مطبوعہ جون ۱۹۶۸ء)

از: حبیب احمد خاں شبنم قادری
سائز: $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات: ۱۷۶
قیمت: ۲/۵۰
ناشر: سیرت پبلشرز، امروہہ، یوپی

"پیغمبروں کی کہانیاں" کے مصنف اور ناشر نے، خدا انھیں جزائے خیر دے، اس کتاب کو شائع کر کے نہ صرف مسلمان بچے بچیوں بلکہ نو آموز بالغوں کی بھی ایک علمی ضرورت کو

پورا کیا ہے اور دینِ اسلام کی ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ اس کتاب کو میں نے بھی پڑھا ہے اور میری بچی نے بھی جس کی عمر ساڑھے آٹھ سال ہے اور ہم دونوں باپ بیٹی کی کتاب کے بارے میں یہ رائے ہے کہ "پیغمبروں کی کہانیاں" بہت اچھی کتاب ہے۔ اس کی زبان سادہ، اندازِ بیان دل آویز اور ہر کہانی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ کتاب میں چودہ کہانیاں ہیں اور ہر کہانی کسی ایک جلیل القدر پیغمبر سے متعلق ہے جس سے ہمیں نیکی، بہادری، ایثار، ہمدردی اور بہترین اخلاق و اطوار کا سبق ملتا ہے۔ لکھائی اور چھپائی خوشخط اور صاف ہے۔ ایک دو جگہ کتابت کی معمولی سی غلطی ہے لیکن وہ محسوس بھی نہیں ہوتی اور عبارت کا مفہوم واضح رہتا ہے، یہ مصنف کے اندازِ بیان کی خوبی ہے۔

"بادشاہ کا خواب" اور "لاٹھی کا سانپ" نامی کہانیاں بہت لمبی ہو گئی ہیں۔ انھیں مختصر کیا جا سکتا تھا کیونکہ طولِ کلام سے ذہن تھک جاتے ہیں اور بات کا اثر زائل ہونے لگتا ہے۔ کہانی سے پہلے کہانی کا نمبر شمار بھی جلی قلم سے اگر تحریر ہوتا تو کہانی تلاش کرنے میں آسانی رہتی۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی "بادشاہ کا خواب" صفحہ ۴۴ پر ہے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کہانی "لاٹھی کا سانپ" صفحہ ۶۳ پر ہے لیکن موخر الذکر کہانی میں بھی ایک ذیلی سرخی "بادشاہ کا خواب" شروع ہی میں موجود ہے۔ اس سے پڑھنے والے کو الجھن ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ نئے عنوان والے صفحے پر نمبر شمار نیچے دیا ہوا ہے جب کہ دوسرے صفحات پر نمبر صفحوں کے اوپر درج ہیں۔ یہ بھی نفسیاتی اعتبار سے کچھ اچھا نہیں، بہتر ہوتا کہ سارے نمبر صفحوں کے اوپر ہی تحریر ہوتے۔

کتاب کے سرورق پر جو اشتہار ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانیاں علیحدہ علیحدہ بھی چھپی ہیں۔ بلاشبہ یہ کہانیاں ایسی ہیں جنھیں ہندی رسم الخط میں بھی ضرور شائع کیا جائے اس کی زبان اور اندازِ بیان اتنا اچھا ہے جسے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے اور صرف چند الفاظ کے بدلنے سے آسان ہندی کہی جا سکتی ہے اور اس طرح وہ لوگ بھی ان سے مستفید ہو سکتے ہیں جو صرف ہندی جانتے ہیں۔ برادرانِ وطن کے علاوہ اب بہت سے مسلمان بھائی بھی چونکہ صرف ہندی ہی پڑھ سکتے ہیں اس لیے ایسا کیا جانا ضروری ہے۔

محمد احمد دلکش

ادبی خبریں

★ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے اس سال اردو میں ایم اے کلاس کھولنے کی اجازت دے دی ہے۔ جناب ڈاکٹر حسنین شعبہ اردو گیا کالج گیا اس شعبے کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ (زاہد)

★ پاکستانی حکومت کے ایک فیصلے کے مطابق پاکستانی کے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کو جن ہندوستانی اخباروں اور رسالوں کی ضرورت ہوگی وہ نئی دہلی میں مقیم پاکستان کے ہائی کمشنر کی معرفت خریدے جایا کریں گے۔ چونکہ بنکوں کے ذریعے ہندوستان اور پاکستان میں لین دین بند ہے اس لئے اخباروں، رسالوں اور کتابوں کی قیمتیں نئی دہلی کے پاکستانی ہائی کمشنر کو بھیجی جائیں گی۔

★ سید نثار مصطفیٰ کو پٹنہ یونیورسٹی نے ان کے تنقیدی مقالے "راجندر سنگھ بیدی اور ان کی ادبی خدمات" پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر اور ینوی کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔

★ پچھلے دنوں اندر جیت لال صاحب کو جو اردو ادب کو انگریزی دانوں سے متعارف کرانے والے کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتے ہیں، اردو میں سائنس کے موضوعات سے متعلق ان کی کتاب "آج کی سائنس، نئی روشنی نئی باتیں" کے مسودے پر یونسکو کا انعام ملا ہے۔ اندر جیت لال صاحب کی کتاب کے موضوعات میں سے ایٹمی توانائی۔ ارضیات میں سائنس۔ خلائی سفر۔ چاند کی دنیا۔ موسمیات۔ نیوٹرن۔ کمپیوٹر، راڈر۔ سائنس اور ہم۔ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے سائنسی موضوعات پر ایک ایسا اندازِ بیان اور اسلوبِ اظہار اپنایا ہے جس کی اہلِ سائنس بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اندر جیت لال صاحب اردو ادب سے متعلق اردو زبان میں متعدد مضامین کے علاوہ بڑی تعداد میں انگریزی زبان میں اردو ادب کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھ چکے ہیں۔ اور آئے دن اردو ادب کی عظمت کو واضح اور روشن کرتے رہتے ہیں۔ ان کی اردو کی معیاری کتابوں پر تبصرے انگریزی زبان کے موقر جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اور اہلِ نظر حضرات سے خراجِ عقیدت حاصل کرتے رہتے ہیں۔

مطبوعات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
ایک نظر میں

ادب، تنقید، انشا

آتش گل	جگر مرادآبادی	۵/۵۰
ڈاکٹر ذاکر حسین سیرت و شخصیت	عبداللطیف اعظمی	۵/۵۰
پریم چند کے خطوط	مرتبہ: مدن گوپال	۶/۵۰
قلم کا مزدور	" "	۴/-
فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ	سید ضمیر حسن	۳/-
شہر آشوب	ڈاکٹر نعیم احمد	۷/۲۵
کچھ پرانے خط اول	پنڈت جواہر لال نہرو	۸/-
" " دوم	" " "	۸/-
یادگار شخصیتیں	" " "	۵/۵۰
آشفتہ بیانی میری	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۲/۵۰
گنجہائے گرانمایہ	" " "	۴/-
اردو اسٹیج	سید ظہیر الدین مدنی	۳/-
باغ و بہار	مرتبہ: رشید حسن خاں	۲/-
مثنوی گلزار نسیم	" " "	۱/۵۰
" سحر البیان	" " "	۱/۷۵
موازنۂ انیس و دبیر	" " "	(زیر طبع)
روح اقبال	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۸/-
کاروان فکر	" " "	۳/۷۵
حسرت کی شاعری	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۱/-
بکھرے ورق	سونیتی کمار چٹرجی	۳/-
اردو مرثیہ	سید سفارش حسین	۴/-
ذکر غالب	مالک رام	۴/۲۵
غزل سرا	مجنوں گورکھپوری	۶/-
پردیسی کے خطوط	" "	۲/۷۵
تذکرۂ جگر	محمود علی خاں جامعی	۲/-
تنقید کیا ہے	آل احمد سرور	۲/۷۵
نقد اقبال	میکش اکبرآبادی	۴/۷۵
شراب کہنہ	رشید نعمانی	۲/۲۵

تعلیم

تعلیمی خطبات	ڈاکٹر ذاکر حسین	۴/۵۰
بنیادی استاد کے لیے	ڈاکٹر سلامت اللہ	۴/۲۵
ہم کیسے پڑھائیں	" "	۳/۵۰
چند پروجکٹ	عبدالغفار مدھولی	۲/۵۰
جامعہ کا طریقہ	" "	۲/۵۰
موجودہ تعلیمی مسائل	عبداللہ ولی بخش قادری	۲/۵۰

ناول

دلی کی شام	احمد علی	۷/۵۰
چنار کا پتا	سلطانہ آصف فیضی	۲/۲۵
عروس نیل	" "	۴/۲۵

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
آدمی کا مقدر	ترجمہ: قرۃ العین حیدر	۱/-
ڈنکو	" " "	۲/۲۵
ماں کی کھیتی	" " "	۲/-
پودوکیہ	" " "	۱/۷۵
ایک تھی انیتا	امریتا پریتم	۳/۲۵
بیوہ	منشی پریم چند	۲/۷۵
گئودان	" "	۸/-
میدان عمل	" "	۶/۵۰
باپ بیٹے	ترجمہ: انور عظیم	۵/-
دلدل	" رضیہ سجاد ظہیر	۴/۵۰
سات سال	" " "	۵/۲۵
راہ عمل	صالحہ عابد حسین	۷/۵۰
صلاح الدین	قاضی عبد الستار	

افسانے

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
اپنے دکھ مجھے دیدو	راجندر سنگھ بیدی	۴/-
دانہ و دام	" " "	۳/۷۵
پت جھڑ کی آواز	قرۃ العین حیدر	۵/۲۵
پرند اور دوسرے افسانے	آصف مجیب	۱/۵۰
چراغوں کا سفر	رام لعل	۴/-
خنداں	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۵/۵۰
خیالستان	سجاد حیدر یلدرم	۳/۷۵
دو ہاتھ	عصمت چغتائی	۳/۵۰
سپنوں کا قیدی	کرشن چندر	۲/-
کالے صاحب	اوپندر ناتھ اشک	۲/۵۰
کیمیا گر	پروفیسر محمد مجیب	۲/

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
زندان	جیلانی بانو	۴/۷۵
نئی بیماریاں	مہندر ناتھ	۲/۵۰
واردات	منشی پریم چند	۲/۵۰

ڈرامے

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
انجام	پروفیسر محمد مجیب	۱/۲۵
آزمائش	" "	۱/۲۵
خانہ جنگی	" "	۱/۵
کھیتی	" "	۱/۲۰
اوپر کی منزل	کرتار سنگھ دگل	۴/-
آئینۂ ایام	بریسٹلے	۲/۵۰
آذر کا خواب	بیگم قدسیہ زیدی	۱/۵۰
بند لفافہ	اشتیاق حسین قریشی	۲/۴۱
نقش آخر	" " "	۱/۲۵
پردۂ غفلت	ڈاکٹر سید عابد حسین	۱/۲۵
دروازے کھول دو	کرشن چندر	۲/۵۰
موت پر فتح	جیالال ساز	۱/۲۵

تاریخ و سوانح

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ہندوستانی مسلمان آئینۂ ایام میں	ڈاکٹر سید عابد حسین	۸/-
پاکستان اور اس کا قیام	سری پرکاش	۴/-
امن کا راستہ	عبد الغفار مدہولی	۳/-
کشمیر پر حملہ	کرشنا مہتا	۲/-
گاندھی جی بادشاہ خان کے دیس میں	مصنف: پیارے لال، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین	۵/

دنیا کی کہانی — پروفیسر محمد مجیب — ۳/۵۰
تاریخ الامت اوّل — مولانا اسلم جیراجپوری — ۳/-
" دوم " — ۳/۲۵
" سوم " — ۲/-
" چہارم " — ۳/۲۵
" پنجم " — ۳/۲۵
" ششم " — ۳/۲۵
" ہفتم " — ۲/-
" ہشتم " — ۳/۲۵

بچوں کی کتابیں

مذہب

آں حضرتؐ — الیاس احمد مجیبی — -/۵۰
ارکانِ اسلام — مولانا اسلم جیراجپوری — -/۴۵
چار یار — الیاس احمد مجیبی — ۱/۳۰
خلفائے اربعہ — خواجہ عبدالحیٔ فاروقی — ۱/۵۰
رسولِ پاکؐ — عبدالواحد سندھی — ۱/۵۰
سرکارِ دو عالمؐ — محمد حسین حسان — ۲/-
عقائدِ اسلام — مولانا اسلم جیراجپوری — -/۵۰
مسلمان بیبیاں — اعجاز الحق قدسی — -/۷۵
نبیوں کے قصے — خواجہ عبدالحیٔ فاروقی — -/۸۷
ہمارے رسولؐ " " " — ۱/۳۰
ہمارے نبیؐ — سید نواب علی رضوی — -/۴۰

معلومات

آدمی کی کہانی — مشتاق احمد اعظمی — ۱/۲۵
انوکھا عجائب خانہ اول — محمد حسین حسان — -/۵۰
انوکھا عجائب خانہ دوم — محمد حسین حسان — -/۴۰
" سوم " — -/۴۰
" چہارم " — -/۵۰
بجلی کی کہانی — علی احمد خاں — -/۵۰
پردادا کی کہانی — پروفیسر عبدالغفور — -/۵۶
بجلی اور مقناطیس کے کھیل — -/۷۵
تاریخ ہند کی کہانیاں اول — خجستہ سلطانہ — -/۸۰
" " دوم — ضیاء الرحمٰن — -/۸۰
" " سوم — مشتاق حسین اعظمی — -/۷۵
" " چہارم — -/۹۵
چٹانوں کی کہانی — محمد امین — ۱/۷۵
خبر رسانی کے طریقے — رفیعہ امین — -/۸۵
دادا نہرو — منوّر لکھنوی — ۱/۵۰
دہلی — ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی — ۱/۵۰
دنیا کے بسنے والے — بشیر حسین زیدی — -/۷۵
دنیا کے بچے — محمد حسین حسان — -/۶۵
رابندر ناتھ ٹیگور — صفدر حسین — ۱/۲۵
سمندر کے کنارے — سلطانہ آصف فیضی — ۱/۳۰
سمندر کے نیچے " — ۲/-
سماجی زندگی اوّل — احمد السیق پٹیل و غلام ابرار — -/۵۶
" " دوم " — -/۸۰
" " سوم " — -/۸۱
" " چہارم " — -/۸۱
گاندھی بابا کی کہانی — بیگم قدسیہ زیدی — ۳/-
مفید معلومات اوّل — -/۵۰

مفید معلومات - دوم -/۷۵
" " سوم ۱/۲۵
" " چہارم ۱/۵۰
معلومات کی پانچویں کتاب ۱/۵۰
مقناطیس کی کہانی -/۴۴
میر تقی میر محمد حسین حسان ۱/-
میر انیس " " ۱/۲۵
ہماری پارلیمنٹ کیلاش چندر ۱/۵۰

کہانیاں

ابو خاں کی بکری ڈاکٹر ذاکر حسین ۲/۵۰
اُس نے کیا کرنا جانا آصف مجیب -/۳۷
ایک کوری تیل میں اسرار ندوی -/۴۰
بچوں کی کہانیاں عبدالواحد سندھی -/۳۷
پاک کہانیاں اوّل مقبول احمد سیوہاروی -/۹۵
" " دوم " " ۱/۵۰
پرندوں کا ایکا سجاد ظہیر -/۲۰
پریم کی جیت -/۳۷
پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی -/۳۷
تامیل خاں محمد حسین حسان -/۴۰
ترکوں کی کہانیاں -/۵۵
چنگو کی بلی عبدالواحد سندھی -/۴۵
چھوٹی لالٹین مشتاق احمد اعظمی -/۳۱
چقماق کی ڈبیا برکت علی فراق -/۴۰
چوہوں کی کانفرنس احسن عثمانی -/۴۵
جیسلی محمد حسین حسان -/۵۰

چپاتی کا آدم خور شیر محمد معین -/۳۵
خربوزہ شہزادہ کا سر بن گیا کوثر بانو -/۳۰
شہزادہ اور ٹھگ -/۴۵
شہزادی گلنار پروفیسر عطاء اللہ -/۴۰
شہزادی گلفام ثریا بیگم -/۵۰
شیدلا پروفیسر محمد مجیب -/۵۰
لال مرغی عبدالواحد سندھی -/۵۰
مزہ چکھائیں گے -/۳۱
مُرغی اجمیر چلی ڈاکٹر ذاکر حسین -/۲۵
ننھا ٹٹو خورشید سلطانہ -/۳۰
ہمت کا پھل عبدالواسع عصری -/۳۵

ناول

تین اناڑی عصمت چغتائی ۱/۴۰
جن حسن عبدالرحمٰن اوّل ترجمہ: قرۃ العین حیدر ۲/-
" " دوم " " ۲/-
خیالی پلاؤ " ۱/۷۵
خرگوش کا سپنا کرشن چندر ۱/۷۵
ڈاکو کی گرفتاری ابرار محسن -/۵۰
ستاروں کی سیر کرشن چندر ۱/۷۵
کوے دادا ترجمہ: مجیب احمد خاں ۱/۷۵

متفرق

آؤ ڈراما کریں پروفیسر محمد مجیب -/۶۰
شمو کی عید احسن عثمانی -/۵۰
بچوں کے افسر حامد اللہ افسر -/۷۵
مزیدار پہیلیاں محمود علی -/۶۵

REGD. No. D56 Nov. 1968
Kitab Numa,
Jamia Nagar, New Delhi-25.

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ماہنامہ

کتاب

دسمبر ۱۹۶۸ء

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

ماہنامہ
کتاب نما
نئی دہلی

منیجنگ ایڈیٹر
غلام ربانی تاباں
مدیر مسئول
مجیب احمد خاں

دسمبر ۱۹۶۸ء
جلد ۹ شمارہ ۱۲
سالانہ چندہ دو روپے
فی پرچہ بیس پیسے

اشاریہ

لیجیے اب سن ۶۸ء کے بھی رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا۔ اس سال میں کیا کچھ ہوا اور کس کس پہ کیا بیتی، اس کی تو بڑی لمبی کہانی ہے۔ اس کہانی کے سنانے کا یہ موقع نہیں ہے اور جناب سچ بات تو یہ ہے کہ یہ کہانی اتنی لمبی ہے کہ اگر کوئی سنانا بھی چاہے تو وہ ایک ساتھ سنا بھی نہیں سکتا۔ ہاں ہم تو اپنی بات جانتے ہیں کہ اس سال گرانی میں پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہی اضافہ ہوا۔ سب چیزوں کے ساتھ ساتھ کاغذ کے دام بھی بڑھ گئے۔ طباعت کے نرخوں میں اضافہ ہوا اور رہی سہی کسر گورنمنٹ نے محصول ڈاک کی شرح میں اضافہ کرکے پوری کردی۔ اس اضافے سے ذاتی طور پر تو سب متاثر ہوئے ہی لیکن کاروباری سطح پر اور بالخصوص اردو کتابوں کے ناشرین اور کتب فروشوں کو جو پہلے ہی کسمپرسی کا شکار تھے اس اضافے نے سخت پریشانیوں میں مبتلا کردیا۔ تقریباً تمام سرکاری اور نیم سرکاری اسکول اور لائبریریاں تو پہلے ہی اردو کتابوں کی خریداری کی مد میں ہر سال برابر کمی کررہی تھیں ملے دے کر جو چند با ذوق حضرات انفرادی طور پر کتابیں منگاتے تھے، وہ بھی ان عالم گیر اضافوں کی وجہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مجموعی طور پر ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کتابوں کی فروخت اب پہلے سے بھی کم ہو کے رہ گئی۔

مکتبہ جامعہ نے ان نا مساعد حالات کے باوجود اردو کی ادبی اور معیاری کتابوں کی اشاعت کا کام جاری رکھ کے بہر حال اپنا فرض ادا کیا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے اس سال جو کتابیں شائع کی ہیں وہ ہر طرح معیاری اور بہر صورت اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔ ان کتابوں میں احمد علی کا ناول "دلی کی شام"، ڈاکٹر نعیم احمد کی ادبی و تحقیقی کتاب "شہر آشوب"، مدن گوپال کے مرتبہ

"پریم چند کے خطوط"، سید ضمیر حسن دہلوی کی "فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ"، قاضی عبدالستار کا تاریخی ناول "صلاح الدین"، ڈاکٹر سونتی کمار چیٹرجی کے بنگلہ زبان سے ترجمہ کیے ہوئے مضامین "بکھرے ورق" (مترجم: شانتی رنجن بھٹاچاریہ)، سلطانہ آصف فیضی کا ناولٹ "جارکا بھا" اور سابق ہندوستانی ہائی کمشنر سری پرکاش کی سیاسی و تاریخی واقعات پر مبنی کتاب "پاکستان اور اس کا قیام" ہر طرح قابلِ توصیف اور قابلِ ذکر ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ان کی ہر طبقہ میں پذیرائی ہوگی۔

امسال جامعہ ملیہ کا سالانہ تعلیمی میلہ ۳۰ اکتوبر سے یکم نومبر تک اپنی سابقہ روایات کے مطابق انجام پذیر ہوا۔ اس میلے میں حسبِ سابق مکتبہ جامعہ کی طرف سے "فن اور فن کار" کا ادبی پروگرام بھی پیش کیا گیا۔ یہ خاص پروگرام اس سال ڈراما ریڈنگ کے نام سے ترتیب دیا گیا تھا اور اس میں جیا لال ساز کے ڈرامے "موت پر فتح" کی تھوڑی سی تبدیلی کے بعد ریڈنگ اس طرح کی گئی تھی کہ بغیر ایکٹنگ کیے صرف مکالموں کے ذریعے ہی پوری کہانی سمجھ میں آسکے اور تسلسل میں بھی فرق نہ آئے۔ ڈراما ریڈنگ کے لیے اسے ریحان احمد عباسی صاحب نے ترتیب دیا تھا اور ہمیں خوشی ہے کہ سامعین نے اسے پسند کیا اور اس سے محظوظ ہوئے۔

تعارف

شہر آشوب

پرانی چیزوں کو خواہ کتنا ہی نظر انداز کیا جائے مگر ایک نہ ایک وقت ضرور ایسا آجاتا ہے کہ وہ سامنے آکر اپنی اہمیت اور افادیت کا اقرار کرا ہی لیتی ہیں، خاص کر وہ چیزیں جن کے پیچھے ایک خلوص ایک حقیقت کچھ علمی کوششیں یا ادبی کاوشیں کارفرما رہی ہوں۔ شہر آشوب جسے "کلاسیکی صنف سخن" کے زمرے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کا ایک ایسا ہی ترکہ یا کارنامہ ہے جو ہم کو عہد رفتہ کی بہت سی بھولی بسری باتیں یاد دلا دیتا ہے۔

اردو زبان میں اس سلسلے کا خاصا بڑا سرمایہ موجود تھا۔ مگر ہماری نظروں سے اوجھل اور بعض چیزیں دسترس سے دور، ڈاکٹر نعیم احمد کی داد دینا چاہیے کہ ان کی کوششوں سے ایسی بہت سی ڈھکی چھپی چیزیں یک جا ہو کر کتابی صورت میں سامنے آگئیں۔ اگر وہ اس طرف توجہ نہ کرتے تو شاید اس سرمائے کا بڑا حصہ کچھ دنوں میں تلف ہو جاتا۔

یہ کلاسیکی صنف بقول ڈاکٹر صاحب موصوف "اردو کے علاوہ فارسی اور ترکی میں بھی موجود ہے" یہ صحیح ہے کہ اردو میں یہ صنف سخن ترکی اور فارسی کی راہ سے آئی ہے لیکن موضوع اور مقصد بدل کر، اس تبدیلی اور نوعیت کو ڈاکٹر نعیم احمد صاحب یوں واضح کرتے ہیں:— "فارسی اور ترکی شہر آشوبوں میں کسی شہر کا وہاں کے باشندوں اور ان میں بھی زیادہ تر پیشہ وروں کے نوعمر لڑکوں کی خوب صورتی کا ہزلیہ انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اردو شہر آشوب کی معنوی روایت، اس کا مزاج اور اس کی فضا فارسی اور ترکی نظموں سے بحیثیت مجموعی بالکل مختلف ہے" اس کی تاریخ اور ہیئت کے بارے میں بھی

اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد ہر طرف زوال و ادبار کے مہیب سائے منڈلانے لگے۔ چناں چہ جو سخن، فارسی اور ترکی میں ذہنی انبساط کے لیے مخصوص تھی، وہ اُردو میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی اختلال کے بیان کا ذریعہ بن گئی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہرآشوب اُردو کی وہ کلاسیکی صنفِ سخن ہے، جس میں ہیئت کی کسی خاص پابندی کے بغیر سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بحران کی وجہ سے عوام و خواص کی بربادی کا حال بیان کیا گیا ہے ...."

ہندوستان کے وہ شہر اور صوبے جو حکمرانوں کے مستقر یا حکومتوں کے مرکز رہے ہیں شہرآشوب عام طور سے انھیں مقامات اور مراکز سے متعلق ہے۔ اردو کا پہلا شہرآشوب جعفر زٹلی نے لکھا پھر تو اس زمانہ کے قریب قریب سب ہی مشہور اور نامور شاعروں نے اس کو اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ جن شاعروں کو شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی ان کے دیوانوں اور کلیات میں وہ شہرآشوب بھی شامل ہو کر چھپ گئے، مگر جو شہرت سے محروم رہے ان کی یہ کارگزاریاں کیسے سامنے آسکتی تھیں۔

حاتم، سودا اور میر۔ جرأت، مصحفی اور نظیر اکبرآبادی کے بہت سے ہم عصروں کے شہرآشوب کسی قدر مرتب اور مطبوعہ شکل میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔

ڈاکٹر نعیم کا خیال ہے کہ "آشوب گوئی کا یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء کے چند برس بعد تک جاری رہتا ہے" اور "اس کے جائزے کو دو حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے (۱) ۱۸۵۷ء سے قبل کی کیفیت (۲) ۱۸۵۷ء کی صورتِ حال"۔ پہلے دور کی آشوبیہ نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں ـــ "یہ بات اس حقیقت کی مظہر ہے کہ شخصی حکومت کے اس دور میں بھی ہمارے شعرا میں اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ وہ بادشاہ کی کوتاہیوں پر بھی نکتہ چینی کر سکتے تھے"

سودا، میر اور قائم وغیرہ کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی نہیں، اسی دور کے ایک نسبتاً کم معروف اور غریب الوطن شاعر (راغب) کی زبان سے زمانے کی ابتری اور باہنر لوگوں کی ناقدری کا حال سنیے انداز مثنوی کا ہے زبان صاف، سہل اور سادہ، حالات نہایت حیرت خیز اور بیان عبرت انگیز!!

زمانے کا کچھ طور بے طور ہے عجب عہد ہے اور عجب دور ہے
سفیہوں کا گرم اس سے بازار ہے جو ذی قدر ہے سو بہت خوار ہے
جسے دیکھو نالاں ہے افلاس سے خراب اور پریشاں ہے افلاس سے

لگا شاہ سے تا امیرو وزیر　　جو دیکھو تو دل ہے سبھوں کا فقیر
سپاہی جو ہے تیز نم کا نشاں　　کمر ہے دوتا اس کی مثلِ کماں
دلِ اہلِ دفتر جو پُر درد ہے　　جگر چاک جوں خانۂ مہزرد ہے
نہ دُھنیا ہی سر اپنا دُھنتا ہے اب　　کبابی کا بھی سینہ بھنتا ہے اب
مفرّح فروش آہ محزون ہے　　تنبولی کا دیکھو تو دل خون ہے
معلّم جو قابل بہت آج ہے　　نپٹ نوکری کا وہ محتاج ہے
کسو بزم میں کوئی مطرب جو جائے　　تو ڈھولک کی جا پیٹ اپنا بجائے
کہوں آہ کیا شاعروں کی میں بات　　گیا مل انھوں کا ہی پائے ثبات
کریں شعر کی فکر، کیا ذکر ہے　　ہمیشہ انھیں پیٹ کی فکر ہے

ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۸

یہی وہ عہد بھی تھا جب ہمارے شعراء کے یہاں گالیاں، غیر مہذب باتوں کا ذکر اور لب لہجے میں ناہمواریاں بھی نظر آتی ہیں۔ بعض نظموں میں تو سال خوردگی اور نقل در نقل کی وجہ سے بہت سے لفظ غلط یا مشکوک، مصرعے ناموزوں اور بحریں کچھ سے کچھ ہوگئی ہیں اس کے باوجود ہر مکتوب کی عکاسی ہر شاعر کے شہر آشوب میں موجود ہے۔ ۱۸۵۷ء کے شہر آشوب زبان و بیان اور شعری محاسن کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں، دہلی کی بربادی پر شعرا واقعی خون کے آنسو روئے ہیں۔ انقلاب کے جیسے جیسے درد انگیز اور دل گداز مرثیے محمد حسین آزاد سے لے کر منیر تک نے (تقریباً ۵۰ شاعروں نے) پیش کیے ہیں اُن میں عبرت، حسرت اور موعظت سب کچھ موجود ہے ع 'تذکرہ دہلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ'؛ یا ع 'فلک زمین و ملائک جناب تھی دلّی' ۔ اور ع 'مل گئی خاک میں شانِ دہلی' ۔ حالی، داغ اور حکیم آغا جان عیش کے یہ مرثیے تڑپنے تڑپانے کا پورا سامان اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن انھیں کے چند ہم عصر ہم زبان اور عہدِ رفتہ کے نوحہ خواں کچھ اور بھی تھے۔ لالہ رائے پرشاد ظاہر کی باطنی کسک ملاحظہ ہو غزل کے پیرائے میں احترام و عقیدت اور تعلقِ خاطر کی کیا کیا کیفیتیں اور منظر سامنے آتے ہیں:-

بارِ منت سے نہیں کس کا بھلا سر نیچا　　کس کے سر پر نہیں احسانِ شہانِ دہلی
کوئی ظاہر میں نہ تھا، اُن کی خرابی کا سبب　　اپنے اعمال ہوئے آفتِ جانِ دہلی
وَرتکِ طوبیٰ، قد دلجو، رُخ انورِ خورشید　　ماہِ نو تھا، خمِ ابروئے بُتانِ دہلی

میرے نزدیک توجب وادِ فصاحت کی ملے   دہن اللہ کا ہوا اور زبانِ دہلی ص۲۷۹

دلی کی بربادی پر اشک بہانے والوں میں سے ایک بزرگ کنور شین پرشاد فرحت بھی تھے۔ تخلص سے قطع نظر اُن کی اداسیوں، محرومیوں اور کرب کا اندازہ کرنے کے لیے ایک مخمس کے دو تین بند اور پڑھ لیجیے

کوئی مفلسی میں ہے مبتلا، کوئی تنگ جان سے خوار ہے
کوئی بے کسی میں اداس ہے کوئی رنج کے تہِ بار ہے
جسے دیکھو آہ زمانے میں، وہ الم سے زار و نزار ہے
کوئی ہے قلق سے شکستہ دل، کوئی غم سے سینہ فگار ہے
یہ اٹھائے لوگوں نے غم پہ غم نہ حساب ہے نہ شمار ہے

گیا سر بسر یہ اُجڑ جہاں، ہوا انقلابِ زمانہ یہاں
نہ وہ عیش و عشرتِ جاوداں، نہ زمیں رہی نہ وہ آسماں
کیا تو نے کیا ارے آسماں، گئے سب کے سب وہ چمن کہاں
ہوئیں یک بہ یک یہ اداسیاں نہ وہ گل رہے نہ وہ بوستاں
یہ کہاں سے آگئی اب خزاں، نہ وہ باغ ہے نہ بہار ہے

ص۳۳۱، بند ۱، ۳، ۴

۴۴۴ صفحے کی صاف ستھری چھپی ہوئی کتاب میں جعفر زٹلی بلکہ تجلی تک ۷۶ شاعروں کی کوئی ۱۱۰ طویل اور مختصر آشوبیہ نظمیں، غزلیں، مخمس اور مسدس جو ڈیڑھ سو سال تک کہے اور سنے جاتے رہے۔ اردو میں اس طرح کا کلام، پہلی بار یکجا، مرتب اور مطبوعہ شکل میں سامنے آیا ہے۔ ان میں سے کئی شہر آشوب ایسے ہیں جو عام نگاہوں سے مخفی ذخیروں، کتب خانوں، نجی املاک اور ذاتی بیاضوں سے نہایت کاوش اور دیدہ ریزی کے ساتھ ڈھونڈ ڈھونڈھ کر نکالے گئے ہیں۔ اور اُن کو تاریخی ترتیب، ضروری حواشی، تشریحی اشاریوں اور مقدمے میں مفید معلومات اور آخر میں ماخذ کی بسیط فہرست کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

امید ہے اہلِ علم اور اہلِ نظر اس کتاب کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ اور ان کی تمام شاخوں سے یہ کتاب ۲۵/۲ میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

رواںؔ

۱۸۸۹ء — ۱۹۳۴ء

جگت موہن لال، نام، رواںؔ تخلص، اناؤ (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے، نو ہی برس کے ہو پائے تھے کہ ان کے والد ماجد چودھری گنگا پرشاد کا انتقال ہو گیا۔

اس ہونہار اور کنبے کا نام روشن کرنے والے بچے کی تعلیم و تربیت اور پرداخت کی جملہ ذمہ داریاں بڑے بھائی بابو کنہیا لال نے اپنے ذمے لے لیں اور واقعہ یہ ہے کہ جتنی شفقت اور خلوص کے ساتھ انھوں نے جگت موہن لال کی دیکھ بھال کی اور بہتر سے بہتر تعلیم دلوائی اس کی مثالیں آسانی سے نہیں ملیں گی۔

۱۹۱۳ء میں ایم۔ اے۔ کی ڈگری لی اور اس کے تین سال بعد ایل۔ بی۔ کر کے وطن ہی میں وکالت شروع کر دی۔ ذہین، طباع اور حوصلہ مند نوجوان تھے جب تک طالب علم رہے، بہترین طالب علموں میں شمار ہوتا رہا جب ایک وکیل کی حیثیت اختیار کی تو اس پیشے میں بھی اپنی ذہانت اور طباعی کی بدولت جلد ہی نہ صرف ایک کامیاب بلکہ درجۂ اوّل کے وکیلوں میں نام لیا جانے لگا۔

بچپن ہی میں شعر و شاعری سے دلچسپی ہو گئی تھی، سنِ شعور کو پہنچ کر مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی کے شاگرد ہو گئے، فطری صلاحیتوں کو ایک کاملِ فن کی نگرانی اور تربیت میں آب و تاب کے ساتھ اُبھرنے کا موقع ملا اور تھوڑی ہی مدت میں ایک خوش گو شاعر کی حیثیت سے بھی مشہور و معروف ہو گئے — رنگ سخن اور مزاج و مذاق کا صحیح اندازہ کر کے استاد اپنے اس شاگرد کو "دل کا شاعر" کہا کرتے تھے۔

رواںؔ نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی لکھیں، اور رباعی تو ان کی سب سے زیادہ مرغوب صنفِ سخن بن گئی۔ اُن کی غزلوں میں اعلیٰ تخیل، پاکیزہ جذبات اور صاف ستھری زبان

کے اچھے نمونے ملتے ہیں نظمیں بھی حسن وعشق کی واردات، کردار نگاری اور منظر کشی سے خالی نہیں کہی جا سکتی ہیں۔

رباعیوں میں ان کی جودتِ طبع علوئے فکر اور شاعرانہ محاسن و کمالات پورے طور پر نمایاں ہیں۔ زندگی کے مختلف موضوعات اور مسائل پر فلسفیانہ انداز سے نگاہ ڈالی ہے، بعض ادق مضامین اور مشکل معاملات کو سہل اور دل پذیر انداز میں بیان کر دیا ہے، تشبیہ و استعارات کا استعمال بھی جہاں کہیں ہوا ہے خوب صورتی اور استادی کے ساتھ ہوا ہے۔ کلام کا بہت کم حصہ ایسا ہوگا جس میں تازگی اور جاذبیت نہ پائی جائے۔ رواںؔ جیسے شاعر سے اردو شاعری کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں لیکن موت نے ان امیدوں کو پورا ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ رواںؔ نے اپنی مختصر زندگی میں جو کہا وہ قابلِ قدر ہے اور قابلِ فخر بھی۔ "روحِ رواں" غزلوں، نظموں، قطعات اور رباعیوں کا مجموعہ اور پھر "رباعیاتِ رواں" ایک علٰحدہ کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔

انتخاب:۔

تغزل

نزع میں آکر کھلا ہے عالمِ فانی کا راز

اے مری جاتی ہوئی دنیا بڑا دھوکا ہوا

پیہم دیے وہ رنج کہ انساں بنا دیا ___ منت پذیر ہوں ستمِ روزگار کا

میں یک جا ہی کرتا تھا اپنے حواس ___ کہ ان سے مرا سامنا ہو گیا

جہاں میں صورتِ نوآرہ زندگی ہے مری ___ کہ آپ اپنی بلندی پہ اشکبار ہوں میں

ذکر ہے زنداں میں وہ گلزار پر بجلی گری

آج میرے آشیاں میں روشنی ہو جائے گی

چلو دیں دلِ پژمردہ لے چلیں اپنا

جہاں سے بادِ بہاری چمن میں آئی ہے

حسنِ مغرور میں ممکن نہیں اصلاحِ غرور

کیا بھرے کوئی چھلکتے ہوئے پیمانے کو

منظومات:-

شاعری

رازدارِ ضبطِ دل اے پردہ دارِ رازِ نفس　　کاشفِ اسرارِ باطن، عکسِ سوز و سازِ نفس
اے بہارِ بے خزاں! اے آفتابِ لازوال　　کر نہیں سکتا تجھے، جورِ زمانہ پائمال
جس پہ سو جاں سے ہو دل صدقے ترا وہ ناز ہے　　جس نے عالم کو کیا بسمل، ترا انداز ہے
اے انیسِ گوشۂ عزلت گزینانِ الم　　اے شریکِ حالِ زارِ صاحبانِ درد و غم
کب تری معراج کے ہمسر ہے معراجِ شہی
تیرے قدموں پر نچھاور سیکڑوں تاجِ شہی

لاوارث بچہ

سچ بتا بچے ترا وارث ترا والی ہے کون　　پھول ہے تو کس چمن کا اور ترا مالی ہے کون
زینتِ آغوش ہے تو جس کا وہ مادر ہے کون　　نور ہے جس گھر کا تو بچے! بتا وہ گھر ہے کون

کیا اڑا لائی کسی گلزار سے تجھ کو ہوا　　پھول ہوتے ہیں جہاں، ایسے ہی پیدا خوش نما
یا عناصر میں ہوئی ترتیب پیدا اس قدر　　خود مرکب ہو گئے اور بن گئے شکلِ بشر
آہ یہ تیری ادا حسنِ تحیر زا ترا!
رونقِ لطفِ تبسم، آہ یہ رونا ترا

یوں نہ کرتی ورنہ ماں اپنا نثارِ آرزو　　یوں بناتی خود نہ ماں اپنا مزارِ آرزو
حسن کا برباد ہو جانا، ہمیں بھاتا نہیں　　میرے مولا! یہ سمجھ میں راز کچھ آتا نہیں

رباعیات

میرے ساقی شراب صافی دینا　　ہو جس سے گنہ کی کچھ تلافی دینا
اترے نہ خمارِ زندگی بھر جس کا　　ایسی پینا، اور اتنی کافی دینا

اخلاص اچھا نہ فکرِ دولت اچھی — جو دل کو پسند ہو وہ حالت اچھی
جس سے اصلاحِ نفس ناممکن ہو — اُس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھی

کچھ وقت اگر خوشی میں کٹ جاتا ہے — تسکین ہوتی ہے، رنج بٹ جاتا ہے
اکثر تو کچھ ایسا حال ہوتا ہے رواںؔ — بالکل دنیا سے جی اچٹ جاتا ہے

اِس دارِ فانی میں مقصدِ دل کیا ہے — کہیے تعبیرِ خوابِ باطل کیا ہے
جب قلب کو اک دم بھی راحت نہ ملی — آخر اِس زندگانی کا حاصل کیا ہے

گر پھر کبھی زندگی عنایت کرنا — مالک میرے خودی عنایت کرنا
ہوتے ہیں گناہ، وجہِ تکمیلِ حیات — پھر ذوقِ گناہ بھی عنایت کرنا

اے وعدۂ وصل کرکے جانے والے — دامن مرا ہاتھ سے چھڑانے والے
اس طرح نہ توڑ شیشۂ خاطرِ عاشق — ایسا کرتے ہیں پھر نہ آنے والے

ہر قلب پہ بجلیاں گراتی آئی — ہر سمت اک آگ سی لگاتی آئی
بجھنے جاتے ہیں زخمہائے کہنہ — پھر صبحِ بہار مسکراتی آئی

شرابِ کہنہ

رشید نعمانی

قلی قطب شاہ سے حالیؔ تک دورِ متقدمین کے ۵۰ شاعروں کے حالات، ان کے کلام پر تبصرہ اور نمونۂ کلام۔ ماہنامہ کتاب نما میں "شرابِ کہنہ" کے نام سے شائع ہونے والا مشہور سلسلہ جو ہر جگہ پسند کیا گیا اور جواب نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے تاکہ خاص طور سے طلبا اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔

قیمت ۲/۲۵

○ اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ .... سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو رہی ہے
ہمیں امید ہے کہ ۱۵ دسمبر تک پہلے منی آرڈر روانہ کر دیجئے تاکہ آئندہ بھی پرچہ کی سرپرستی جاری رکھیں گے۔
آپ کا خریداری نمبر ..... ہے۔ منیجر

ناشاد کانپوری

غزل

دل سے پیدا وہ نوائے راز ہے
ایک عالم گوش بر آواز ہے

گل کھلائے جا ہے کچھ وہم و قیاس
کون ورنہ آشنائے راز ہے

دل کی دھڑکن کہہ رہی ہے صاف صاف
کوئی سرگرمِ خرامِ ناز ہے

موت کیا ہے نغمۂ خاموش ہے
زیست کیا ہے دُکھ بھری آواز ہے

موت کیا ہے آپ ہی کُھل جائے گا
پہلے سمجھو زندگی کیا راز ہے

کچھ سمجھتے ہی نہیں اہلِ حرم!
ورنہ جو سجدہ ہے کعبہ ساز ہے

فکرِ ناشادؔ آج ہے سحر آفریں
فیضِ فرحت کا یہی اعجاز ہے

(شعری مجموعہ "شاعر" ناشاد کانپوری صفحات ۲۰۸، سائز ۲۰×۳۰/۱۶، قیمت ۵۰/۴، حوالہ صفحہ ۵۰)

عرش چاندپوری

رام لیلا!

گھر سے چلتے وقت اس نے رانی کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے ہی بجھی ہوئی بے رونق آنکھوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نگاہوں میں عجب کی بے کسی اور مجبوری کا احساس تھا۔ رانی کے رخساروں پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی، ہونٹ پپڑائے ہوئے تھے۔ چھ مہینے کا لاغر مگر خوبصورت بچہ اس کی سوکھی ہوئی چھاتیوں سے اس طرح چمٹا ہوا تھا جیسے چیونٹی گڑ کی ڈلی سے چمٹی ہوئی ہو۔ رانی کی گردن میں ٹی بی گلینڈ کی وجہ سے شدت کا درد تھا۔ وہ بہت دبلی اور نڈھال نظر آ رہی تھی۔ رگوں میں تازہ خون کی روانی کم ہو گئی تھی۔ دودھ بھی بہت تھوڑا اتر رہا تھا۔ بچہ کمزور تھا مگر چھاتیوں کو دونوں ہاتھوں سے جانے کی ہر وقت مشق کرتا رہتا تھا۔ سینہ کے جن مرمریں ابھاروں کو گردھاری نے کبھی عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا، آج اس کا بیٹا سروپ انھیں بھوک کی شدت میں چبائے ڈال رہا تھا۔ اس نے دیوار سے ٹنگی ہوئی ڈلیا کو اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور رانی اور سروپ کے تصور میں کھویا ہوا سڑک پر آ گیا۔ ذرا دور چلنے کے بعد وہ نالی پر پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ پاؤں کے قریب ہی بہت سی چیونٹیاں مرے ہوئے کن کھجورے کو کھینچتی ہوئی سوراخ کے اندر لیے جا رہی تھیں۔ اس نے کنکھیوں سے انھیں دیکھ کر سوچا۔ چیونٹیوں کی یہ پلٹن اسی طرح پیٹ بھر لیتی ہے؟ اسے سڑکوں پر، گلیوں اور نالیوں میں بہت سے مرے ہوئے کیڑے مل جاتے ہیں اور وہ انھیں اپنے بلوں میں اکٹھے کر لیتی ہیں۔ خوراک کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ روٹی کے ٹکڑے، گڑ کی ڈلیاں، مردہ ٹڈے، چھپکلی کے بچے، اسی قسم کی بے کار اشیا، جو مر کر بھی اپنے سے بہتر وجود کو جنم نہیں دے سکتیں، چیونٹیوں کی فوج کا بہترین راشن ہیں۔ جس کے سہارے وہ نہ جانے کب تک زندہ رہتی ہے۔ بھوک کبھی اسے نہیں ستاتی۔ ایک میں ہوں، میرا گھر بالکل خالی ہے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہیں۔ رانی کی چھاتیاں سوکھی پڑی ہیں، ان کے سوتے بند ہو چکے ہیں، ان میں سے دودھ کی دھاریں نکلنی بند ہو گئی ہیں۔ سروپ بیچارہ انھیں بھنبھوڑنے کے بعد

بھی بھوکا ہی رہتا ہے۔ کتنا فرق ہے چیونٹی اور آدمی میں۔ اپنی ہی باتیں سوچتا ہوا گردھاری دھیمی چال سے سڑک پہ چلتا رہا۔ آج کافی دور نکل آنے پر بھی کسی نے آواز نہ دی۔ راستہ میں بہت سے آدمی سر پہ بوجھ اٹھائے ہوئے ملے؛ اس نے ہنس کر خود کلامی کے طور پہ دھیرے سے کہا۔

شہر کا ہر آدمی چیونٹا بن گیا ہے اور اپنے رزق کی لاش سر پہ اٹھائے بھاگ رہا ہے۔ چھابڑی والے کو نہیں پکارتا۔ اسی وقت کسی نے آواز دی:۔

"چھابڑی والے — او چھابڑی والے!"

اُس نے مڑ کر دیکھا۔ ایک موٹا تازہ آدمی سفید کرتے پر کالی صدری پہنے کھڑا ہے۔ اُس نے جلدی سے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا—

"کیا ہے بابو جی؟"

"لڈو ہے، جلیبی ہے"—— وہ جل کر بولا—— "پوچھتا ہے کیا ہے بابو جی۔ ارے وہی ہے جو روز ہوا کرتا ہے اور تیرا بھاگ بن چکا ہے۔ پندرہ بیس کلو کانچ کے ٹکڑے ہیں۔ بول چلے گا؟"

"کہاں؟"

"کارخانہ تک۔ نرک میں نہیں لے جاؤں گا تجھے!"

"بابو جی، نرک میں تو دن رات رہتا ہوں۔ اب وہیں سے چلا آرہا ہوں۔ سورگ میں لے چلتے تو بڑا کام ہوتا!"

"سورگ میرے لیے نہیں۔ نہ جانے کتنی مرتبہ مر کر جیے گا تب کہیں سورگ میں جانے کے قابل ہوگا!"

"آواگون کا چکر تو آپ جیسے لوگوں کے لیے ہے بابو جی۔ میں تو مرتے ہی مکت ہو جاؤں گا!"

"باپ رے باپ کیا زمانہ آگیا ہے۔ چھابڑی والا بھی سائنس کی زبان میں بول رہا ہے!"

"میرا کیا دوش ہے بابو جی۔ چاروں اور سے ایسی ہی آوازیں آرہی ہیں۔ سائنس سب کی زبان سے بول رہی ہے۔ وہ بڑے اور چھوٹے کو نہیں دیکھتی۔ کارخانہ دار اور چھابڑی والے ایک ہی لکڑی سے ہانکتی ہے۔ کہاں ہے کارخانہ؟"

"سامنے گلی میں۔ کیا ڈر لگتا ہے؟"

"ڈر کس بات کا بابو جی۔ میری جیب بھاری نہیں ہے!"

بابو جی نے کانچ کے ڈھیر کی جانب اشارہ کر کے کہا— "ان ٹکڑوں کو لے چلنا ہے

کارخانہ تک؟"

گردھاری نے ٹوٹی ہوئی شیشیاں، مرتبان اور بوتلیں ڈلیا میں بھرلیں۔ بوجھ کافی تھا۔ اس نے بابوجی سے کہا: "ذرا ہاتھ لگاؤ سیٹھ۔"

"اور جو کانچ چبھ گیا۔۔۔"

"میرے سر کا دھیان نہیں آیا آپ کو، اپنے ہاتھ کا اتنا خیال ہے۔ جب دھندا ایسا ٹھہرا تو لوہے کے دستانے ضرور بنوا لو بابوجی!"

"لے بابا، باتیں مت بنا۔"

انھوں نے ڈلیا کو برائے نام چھوکر سہارا دیا۔ گردھاری نے دونوں ہاتھوں کی پوری طاقت لگا کر بھری ہوئی ڈلیا کو سر پر رکھ لیا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پھول گئیں، سانس تیز ہو گیا۔ وہ ڈلیا سمیت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا سر نیچے کو دبا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ پوری دھرتی کا بوجھ اس کے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ پیروں کے نیچے سیمنٹ کی سڑک نہ ہوتی تو پاؤں ضرور زمین کے اندر دھنس جاتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہاں سے پانی ابل پڑتا۔ وہ بابوجی کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ جو ایک گلی کے بعد دوسری گلی میں مڑتے جا رہے تھے۔ اور پھر ایک دم تیسری گلی میں گھوم جاتے۔ نہ جانے کتنی گلیاں طے کرنے کے بعد وہ ایک بلڈنگ میں کھڑے ہو کر ہانپنے لگے۔

"یہی گودام ہے، ٹھہرے رہو۔ میں اوپر سے کنجی لاتا ہوں۔"

بابوجی زینہ پر چڑھنے لگے اور جب تک واپس آئے گردھاری سر پر تیس چالیس کیلو کا وزن رکھے کھڑا رہا۔ بار بار محسوس ہوتا تھا کہ دونوں پاؤں دھرتی میں دھنستے جا رہے ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بوجھ تو میں اٹھا کر اتنی دور سے لا رہا ہوں اور سانس پھول رہا ہے بابوجی کا۔ شاید انھوں نے میرا درد بانٹ لیا ہے۔ ان کی نسوں میں میری تھکن بھر گئی ہے۔ ایک آدمی کو دوسرے آدمی کے ساتھ اتنا لگاؤ تو ہونا ہی چاہیے۔

بابوجی نے گودام کھول دیا اور گردھاری نے کانچ کے ایک بہت بڑے ڈھیر پر ڈلیا الٹ دی۔ پھر وہ گودام میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ ہر طرف کانچ ہی کانچ تھا۔ سوڈے کی بوتلوں کے ٹکڑے زیادہ تھے۔ وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"بابوجی، کل کے دنگے میں سوڈے کی بارہ سو بوتلیں چلی تھیں۔ ایسا لگتا ہے، ان کے سارے ٹکڑے [illegible] آگئے، ادھر رکھ لیے!"

بابوجی نے زور کا قہقہہ لگایا اور بولے۔ "مور کھ کہیں کے۔ ایسے دنگے نہ ہوں تو سارے گودام اور کارخانے بند ہو جائیں"۔

"کانچ کے ٹکڑوں پر نہ جانے کتنے آدمیوں کا لہو لگا ہوگا"۔

"اسے کون دیکھتا ہے۔ ہمیں تو کانچ کے دھندا چلانا ہے۔ اسے پگھلا کر دوبارہ بوتلیں اور پیالیاں بنائیں گے۔ ان میں شربت، جوس اور مٹھائی بھری جائے گی ۔۔۔ اور اسی طرح اواگون کا یہ چکر چلتا رہے گا"۔ سوڈے کی بوتل، شربت کی بوتل اور مٹھائی کی برنی کی شکل میں آئے گی۔ یہ کسی بھونچال میں ٹوٹ جائیں گی تو پھر اُن سے مُنہ دیکھنے کے آئینے بنیں گے اور پھر شراب پینے کے گلاس، ہاتھوں میں پہننے کی چوڑیاں۔ اسی طرح ہر دنگے کے بعد ایک کہکشاں اُبھرتی رہے گی، دھنک کے رنگ بکھرتے رہیں گے۔

"بابوجی کتنا عمدہ دھندا کرتے ہیں آپ ٹوٹے پھوٹے کانچ کو پگھلا کر پھر برتنوں کے روپ میں ڈھال لیتے ہیں"۔

"اور کیا"۔

"کسی ابھاگن کا سہاگ لٹنے پر اس کی چوڑیوں کے ٹکڑوں کا سودا بھی کیا آپنے ؟"

"کیوں نہیں۔ یہ اپنا پیشہ ہی ٹھہرا۔ نہ جانے ایسے ٹکڑوں سے کتنی چوڑیاں بنا کر ہم نے سہاگنوں کی کلائیوں میں پہنا دیں ہوں گی۔ چوڑیوں کے ایک کارخانے میں بھی ہمارا حصّہ ہے۔ اچھا بول کیا دے دوں ؟ ۔۔۔" بابوجی نے صدری کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"جو دل چاہے دے دو بابوجی۔ میں ٹھہرا نہیں کرتا"۔

"لے پچاس کا سکہ دیے دیتا ہوں"۔

"پچاس کم ہیں بابوجی"۔

"بہت ہیں، نکل جلدی سے۔ میں تالا لگاؤں گا"۔

"دور سے لایا ہوں بابوجی، بوجھ بہت تھا"۔

"پھر اور کیا لے گا ؟ بلڈنگ لکھ دوں تیرے نام ؟"

"بلڈنگ میرے کس کام کی۔ میں یہاں آبسا تو یہ بھی نرک بن جائے گی۔ اٹھنّی اور دے دو"۔

"پھر میرے ہاتھ کیا آئے گا یہ بھی سوچا تونے۔ اچھا دس پیسے اور لے۔ کیا نام تیرا ؟"

"گردھاری!"

"زیادہ لالچ اچھا نہیں ہوتا گردھاری!"

"کیا بات ہے بابوجی لالچ کی۔ یہ نہ ہو تو آپ جیسے بھاگوانوں کے دل میں سوڈے کی ہزاروں بوتلیں ایک دم کیونکر پھوٹ جایا کریں!"

"اچھا اب تم چلتے بنو۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تم کسی ٹریڈ یونین کے سکریٹری ہو!"

"مخول مت کرو بھیا بڑی والے سے بابوجی!"

"جا بابا پیچھا چھوڑ میرا!" انھوں نے پانچ کا سکہ اور دے دیا۔

"۵ پیسے ہیں تین آدمیوں کا پیٹ کیونکر بھر سکوں گا!"

"میں نے پیٹوں کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ کھانے کو تو پرماتما ہی دے سکتا ہے بھائی۔ آدمی کی اتنی ہمت کہاں ہے کہ سو پچاس کا دوزخ بھر سکے!"

بابوجی نے منہ پھیر لیا۔ گردھاری کچھ اور کہنے کی ہمت نہ کرسکا۔ دوپہر تک جتنے پیسے اس نے کمائے وہ انھیں لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔ اسے رانی اور سروپ کی بھوک کا خیال کھائے جا رہا تھا۔ راستہ کی دکان سے اس نے کلھڑ میں پچاس پیسے کا دودھ لیا اور جلدی جلدی چلنے لگا۔ اس کے کانوں میں رانی اور سروپ کی آوازیں آرہی تھیں۔ جیسے دونوں آوازیں آواز ملا کر پکار رہے ہوں ــــ

"تم کہاں چلے گئے ....؟"

"....... اب تک آئے کیوں نہیں؟"

"..... کچھ کھایا بھی تم نے؟ ــــ"

آخری آواز رانی کی تھی۔ وہ اپنی تکلیف بھول چکی تھی اور گردھاری نے چلتے چلتے ٹھوکر کھائی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ رانی کی چتا جل رہی ہے۔ وہ اکیلی آگ میں نہیں کودی' سروپ اس کی گود میں ہے۔ شاید وہ ستی ہو جانا چاہتی ہے' میرے ساتھ جل مرنے کی تمنا رکھتی ہے۔ جس وقت گردھاری نے گھر میں پاؤں رکھا ہے' ٹھیک بارہ بج رہے تھے۔ رانی پانی پی کر لوٹ رہی تھی۔ سروپ ٹاٹ پر پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ روتے روتے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔

"کیا لے آئے؟ ــــ" رانی نے پوچھا۔

"دودھ! — تم بھی پیو اور سریپ کو بھی پلاؤ۔"
"کہاں سے مل گیا؟ — دودھ کی تو ہڑتال ہے۔"
"آج کھل گئی صبح سے!"
"بہت مہنگا ملا ہوگا — اور تم نے بھی کھایا؟"
"جاتے وقت ہوٹل میں چائے پی لوں گا۔"
"چائے سے پیٹ نہیں بھرا کرتا۔"
"دو توس کھا لوں گا۔"

وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکا۔ دوپہر ڈھلے کام زیادہ ملا کرتا ہے لوگ بازار سے سودا خرید کر گھروں کو لوٹا کرتے ہیں۔ انھیں چھابڑی والے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اور شام کو آتے آٹے کے علاوہ رانی کی گولیاں بھی لاتی تھیں۔ وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں گھس گیا اور ہچکولے کھاتی ہوئی ایک پرانی کرسی پر میز کے سامنے بیٹھ کر چائے کا آڈر دیا۔

"ایک کپ چائے — دو بسکٹ۔"
"میٹھے یا نمکین؟" — بوائے نے سوال کیا۔
"ایک میٹھا — ایک نمکین۔"

اس لمحہ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت بڑا کارخانہ دار ہے اور اس کے ایک ہی اشارہ میں سوڈے کی سیکڑوں بوتلیں ٹوٹ سکتی ہیں، بہت سی عورتوں کی چوڑیاں ہل سکتی ہیں۔ وہ پیروں میں چھابڑی ڈالے بڑی شان سے اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ یہ اکڑ اور تمکنت اس لیے نہیں تھی کہ اسے بابوجی نے کرسی پر بٹھا دیا ہے بلکہ اس لیے تھی کہ اپنی محنت سے کمائے ہوئے پیسہ کی طاقت سے اس نے یہ سیٹ حاصل کی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ جیب میں اتنے پیسے ہیں کہ بل آسانی سے ادا کر دوں گا اور جب یہاں سے اٹھوں گا تو ہاتھ پیروں میں ایک نئی طاقت، امنگ اور شکتی ہوگی۔ رگوں میں تازہ خون دوڑ رہا ہوگا۔ ہوٹل سے نکل کر وہ سڑک پر گھومنے لگا۔ اور شام تک سامان ڈھوتا رہا۔ پیسے ملتے رہے۔ لوگ منہ مانگی اجرت دیتے رہے۔ وہ پھٹے ہوئے کوٹ کی جیب میں پیسے ڈالتا رہا جس کو رانی نے کل ہی موٹے دھاگے سے اچھی طرح گوندھ دیا تھا۔ پیسوں کا بوجھ اتنا بڑھتا جا رہا تھا کہ اسے تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ جیب کو تجوری بنانا نہیں چاہتا تھا۔ بازار کو دوسروں کے لیے خالی کر دینا چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ ہر چھابڑی والا ایک

رانی کا شوہر اور ایک سرد پ کا باپ ہوگا۔ اسے بھی اتنے ہی پیسوں کی ضرورت ہوگی۔ آخر مزدوری
کے وہ پیسے اس نے جیب میں ڈالے تو ایسا لگا جیسے وزن اس کی بساط سے زیادہ ہو گیا ہو اور اب
وہ اسے اٹھانے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو۔ تین آدمیوں کو زندہ رکھنے کے لیے اتنے پیسے کم نہیں تھے،
جتنے وہ کما چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنا کوٹہ پورا ہو چکا، اب کسی کا بوجھ نہیں اٹھاؤں گا،
اور سورج ڈوبنے تک پیارے لال کے پاس بیٹھا بیڑی پیتا رہوں گا۔ اس سے جگ بیتی کہوں گا
اور آپ بیتی سنوں گا۔ یہ سوچ کر وہ شہر کی تنگ و تاریک اور گندہ گلیوں سے گذرتا پارک کی
سمت چلنے لگا۔

پیارے لال کارپوریشن میں نوکر تھا اور پارک میں پھولوں، پودوں اور تار کی باؤنڈری
کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ دن بھر گدھے، گھوڑے اور بکریاں بھگاتا رہتا۔ جانور کھلا دیکھتے تو دوڑ
کر گھس جاتے۔ سب سے بڑی مصیبت وہ بچے تھے جو پھول توڑنے اور لوہے کے تاروں پر جھولنے
کی غرض سے ہر لمحہ چکر کاٹتے رہتے تھے۔ وہ انہیں گالیاں دیتا، کبھی مارنے کے لیے دوڑتا۔ گدھوں
اور بچوں میں اتنا فرق تھا کہ ایک گدھے کا رخ باہر کی طرف ہو جاتا تو سارے گدھے اس کے پیچھے
بھاگنے لگتے اور بڑی تنظیم کے ساتھ پسپا ہو جاتے۔ لڑکوں میں یہ ڈسپلن بالکل نہ تھا۔ وہ ان کا
پیچھا کرتا تو سب تتر بتر ہو جاتے۔ کوئی پورب کو بھاگتا، کوئی پچھم کو۔ بعض اوقات وہ جل کر سوچتا
کہ اتنے لڑکے کہاں سے آ جاتے ہیں۔ سرکار فیملی پلاننگ چلا رہی ہے۔ پھر بھی بچوں کی پیدائش نہیں
رکتی۔ اور رکے کیونکر۔ آپ ہی فیصلہ کرتا ــ آواگون کا دور کس کے روکے رکتا ہے۔ جتنے آدمی
دنیا سے جائیں گے اتنے آئیں گے ضرور۔ پارک کے بیچ میں دوب کی دلفریب ہریالی تھی اور چاروں
طرف خالی زمین دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں دوب ابھی پیدا نہیں کی جا سکی تھی۔ دوسرے
تیسرے دن سارے نل کھول دیے جاتے۔ ان سے اچھل کر پانی نکلتا اور خالی زمین کو خوب
تر کر دیتا۔ وہاں دوب پیدا کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی۔ گردھاری سڑک پار کر کے
اس حصہ میں پہنچ گیا جہاں گھاس نہ تھی اور زمین جھاڑی والے کی نئی منڈی ہوئی چندیا کی طرح
چمک رہی تھی ــ جگہ جگہ چیونٹیوں کی قطاریں رینگ رہی تھیں جیسے زندگی کا تھکا ہوا قافلہ آہستہ
آہستہ آگے بڑھ رہا ہو۔ دو دو، چار چار قدم پر چونے کی سی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ دراصل وہ
چونے کی سفیدی نہ تھی بلکہ دیسی گیہوں کے باریک پسے ہوئے آٹے کے نشانات تھے۔ صبح
شام شہر کے بڑے بڑے دولت مند اور رئیس ہتھیلیوں میں آٹا بھر کر لاتے اور ایک ایک چٹکی

چیونٹیوں کے سوراخوں پر ڈال جاتے۔ چیونٹیوں کی قطاریں اِدھر اُدھر دوڑتی رہتیں۔ وہ خیرات کے اس آٹے پر نگاہ ڈالے بغیر اپنی تگ ودو میں مصروف رہتیں۔ مرے ہوئے کن کھجوروں، ٹڈوں اور بھڑوں کی لاشیں ڈھونڈنے میں مشغول رہتیں۔ جب کوئی مرا ہوا کیڑا مل جاتا، وہ اسے گھسیٹ کر بل میں لے آتیں۔ گردھاری نے دیکھا کہ ایک شخص سر جھکائے چیونٹیوں کے بل تلاش کر رہا تھا۔ جب کوئی سوراخ مل جاتا وہ ایک مٹھی آٹا اس کے آس پاس بکھیر دیتا۔ گردھاری کو یہ کھیل بہت پسند آیا۔ وہ ایک جگہ ٹھہر کر آٹا ڈالنے والے کی دریا دلی کا نظارہ کرتا رہا۔ اس نے دھوتی کے پلو میں سیر بھر کے قریب آٹا بھر رکھا تھا، دھیرے دھیرے اس کا وزن کم ہوتا جا رہا تھا۔ گردھاری نے بالکل فلسفی کی نظر سے چیونٹیوں کی بے نیازی کا امتحان لینا شروع کر دیا۔ جو آٹے کے اوپر سے گذرتی پوری روانی اور تیزی سے میدان میں دوڑ رہی تھیں۔ لوگ انھیں پیروں سے روند دیتے تو بھی ان کی دوڑ دھوپ میں فرق نہ آتا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی بڑی مہم پر جا رہی ہیں۔ چیونٹیوں کی آرمی کے بعض دستے ایسے بھی تھے جو مرے ہوئے کیڑے مکوڑوں کو کھینچتے بلوں کی سمت آ رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ دھن کی پکی چیونٹیاں بکھرے ہوئے آٹے کو اہمیت نہیں دیتیں۔ وہ آپ ہی اپنی محنت سے مہینوں کی خوراک بلوں میں اکٹھی کر لیتی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے آٹا ڈالنے والے کی جھولی خالی ہوگئی۔ گردھاری کو اس کی فیاضی پر ہنسی آگئی۔ وہ سوچنے لگا ــــ اتنے آٹے سے ایک ایسے اپاہج کا پیٹ بھر سکتا تھا جو چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو یا چوتڑوں کے بل گھسٹتا ہوا ایشور کے نام پر بھیک مانگ رہا ہو۔ نہ جانے وہ کتنی دیر کھڑا رہتا۔ اچانک اسے اپنے قریب ہی پیروں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ وہی بابو جی چلتے چلتے دھوتی جھٹک رہے تھے جن سے صبح اُجرت پر اس کی معمولی سی تو تو میں میں ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا تھا ــ پیٹ تو پرماتما بھرتا ہے بھائی سب کا، میں نے بیٹوں کا ٹھیکہ نہیں لیا۔

"بابو جی!" ــ گردھاری بولا ــ "آپ کیوں یہ جھگڑا مول لے رہے ہیں۔ چیونٹی بھلا آپ کے اس چٹکی بھر آٹے کو کب نگاہ میں لاتی ہے۔ ان کے سوراخوں میں مہینوں کا راشن بھرا پڑا ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی لاشوں، گڑ کی ڈلیوں اور روٹی کے ٹکڑوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں چیونٹیوں کے گودام میں!"

بابو جی نے اسے دیکھا۔ بات زیادہ پرانی نہ تھی۔ جلدی ہی یاد آگئی ہنس کر بولے

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف	ناشر	قیمت
بکھرے ورق (ادبی مضامین)	مصنف: سونیتی کمار چٹرجی مترجم: شانتی رنجن بھٹاچاریہ	نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	۳/-
چلمنامہ (مزاحیہ کلام)	محمد یوسف پاپا	" " اردو سماج	۲/-
ترجمان القرآن حصہ سوم (تفسیر)	مولانا ابوالکلام آزاد	" " ساہتیہ اکیڈمی	۱۴/-
گلشن گلشن (شعری مجموعہ)	پریم پال اشک	دہلی، اردو پبلکیشنز	۲/۲۵
پتھر کا گلاب (ناول)	کوثر چاندپوری	"	۶/-
اپنے بیگانے (")	عارف مارہروی	" پنجابی پستک بھنڈار	۳/۵۰
پریم پجاری	"	" " "	۳/۵۰
کٹی پتنگ	" گلشن نندہ	" " "	۲/-
دل کے آنسو	" عادل رشید	" " "	۲/-
درندے	" ہرچرن چاولہ	" " "	۳/۵۰
افکار منتشر (ادبی)	حبیب احمد خاں	علی گڑھ انڈین بک ہاؤس	۹/-
ادب اور تنقید (")	اسلوب احمد انصاری	الہ آباد سنگم پبلشرز	۸/-
لفظ و معنی (")	شمس الرحمٰن فاروقی	" شب خون	۲/۵۰
آخری دن کی تلاش (شعری مجموعہ)	محمد علوی	" " "	۲/۲۵
فروغ انجم (")	مفتی احمد رضا خاں	ٹونک، شفا منزل	۳/۰
ہماری داستانیں (ادبی)	وقار عظیم	رامپور، مکتبہ عالیہ	۱۰/۰
کسب معاش کا اسلامی نظریہ	حامد علی خاں	گورکھپور	۲/۰
نئے ڈرامے (ڈرامے)	محمد حسن	علی گڑھ، انجمن ترقی اردو	۵/-
اندر سبھا (ڈراما)	مسعود حسین رضوی	لکھنؤ، کتاب نگر	۱/۵۰
رجب علی بیگ سرور (ادبی)	نیر مسعود رضوی	" " "	۱۲/-
شعلۂ خاموش (شعری مجموعہ)	کالیداس گپتا رضا	بمبئی، صبح امید	۵/-
مکھی (کہانیاں)	احمد ہمیش	حیدرآباد، سلمیٰ سلطانہ حمیری	۲/-

جائزے

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

تذکرۂ مسرت افزا

سن طباعت ۱۹۶۸ء

مولفہ ابوالحسن امیرالدین احمد عرف امراللہ الٰہ آبادی
مترجمہ ڈاکٹر مجیب قریشی
صفحات ۲۶۴　　سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت پانچ روپے
ملنے کا پتا: علم مجلسی کتب خانہ ۲، ۱۱ کلاں محل دہلی

بڑی مبارک گھڑی تھی جب مولوی عبدالحق مرحوم نے اردو شعرا کے قدیم و کمیاب تذکروں کو تلاش کرکے اپنے فاضلانہ مقدموں کے ساتھ ان کی طباعت و اشاعت کا آغاز کیا۔ ان کی اس پیش رو کے بعد پھر تو دکن، پنجاب یوپی اور بہار وغیرہ سے متعدد نایاب تذکرے شائع ہونے لگے اور ۱۹۴۷ء کے بعد سے اب تک کم و بیش سترہ اٹھارہ نادر تذکرے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور چھپوائے جا چکے ہیں۔ تلاش و جستجو کی جو دوڑ اور رفتار رہی ہے اس سے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ بہت تھوڑی مدت میں شاید ہی کوئی ایسا قدیم اور قابلِ لحاظ تذکرہ رہ جائے جو اشاعت سے محروم رہے۔

تذکروں کی طویل فہرست میں میر تقی میر کے "نکات الشعرا" کو کئی حیثیتوں سے تقدم حاصل ہے۔ اسی زمانے میں قائم، فتح علی حسینی گردیزی نے بھی اپنے تذکرے ترتیب دیے تھے اور گردیزی نے ایک جوابی تذکرہ لکھا۔ ان تذکروں کے کوئی پچیس چھبیس سال بعد ایک اور جوابی تذکرہ ضبطِ تحریر میں لایا گیا جو ضخامت کے لحاظ سے سابقہ تذکروں سے کہیں زیادہ اور طنز و تعریض کی حیثیت سے گردیزی کے مقابلے میں تلخ تر ثابت ہوا، اور یہی وہ تذکرہ ہے جس کا نام ہے "تذکرۂ مسرت افزا" اس کی تلاش اور پھر رسالہ معاصر پٹنہ میں قسط وار اشاعت کا سہرا قاضی عبدالودود کے سر ہے۔ اس دور کے عام رواج کے مطابق اس کی زبان فارسی ہے ڈاکٹر مجیب قریشی نے اسے اردو میں ترجمہ کرکے اب کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ کوشش تمام اردو دانوں کے لیے سہولت اور شکر گزاری کا باعث بن گئی ہے۔

تذکرے کے بارے میں تمام ضروری معلومات اس عابد رضا صاحب
انداز میں فاضل مترجم نے اپنے دیباچے میں درج کر دی ہیں۔ مثلاً یہ تذکرہ ۱۱۸۹ھ میں شروع ہو کر ۱۱۹۵ھ میں اختتام کو پہنچا، لکھنے والے کا جذبہ بہت کچھ معترضانہ اور جوابی ہے۔ مولف نے میر صاحب کو "نکتہ چیں" کہا ہے، ان کی تنقیدوں کو "تحقیر" اور ان کی رائے کو "بے پروائی" سے تعبیر کیا ہے۔ انتخاب کو "برے اشعار انتخاب کرنے کی عادت" قرار دیا ہے۔ غرض میر صاحب کی کارگزاری کسی لحاظ سے قابلِ ستائش نہ سمجھ کر طرح طرح سے اعتراضات کیے ہیں۔ اس وقت کا حال تو معلوم نہیں کہ پڑھنے والوں نے اس کا کیسا اثر قبول کیا ہوگا لیکن آج ابوالحسن امیر الدین احمد عرف امر اللہ الہ آبادی کی اس رائے سے عام طور سے اختلاف ہی کیا جائے گا۔

بہرحال ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ یہ ایک قدیم تذکرہ ہے جس میں کوئی ۳۳۲ شاعروں کا ذکر ہے۔ میر پر اعتراض کرنے والا خود بھی محتاط نہیں کہا جا سکتا، غلط اور مشتبہ واقعات۔ ایک کا شعر دوسرے کے نام سے منسوب کر دینا، ناموں کی جا بجا غلطیاں۔ کلام پر جو رائیں دی گئی ہیں وہ بھی صحیح نہیں۔ غیر ضروری لفظی رعایتوں کی کثرت اور مبالغہ۔ ۔ ۔ اور یہ کمیاں کچھ اسی تذکرے کے لیے مخصوص نہیں کہی جا سکتیں ہیں اس زمانہ کے لوگوں کو زیادہ چھان بین اور کدوکاوش کی عادت ہی نہ تھی۔ اسی بنا پر تو قدیم تذکروں میں اسی طرح کی باتیں عام طور سے ملیں گی۔

اسلاف کی کارگزاریاں ہمارے لیے مشعلِ راہ اور ان کی سہو یا فروگزاشتیں ہمارے تنقیدی شعور کو بیدار کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ بےجا گرفت اور خواہ مخواہ کی نکتہ چینی سے اصل حقیقت اور اجاگر ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم کو ہر ایسی کتاب کی قدر کرنی چاہیے جس کی ترتیب و تدوین میں ہمارے بزرگوں نے اپنا وقت اور توجہ صرف کی ہے۔ آج اس کا متن سامنے آیا ہے کل اس کی کوئی اصلاح اور اغلاط کی درستی پر آمادہ ہوگا۔ غرض یہی خام مواد کسی مستند اور معتبر تالیف یا تصنیف کا سبب بن جائے گا۔ جس سے موجودہ اور آیندہ زمانے کے لوگ بہت کچھ سیکھیں گے اور اسی طرح زبان و ادب کے گلشن میں نت نئی بہاریں آتی رہیں گی۔

رشید نعمانی

عظیم اور لازوال

ترتیب و ترجمہ: عابد رضا بیدار
صفحات: ۳۲ سائز: $\frac{20 \times 30}{8}$
قیمت: سات روپے
ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، رام پور
بار دوم، سالِ طبع ۱۹۶۸ء

اس کتاب میں مندرجۂ ذیل معروف افراد کے اقوال اور تاثرات کو جمع کیا گیا ہے۔ ہمرشیلڈ، اقبال، رشید احمد صدیقی، جبران، نیٹشے، ہنری ہری، معزی، سینیکا، لاؤتز، گوتم، کامیو۔

معروف و برگزیدہ افراد کے مختصر اقوال اور وہ تاثرات جن کو عالمِ تنہائی میں قلم بند کیا جاتا ہے، واقعی عظیم اور لازوال ہوتے ہیں۔ اور ان کو غالب کے الفاظ میں "گنجینۂ معنی کا طلسم" کہنا چاہیے۔ بیدار صاحب نے ان اقوال کو مرتب کرکے ایک عمدہ کام کیا ہے کہ وہ اردو والے جن کی رسائی اصل تک نہیں ہو پاتی، وہ بھی اس گنجِ معانی سے فیض اٹھا سکیں۔ مرتب نے پیش گفتار میں لکھا ہے:

> "ترجمہ ایمان داری کا فن ہے مگر بعض ترجموں میں ایمان داری اپنے ساتھ بے ایمانی کے مترادف ہو جاتی ہے خصوصاً جہاں مترجم کو مصنف کی ہر آواز اپنی گم شدہ آواز اور ہر صدا اپنی صدائے بازگشت لگتی ہو! لیکن اس بے ایمانی کا کچھ اور مطلب ہرگز نہ لیجیے۔ بلکہ صرف اتنا کہ مصنف کی آواز کو زیادہ مؤثر اس کے لہجے کو زیادہ پرخلوص اور اس کے جذبے کو زیادہ شدید کردیا جائے زیادہ، میں نے غلط کہا۔ اس کی فکر کی مناسبت سے تاباں و لرزاں!"

یہ بہت بڑا ادعا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہمارے واقعی اچھے کام کرنے والے، اس قسم کے خالص جذباتی اور رومانی اندازِ فکر اور اندازِ بیان سے دامن کش رہیں، پڑھنے والا شروع ہی سے بدگمانی کے دھندلکے میں آجاتا ہے۔ اس قسم کے ادعا کے بغیر بھی بات کہی جا سکتی ہے۔

مترجم نے یہ نہیں بتایا کہ رشید صاحب کے اقوال کہاں سے ماخوذ ہیں۔ ان کی کتابوں سے، خطوں سے یا یہ مرتب کی ذاتی معلومات کا نتیجہ ہیں۔ یہی صورت اور جگہ بھی ہے۔ جب کہ اقبال، ہمرشیلڈ اور کامیو کی ڈائریوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ بڑی کمی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ دوسروں کے اقوال کا ترجمہ کیا جائے اور ترجمہ جس حد تک اجازت دیتا ہے، اُس حد تک اُس کو تخلیقی صلاحیت سے آمیز کیا جائے۔ لیکن مترجم نے جس طرح کا دعویٰ کیا ہے اس کے نتیجے میں اصل خیال سامنے نہیں آپاتا ہے۔ یا کوئی شخص یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ اس میں فرد کا حصّہ کتنا ہے اور [illegible] استفادہ کتنا ہے۔ جب تک کہ وہ اصل کتاب کو سامنے نہ رکھے اور اگر اس کی ضرورت باقی [illegible] کو بھی سامنے رکھا جائے تو پھر ترجمے کا فائدہ کیا ہوا؟

[illegible]

ہے۔اس سے بظاہر یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ یہ دراصل کتاب نہیں ہے۔ بلکہ کسی رسالے میں چھپے ہوئے مختلف مضامین کے اجزا کی شیرازہ بندی کردی گئی ہے۔ کامیودا لاحصہ تو شاید اُردو ادب میں بالکل اسی صورت میں شائع ہوچکا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے اوراق کو لے کر چھاپ کر دیا گیا ہے۔ یہ بجائے خود خواہ غلط نہ ہو لیکن اس سے کتاب کی ترتیب پر برا اثر پڑا کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب مضمون لکھا جاتا ہے تب صرف وہ مضمون پیش نظر ہوتا ہے اور جب اس کو کتابی صورت میں مرتب کیا جاتا ہے تو اسی کے لحاظ سے ترمیم و تنسیخ ضرور کی جاتی ہے تاکہ سب اجزا مل کر باضابطہ کتابی صورت میں منتقل ہو جائیں۔ اس مجموعے میں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

سعادت علی صدیقی

●

گلشن گلشن (شعری مجموعہ)

نام شاعر: پریم پال اشک

صفحات: ۱۲۸ ؛ سائز: $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$

قیمت: دو روپے ۲۵ پیسے

سن اشاعت

ناشر: اُردو پبلیکیشنز، اردو بازار، دہلی ۶

پریم پال اشک اردو کے نوجوان ادیب و شاعر ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ کلام میں ان کی غزلیں، نظمیں، گیت، کنڈلی، دوہے، کیرتن اور متفرق اشعار شامل ہیں۔ ان کی بعض غزلوں اور اکثر نظموں پر اردو شاعری کی مرکزی روایت کا گہرا اثر ہے۔ گیت، دوہے، کنڈلی اور کیرتن ہندی شاعری کی روایت سے قریب ہیں۔ غزلوں کے بعض اشعار اور گیتوں کے بعض حصے جدت اور قدامت کے امتزاج کا حسین نقش ہیں۔ اشک نے کنڈلی کے فن میں معمولی سی تبدیلی کرکے اُردو قالب عطا کیا ہے۔

پریم پال اشک کو قدیم ہندوستانی تہذیب اور عقائد سے گہرا لگاؤ ہے۔ اس لیے حال کی شخصیتوں اور مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے بھی ہندو دیومالا (MYTHOLOGY) اور قدیم ویدک اشارے اور علامتیں منتخب کرکے استعمال کرتے ہیں۔ پھر بھی ان کی شاعری مریضانہ ماضی پرستی کا اشتہار نہیں ہے۔

[illegible] ہندی علامات کا اثر ہے اس لیے

اس میں فارسی کی موسیقیت کم اور ہندی کا رس زیادہ ہے اور اس کی نرمی اور ٹھنڈک متاثر کرتی ہے۔ مگر اس میں لسانی ذہنی پختگی اور شعری رچاؤ کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر گلشن گلشن میں حب الوطنی کے جذبات، ہندی شاعری کا رسیلا پن اور زبان کی نرمی کے عناصر ہیں۔ اس لیے اس کو ہلکی پھلکی شاعری کا مجموعہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ چند شعر دیکھیے

رام کی مایا دیکھو اندھا مکھڑا دیکھے درپن میں
کوئی نہیں سمجھانے والا ہر اک اس پر ہنستا ہے

رادھا رنگ میں انتر کیا ہے یہ تجھ کو سمجھاتا ہوں
دونوں ہاتھ پسارے پھرتے دونوں کرتے پیار کا مول

ہوگئیں خیرہ نگاہیں نور سے
دل کی دنیا میں اندھیرا ہی رہا

عنوان چشتی

(صفحہ ۲۱ کا بقیہ)

—"کیوں بے جھاڑی والے! اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا تونے۔ میں ایک پیسہ نہیں دوں گا تجھے!"

"مت دو سرکار۔ تم تو دھرتی کی مانگ میں آٹے کا سیندور بھرنے ہو۔ ملا سے جھاڑی والا بھوکا مر رہا ہے۔ مگر ایک بات ہے بابوجی! دھرتی اپنا تھوکا چاٹا نہیں کرتی۔ وہ اناج اگلتی ہے اس کا آٹا کیونکر چاٹ سکے گی!"

اسی وقت پیارے لال لاٹھی کندھے پر رکھے اُدھر آنکلا، بولا —"کیا ہے گردھاری! ادھر کیوں کھڑا ہے؟"

"ایک ناٹک دیکھنے لگا تھا۔ تم اسے رام لیلا کہہ لو۔ بابوجی چیونٹیوں کو آٹا چگانے آئے تھے بیری اُجرت کاٹ کراُن کے لیے گیہوں کا آٹا لائے تھے جو میدے سے بھی زیادہ مہین تھا۔ انھیں کیا پتا کہ ان کی سیٹھانیوں کا گھر بھرا پڑا ہے کھانے پینے کی چیزوں سے۔ کون جانے کتنا راشن سڑ جاتا ہوگا ہر سال وہاں پڑے پڑے۔ ان کے یہاں فیملی پلاننگ نہیں ہے۔ دن رات میں لاکھوں بچے انڈوں سے نکل پڑتے ہیں۔ چیونٹی ان سب کا پیٹ بھر دیتی ہے۔ اسے بابوجی کے سیر بھر آٹے کی بھلا کیا پروا۔ بابوجی اس بات کو نہیں سمجھتے۔ وہ ایک ایک مٹھی آٹے سے اپنی مکتی کا مول کرتے ہیں اور چیونٹی کو بھیک پر گزر کرنا سکھاتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کسان کا یہ سپنا پورا نہیں ہوگا۔

(بشکریہ مطالعہ پٹنہ)
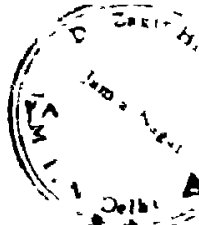
ادبی خبریں

اساتذہ اردو جامعات ہند کی تیسری سالانہ کانفرنس اس سال شعبہ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح ہندوستان کے ممتاز ماہرِ تعلیم اور نامور ادیب و انشا پرداز جناب غلام السیدین صاحب نے فرمائی۔ ہندوستان کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں اور اہم کالجوں سے آئے ہوئے پچاس سے زائد اردو اساتذہ نے کانفرنس میں شرکت کی۔ اردو ذریعہ تعلیم، نصابی کتابوں کی تیاری اور ان کے مسائل، تحقیق و تنقید اور اساتذہ اردو سے متعلق مسائل پر مقالات پڑھے گئے اور تبادلہ خیالات ہوا۔ کانفرنس کی طرف سے آزاد لائبریری میں نادر مخطوطات و مطبوعات اور معلمین اردو کے تصنیفی کاموں کی ایک نمائش ترتیب دی گئی اور کانفرنس ہال کے قریب ایک کمرے میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی علی گڑھ برانچ کی طرف سے کتابوں کا اسٹال بھی لگایا گیا۔

۱۹۶۹ء کے نظام خطبات دینے کے لیے دہلی یونیورسٹی نے اردو کے مشہور اور صاحب طرز ادیب اور نقاد پروفیسر رشید احمد صدیقی کو دعوت دی ہے۔ رشید صاحب، غالب کی شخصیت اور شاعری پر دو لیکچر نظام خطبات کے تحت فروری ۱۹۶۹ء میں دیں گے اس موقع پر دہلی یونیورسٹی میں غالب کا جشنِ صد سالہ بھی منایا جائے گا۔

بمبئی۔ ساون کمار تاک غالب کے بارے میں ایک فلم تیار کرنا چاہتے ہیں جو ایسٹ مین کلر میں ہوگی۔ فلم کی رسمِ مہورت ادا کرنے کے لیے صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کو دعوت دی جارہی ہے۔ اس کا مسودہ کیفی اعظمی نے تیار کیا ہے۔ فلم کو موہن سیگل ڈائرکٹ کریں گے اور مدن موہن اس کی موسیقی تیار کریں گے۔ دسمبر میں فلم کی باقاعدہ شوٹنگ شروع ہونے کی امید ہے اور پروڈیوسر تاک چار مہینے کے اندر اندر اس فلم کو مکمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ غالب کی صد سالہ تقریبات کے دوران اس کی نمائش ہو سکے۔

ادب — تنقید — انشا

کتاب	مصنف	قیمت
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۸/۰
ایرانی صدیوں کے آئینے میں	ڈاکٹر مسرت لعل عشرت	۱۲/۰
…ی میں طنز نگاری	ڈاکٹر سلام سندیلوی	۱۰/۰
…ثر کا آغاز اور ارتقا	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ	۵/۵۰
ادب اور جدید ذہن	دیوبیندر اسر	۴/۵۰
ادبی معرکہ نمبر (فروغ اردو)	مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی	۰/۷۵
اردو کی تین مثنویاں	خان رشید	۲/۵۰
اصناف ادب کا ارتقا	سید صفی مرتضیٰ	۱/۵۰
آب حیات	محمد حسین آزاد	۱۰/۰
…ہکے چاند ستارے	مرتبہ امیر حسن نورانی	۵/۰
اقبال کا تصور خودی	ڈاکٹر غلام عمر خاں	۲/۰
اردو میں تنقید کی اہمیت	قیوم صادق احمد پوری	۹/۰
اردو ڈراما اور اسٹیج	سید مسعود حسن رضوی ادیب	۹/۵
امیر خسرو اور ہندوستان	ڈاکٹر تاراچند	۱/۰
ہمارے سوتنتر دن / اخبار اور [illegible]	مرتبہ عتیق صدیقی	۲۰/۰
اردو ادب کی ترقی میں … کا حصہ	ڈاکٹر سلیم حامد رضوی	۱۰/۰
[illegible] کے لسانی پہلو	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	۱/۹۰
[illegible]	لارنس بنین	۲/۵۰
…رے جمہوروں کا تعلق	اجمل اجملی	۱/۵
…ب اور ادیب	ڈاکٹر اعجاز حسین	۴/۰
… ہندوستانی تہذیب پر اثر	ڈاکٹر تاراچند	۷/۵۰
… اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	۵/۰
[illegible]	فراق گورکھپوری	۵/۷۵
[illegible]		۴/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
ادبی تاثرات	ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی	۴/۵۰
امراؤ جان ادا	مرزا رسوا	۵/۵۰
ادب اور نفسیات	دیوبیندر اسر	۳/۵۰
ایلیٹ کے مضامین	جمیل جالبی	۵/۰
افکار نو	فیض الرحمٰن اعظمی	۳/۵۰
ارمغان نثر	عبدالاحد خان خلیل	۲/۰
ارمغان نظم	"	۱/۷۵
انشائے بے خبر	مرتبہ سید مرتضیٰ حسین بلگرامی	۱/۰
اردو	جگن ناتھ آزاد	۰/۵۰
ادب کا مقصد	ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی	۳/۰
اردو شاعری پر ایک نظر	کلیم الدین احمد	۴/۰
اکبر الٰہ آبادی اور ان کا کلام	نورالرحمٰن	۲/۰
اردو ڈراما	ڈاکٹر قمر رئیس	۴/۵۰
ایشیائی بیداری اور اردو شعرا	اسلام بیگ چنگیزی	۳/۰
آپ سے ملیے	علی جواد زیدی	۳/۰
انمول موتی	مفتی فخر الاسلام	۰/۶۲
اردو تذکروں میں نکات الشعرا کی اہمیت	ایم کے فاطمی	۴/۰
اعتبار نظر	سید احتشام حسین	۲/۵۰
ادبی ڈرامے	ڈاکٹر اعجاز حسین	۳/۵
آثار الصنادید	سرسید احمد خاں	۱۸/۰
انشائیہ	ڈاکٹر آدم شیخ	۲/۵۰
اردو زبان اور اس کا رسم خط	سید مسعود حسن رضوی ادیب	۱/۵
اردو کے چار مزاحیہ شاعر	مرتبہ احمد جمال پاشا	۲/۵
ادب کیا ہے	ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی	۲/۲۵
ادبی نقوش	شاہ معین الدین احمد ندوی	۵/۰

کتاب	مصنف	قیمت
الغزالی	شبلی نعمانی	۵/۰
اردو تنقید کی تاریخ	مسیح الزماں	۳/۰
انشاء اللہ خان انشا	اسلم پرویز	۴/۰
ایک نادر روزنامچہ	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی	۲/۵۰
اقبال اور اس کا عہد	جگن ناتھ آزاد	۳/۵۰
ادبی رجحانات کا تجزیہ	راجندر ناتھ شیدا	۳/۰
اثر کے تنقیدی مضامین	اثر لکھنوی	۲/۵۰
اردو ہندی ہندستانی	سجاد ظہیر	۰/۷۵
انتخاب جدید نثر اردو	سید احتشام حسین	۲/۵۰
امتحان رضا	سید مسعود حسن رضوی ادیب	۰/۵۰
ابو الکلام آزاد کے خطبے	ابو الکلام آزاد	۱/۲۵
[illegible] اور [illegible] عروج و زوال	حبیب حسین	۲/۰
اندر سبھا	مرتبہ پروفیسر مسیح الزماں	۱/۰
اردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین	۲/۹۴
آرٹ	سید مجید اللہ	۲/۵۰
اردو شاعری	منشی امیر احمد علوی	۱/۵۰
انداز نظر	صفیہ اختر	۲/۰
امیر خسرو	ڈاکٹر محمد وحید مرزا	۵/۰
اردو زبان اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد	۴/۰
اشتر و سوزن	قاضی عبدالودود	۴/۰
آموزگار فارسی	محمد حسین آزاد	۱/۲۵
ادبستان	مرتبہ پروفیسر اختر قادری	۵/۰
[illegible] نگاری	اثر لکھنوی	۲/۵
اس نے کہا	خلیل جبران	۲/۰
ادبی تنقید	ڈاکٹر محمد حسن	۴/۰
افادات مہدی	مرتبہ بیگم مہدی	۴/۵۰
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی	رام پرشاد	۲/۵۰
اصول تعلیم	خواجہ غلام السیدین	۲/۰
اہل ہند کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر تارا چند	۵/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
انسانی معاشرہ	محمد عبدالرحمن مہاجر	۱/۲۵
[illegible] ہادی النساء	منشی احمد دہلوی	۲/۷۵
الف لیلہ	نول کشور	۸/۰
ارمغان آصف	مرتبہ خواجہ احمد فاروقی	۵/۵۰
اردوئے معلی (میر سوز نمبر)	مرتبہ خواجہ احمد فاروقی	۷/۰
″ ″ (قائم نمبر)	″ ″ ″	
انتخاب اودھ پنچ	مرتبہ رضی کاظمی	۰
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	
آگہی و بے باکی	باقر مہدی	۵/۵۰
امیر خسرو بحیثیت ہندی شاعر	ڈاکٹر صفدر آہ	۲/
اسرار کائنات و اشرف المخلوقات	ڈاکٹر اختر احمد	۳/۶۰
بہادر شاہ ظفر فن اور شخصیت	پروفیسر خواجہ تہور حسین	۵/۵
سرمہ اکبری کامل	نول کشور پریس	۰
ببلوگرافیا اردو ڈرامہ اول، دوم	ڈاکٹر نامی	۱۴/۰
بزم خیال	صفدر مرزا پوری	۱/
بھگوان بدھ	دھرمانند کوسمبی	۷/۰
۴۴ نظمیں ایک روایت ایک بغاوت	ڈاکٹر سید محمد حسنین	۲۰
باپ کا خط بیٹی کے نام	حبیب الحسن قادری	۰/۲۵
باقیات شبلی	مشتاق حسین	۰/۷۵
بچوں کی نفسیات	ڈاکٹر عبدالرؤف	[illegible]
باغ و بہار	میر امن دہلوی	۳/۰
بچوں کی رہنمائی	ڈاکٹر عبدالرؤف	۱/۹
بچوں کی تربیت	″ ″ ″	۰
بے بات کی بات	سیدہ نسیم چشتی	۱/
بچوں کی دیکھ بھال	سوسن آئزک	
بہترین افسانے	ایم حبیب خاں	۵
بات بات	سید اقبال احمد	۱/-
بیسویں صدی کے چند اکابر غزل گو	ڈاکٹر محمد اسلام	۱/۰

Regd. No. D 58 December 196

KITAB NUMA

JAMIA NAGAR, NEW DELHI 25

پبلشر سید احمد دہلوی نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا